نبیلہ عزیز

رقصِ بسمل سا

ماورا مرتضیٰ، عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایر پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "ساشا" کو جانا پڑتا ہے۔ وہ آفاق کی بدتہذیبی پر خفا ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

منزہ، ثمینہ اور نیرہ کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شان دار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیرہ کے بیٹے سے فارہ کی بہن حمنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید انجان بن جاتا ہے۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق یزدانی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثمینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔



اشتیاق یزدانی، آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ عزت، تیمور کے موبائل سے ولید کا نمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ رضا حیدر، تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی تاریخ میں ماورا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ ماورا، عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ عزت اپنے دل کی کیفیات ساشا سے بیان کر دیتی ہے۔ ماورا بی گل کو بتاتی ہے کہ وہ رضا حیدر کے بیٹے تیمور حیدر سے ملی ہے۔ بی گل دم بخود رہ جاتی ہیں۔

شادی میں تیمور حیدر، ماورا کے قریب آنے کی کافی کوشش کرتا ہے مگر ماورا کا سخت اور کھردرا رویہ ہر بار اسے ناکام کر دیتا۔ تیمور، ماورا سے رضا حیدر کو ملواتا ہے۔ رضا حیدر اسے دیکھ کر چونک جاتے ہیں مگر باوجود کوشش کے وہ سمجھ نہیں پاتے۔ فارہ کی ہی شادی میں عزت کی ملاقات قیام مرزا کے بیٹے مونس مرزا سے ہوتی ہے۔ وہ سخت بیزار ہوتی ہے جبکہ مونس خوب دلچسپی لیتا ہے۔

آفاق آدھی رات کو غائب ہو جاتا ہے۔ فارہ پریشان ہوتی ہے۔ وہ صبح آکر بتاتا ہے کہ اس کے دوست کے ساتھ کوئی ایمرجنسی ہو گئی تھی۔ اس لیے اس کے آرام کا خیال کرتے ہوئے وہ بغیر بتائے چلا گیا تھا۔ مگر فارہ اس کی بات پہ یقین نہیں کرتی۔ تیمور، فارہ کے ذریعے ماورا کو اپنے آفس میں ایک شاندار پیکج پر جاب کی پیشکش کرتا ہے جسے ماورا کافی حیل حجت کرنے کے بعد قبول کر لیتی ہے۔

—۱۱—

گیارہویں قسط

"مجھے جاب مل گئی ہے۔"

اس نے انتہائی مضبوط اور دو ٹوک لہجے میں کہتے ہوئے اعلان کیا اور اپنے دھیان میں تمکن کپڑے تہ کرتے رکھتی عافیہ بیگم کے ہاتھ ٹھٹک کر رک گئے تھے۔

"اچھا۔۔۔ کہاں۔۔۔؟" انہوں نے اپنے دھیان کی طنابیں اس کی طرف موڑ دیں۔ اس نے انہیں جواب دینے سے پہلے اک نظر بی گل کی طرف دیکھا۔ وہ نظریں چرا گئیں کیوں کہ انہیں خدشہ تھا کہ عافیہ کھڑے قدسے گر جائیں گی۔

"کہاں جاب ملی ہے۔۔۔؟" انہوں نے دوبارہ پوچھا۔

"کراچی کی ایک ٹیکسٹائل کمپنی میں۔۔۔" اس نے وہ بم پھوڑ ہی دیا تھا جس سے بی گل کو عافیہ بیگم کے مر جانے کا خدشہ تھا۔

"کیا۔۔۔؟" ان کے منہ سے یہ لفظ بھی بہت ہی مری آواز میں نکلا اور ان کے ہاتھ میں پکڑا اس کا دوپٹہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے فرش پہ جا گرا۔

"جی۔۔۔! مجھے کراچی کی ایک ٹیکسٹائل کمپنی میں جاب مل گئی ہے اور کمپنی کی طرف سے گھر اور گاڑی کی سہولت بھی مہیا کی جائے گی، اس لیے بہت جلد ہمیں کراچی شفٹ کرنا ہو گا۔"

وہ ہنوز اسی لہجے میں بات کر رہی تھی اور عافیہ بیگم کا دماغ چکرا گیا تھا۔ وہ خود کو سنبھال نہیں پائیں۔ انہیں بہت زور کا چکر آیا تھا اور وہ لہرا کے سیدھی فرش پہ آگری تھیں۔

"ہائے اللہ۔۔۔ میری بچی۔۔۔ میں نے کہا بھی تھا۔۔۔ وہ سنے گی تو مر جائے گی۔" وہ اپنا سینہ پیٹتے ہوئے اٹھ کر عافیہ بیگم کے قریب ہی فرش پہ بیٹھ گئیں۔

"عافیہ۔۔۔ عافیہ۔۔۔ بیٹا آنکھیں کھولو۔۔۔ عافیہ کیا ہو گیا ہے بیٹا۔۔۔؟" بی گل یک دم پریشان ہو کر ان کا چہرہ تھپتھپانے لگیں۔ ماورا نے بی گل کی مدد سے انہیں پلنگ پر لٹایا اور "میں ڈاکٹر کو لے کر آتی ہوں۔" وہ انہیں چھوڑ کر اپنا پرس اٹھانے لگی۔

"رہنے دو۔۔۔ ڈاکٹر کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ دوا سے ٹھیک نہیں ہو گی، خوامخواہ فضول خرچی کرو گی۔" بی گل نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

"تو پھر۔۔۔؟ کیسے ٹھیک ہوں گی یہ؟" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"تم خود جانتی ہو۔۔۔" انہوں نے بڑی لاپروائی سے کہا ماورا ان کے انداز سے ہی سمجھ گئی کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں۔

"ایم سوری بی گل۔۔۔! میں انہیں کوئی جھوٹی تسلی نہیں دے سکتی۔ آج انہیں جھوٹی تسلی دوں اور کل پھر وہی کام کروں، تو آپ بھی جانتی ہیں کہ کل بھی یہی تماشا ہو گا اور کل پھر مجھے میڈیسن لینے جانا ہی پڑے گا۔" ماورا نے انتہائی تیکھے لہجے میں کہتے ہوئے معذرت کی۔ عافیہ بیگم کے دل پہ ہاتھ پڑا تھا۔

"لیکن بیٹا۔۔۔!" بی گل مزید کچھ کہنا چاہتی تھیں۔

"نہیں بی گل۔۔۔ اب نہیں۔۔۔ اب اگر انہوں نے ٹھیک ہونا ہے تو میڈیسن سے ہی ٹھیک ہونا ہے، میری یا آپ کی جھوٹی تسلی سے نہیں۔ کیوں کہ میں جو فیصلہ کر چکی ہوں، وہ کر چکی ہوں اب اس فیصلے سے ہٹنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے میرا۔ چاہے آپ لوگ میرا ساتھ دیں یا نہ دیں۔ اسی ہفتے یہاں سے شفٹ کرنا ہے، آپ لوگ اچھی طرح سوچ لیں۔۔۔ ورنہ میں اکیلی بھی جا سکتی ہوں۔" وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی اور بی گل ایک بار پھر چپ کی چپ رہ گئی تھیں۔

جبکہ عافیہ بیگم نے ان کی طرف سے کروٹ بدل لی تھی، مگر بی گل جانتی تھیں کہ وہ یقیناً "دوسری طرف چہرہ چھپائے رو رہی ہیں۔

"عافیہ۔۔۔! تسلی رکھو بیٹا۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" انہوں نے پھر بھی تسلی دینے کی ہی کوشش کی تھی۔

"تسلی۔۔۔ کیسی تسلی بی گل! وہ تسلی جو اس نے مجھے دی ہی نہیں۔ وہ تسلی جو اس کے پاس ہے ہی نہیں۔۔۔ وہ تسلی جس کا اسے احساس ہی نہیں یا پھر وہ تسلی جو وہ دینا نہیں چاہتی اور آپ زبردستی دلانا چاہتی ہیں۔۔۔ بتائیں بی گل! کیا تسلی رکھوں اور کیسی تسلی رکھوں۔" عافیہ بیگم بی گل کی بات پر تڑپ کر اٹھ بیٹھی تھیں۔

اور بی گل بھی یہی چاہتی تھیں کہ وہ اپنے ڈر، خوف اور اپنی ناگواری کا یونہی تڑپ کر اظہار کریں اور اپنے اندر کا غبار نکال دیں۔ یوں چپ کر کے یا گھٹ گھٹ کے نہ رہیں۔

"تو پھر اور کر بھی کیا سکتے ہیں آخر۔۔۔ تسلی رکھنے کے علاوہ اور کوئی چارا ہے ہی کہاں؟" بی گل انہیں بڑے طریقے سے ذہنی طور پر تیار کر رہی تھیں تاکہ وہ یہ بات جان لیں کہ ماورا اب کسی طور رکنے والی نہیں ہے۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ پہلے ہی ہتھیار ڈال چکی ہیں؟" عافیہ بیگم کو اور زیادہ پتنگے لگ گئے۔

"بعد میں بھی تو ڈالنے ہی ہیں نا۔" بی گل نے بڑے سکون سے وجہ بتائی تھی۔

"مگر میں ایسا نہیں کر سکتی۔۔۔ کبھی بھی نہیں۔۔۔" انہوں نے بہت ہی سختی سے کہتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی تھی۔

"تو ٹھیک ہے۔۔۔ اپنی بیٹی کو باغی کر دو۔ اسے اس کے حال پہ چھوڑ دو۔ وہ جہاں جانا چاہتی ہے چلی جائے۔ اور جو

کرنا چاہتی ہے کرلے تمہاری بلا سے۔" وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔
"بی گل۔۔۔! مجھے آپ کے ساتھ کی ضرورت ہے۔" عافیہ بیگم چیخی تھیں۔
"اور اسے ہم دونوں کے ساتھ کی ضرورت ہے عافیہ!" بی گل کا لہجہ بھی بدل چکا تھا۔
"وہاں رضا حیدر بھی ہوگا بی گل۔۔۔؟" عافیہ بیگم نے اپنا رونا رویا۔
"رضا حیدر تو اس دنیا میں بھی ہے تو کیا تم اس دنیا سے بھی بے دخل ہو جاؤ گی؟" بی گل کے جواب اکثر کرارے ہوتے تھے۔
"مجھے سمجھنے کی کوشش کریں پلیز۔۔۔ وہ مجھ سے چھن جائے گی۔۔۔ میں۔۔۔ میں خالی ہاتھ رہ جاؤں گی۔"
عافیہ بیگم بہت چیخی تھیں بہت کرلائی تھیں بہت واویلا کیا تھا مگر ماورا نے کوئی ایک بھی کمزور اور جذباتی سین اپنے احساسات کے قریب نہیں آنے دیا تھا' وہ ان کی طرف سے مکمل طور پہ بے بہرہ ہو چکی تھی اور بی گل کی لاتعلقی کا بھی یہی حال تھا۔ وہ بھی ان کی طرف سے لاپروا ہو گئی تھیں۔ عافیہ بیگم سچ مچ بستر سے لگ گئیں کیوں کہ ماورا نے سچ مچ بغاوت کا اعلان کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کیا اب تک ناراض ہو۔۔۔؟"
آفاق نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اپنے برابر بیٹھی فارہ سے پوچھا۔ ان دونوں کے بیچ شادی کی پہلی رات سے ہی اک کھنچاؤ اور ناراضی سی چلی آرہی تھی' جس کو آفاق نے بارہا ختم کرنے کی کوشش کی مگر نہیں کر سکا تھا۔ کیوں کہ فارہ کوئی رسپانس ہی نہیں دیتی تھی۔
"نہیں۔۔۔! میری آپ سے کوئی ناراضی نہیں ہے۔" اس نے ہنوز لاتعلقی سے جواب دیا۔
"تو پھر کس سے ناراض ہو؟" آفاق نے گردن موڑ کر ذرا کی ذرا اس کی طرف دیکھا' وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔
"شاید اپنے آپ سے۔۔۔" وہ یوں مدھم آواز میں بول رہی تھی جیسے اپنے آپ سے بات کر رہی ہو۔
"اپنے آپ سے کیوں۔۔۔؟" آفاق نے ہاتھ بڑھا کے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا' جس پہ مہندی کے مدھم سے نقش و نگار ابھی بھی موجود تھے۔
"کیوں کہ ہر بار بہل جاتی ہوں' کبھی معافی سے' کبھی تلافی سے۔۔۔" اس نے تمسخرانہ انداز میں کہتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔
"تو اس میں ناراضگی والی کیا بات ہے۔ یہ تو تمہاری محبت ہے کہ تم ہر بار بہل جاتی ہو۔۔۔ کیوں کہ محبت تو بہلنے کے بہانے ڈھونڈتی ہے۔" آفاق نے اس کی بات کو اپنے ہی طریقے سے لیا تھا۔
"اور آپ کی محبت۔۔۔ وہ کیا کرتی ہے۔۔۔ یہ بھی سوچا آپ نے۔۔۔؟" فارہ نے طنز کیا۔
"سوچتا ہوں۔۔۔ اکثر سوچتا ہوں۔ میری محبت بھی تمہاری محبت سے کم نہیں ہے۔ غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی کبھی معافی اور کبھی تلافی کرتی ہے' کبھی دوسروں کے سامنے اور کبھی تمہارے سامنے بے وجہ ہی شرمندہ کرتی رہتی ہے۔" آفاق آہستگی سے کہتے ہوئے ہنسا اور پھر سر جھٹک دیا۔
"بے وجہ۔۔۔ یہ سب بے وجہ ہے؟" فارہ غصے سے متوجہ ہوئی۔
"ہاں۔۔۔ بے وجہ ہی تو ہے۔ اس میں میری کوئی دانستہ غلطی تو نہیں تھی۔ مجھے اپنے دوست کی وجہ سے اچانک

جانا پڑ گیا تھا۔" آفاق نے پھر وہی بہانہ سامنے رکھا۔
"کس دوست کی وجہ سے آپ کو اچانک جانا پڑ گیا تھا۔ کیا مجھے اس دوست سے ملوا سکتے ہیں آپ۔۔۔؟" فارہ نے اس کی طرف رخ موڑتے ہوئے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔
"یعنی تمہیں مجھ پہ یقین نہیں ہے۔۔۔؟"
"آپ نے بے یقینی ہی اتنا کر دیا ہے کہ اب یقین کرنا بھی چاہوں تو دل نہیں مانتا۔" فارہ کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا اور آفاق نے بے ساختہ گاڑی کو بریک لگایا۔
"فارہ پلیز۔۔۔! کیوں اتنی چھوٹی سی بات پہ اتنی ٹینشن لے رہی ہو۔۔۔؟ پلیز بات مانو۔۔۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔"
آفاق نے اس کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی سمت موڑا۔
"یہ اتنی چھوٹی سی بات نہیں ہے آفاق۔۔۔! میں کیسے یقین کرلوں کہ شادی کی رات آپ کے کسی دوست نے آپ کو بلایا اور آپ اٹھ کر چلے گئے۔۔۔ آپ کے موبائل پہ آپ کے دوست کی کال آئی' موبائل بجا' آپ نے بات کی اور مجھے پتا ہی نہ چلا۔۔۔ حالانکہ سوئے ہوئے زیادہ دیر تو نہیں گزری تھی؟" فارہ نے بہت سے نکتے اٹھا ڈالے تھے جن کا جواب آفاق کے پاس واقعی نہیں تھا۔
"بتائیں آفاق۔۔۔؟ مجھے آپ کے دوست کی کال کا پتا کیوں نہیں چلا۔۔۔ اور اگر میں یہ مان بھی لوں کہ میں گہری نیند سو رہی تھی اور مجھے پتا نہیں چلا تو اس بات کا آپ کیا جواز پیش کریں گے کہ آپ کا موبائل گھر پہ کیوں تھا۔۔۔؟ اگر آپ کا دوست پریشانی میں تھا' مشکل میں تھا' پولیس کیس تھا تو پھر آپ کو اپنا موبائل اپنے ساتھ لے کر جانا چاہیے تھا۔ آپ کو موبائل کی کسی بھی وقت ضرورت پڑ سکتی تھی۔ پھر بھی آپ موبائل لے کر نہیں گئے۔۔۔ کیوں آفاق۔۔۔؟" فارہ اب اونچی آواز میں چیخ اٹھی تھی۔
"میں جلدی میں تھا فارہ۔۔۔ مجھے موبائل لے جانا یاد ہی نہیں رہا۔" آفاق اسے بار بار سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔
"جھوٹ مت بولیں آفاق۔۔۔ آپ اگر جلدی میں تھے تو اپنے موبائل سے اپنے دوست کی کال کا ریکارڈ ڈیلیٹ کرنا کیسے یاد رہا آپ کو۔۔۔؟" اس نے ایک اور پوائنٹ نکالا۔
"ریکارڈ ڈیلیٹ کرنا۔۔۔؟" آفاق کو اچنبھا ہوا۔
"ہاں ریکارڈ ڈیلیٹ کرنا۔۔۔ آپ کے دوست کی جو کال آئی تھی۔ وہ آپ کے کال لاگ میں ہونی چاہیے تھی نا۔۔۔؟ اور اگر آپ نے ڈیلیٹ نہیں کی تو ظاہری بات ہے کہ کال آئی ہی نہیں تھی' آپ جہاں بھی گئے تھے اپنی مرضی سے گئے تھے اور مجھ کو بتائے بغیر مجھ سے چوری گئے تھے۔"
اس نے آخر میں بات ہی ختم کر ڈالی تھی اور آفاق چپ کا چپ رہ گیا تھا۔ اندر سے پریشان بھی ہوا تھا کہ فارہ نے کہاں تک سوچ لیا تھا۔
"دیکھو فارہ۔۔۔ پلیز۔۔۔ پلیز۔۔۔ فی الحال کوئی بھی ٹینشن مت لو۔۔۔ میں اس وقت تمہیں صرف اس لیے اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں تاکہ تمہارا الجھا ہوا ذہن کچھ فریش ہو سکے' لیکن یوں گھر سے باہر آکر بھی اگر تم یہی سب کچھ سوچتی رہو گی تو تمہارا ذہن فریش ہونے کے بجائے مزید الجھتا جائے گا۔۔۔ سو۔۔۔ پلیز۔۔۔ پلیز بس کرو اب۔۔۔"
آفاق نے پھر اسے بہلایا تھا اور فارہ نے سر جھٹک دیا۔
"اوکے۔۔۔! میں کچھ نہیں کہتی اور کوئی ٹینشن نہیں لیتی' لیکن پلیز آپ بھی اس ٹاپک پہ کوئی بات مت کریں۔" اس نے آفاق کو مزید صفائی دینے سے روکا تھا۔

"اوکے۔۔۔ نہیں کروں گا، لیکن تم پلیز اپنا موڈ تو ٹھیک کرو۔۔۔" آفاق نے کہتے ہوئے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی تھی۔

"میرا موڈ ٹھیک ہے۔۔۔ آپ گھر چلیں۔" اس کے موڈ میں بے زاری اور کوفت تھی۔

"گھر۔۔۔؟ لیکن میں تو کھانا کھانا چاہ رہا تھا۔" آفاق کو اچنبھا ہوا۔

"گھر جا کر کھا لیجیے گا۔"

"فار۔۔۔!"

"پلیز آفاق! مجھے گھر جانا ہے۔" اس نے سرد مہری سے کہا۔

☼ ☼ ☼

"عزت۔۔۔!" وہ اپنی دھن میں مگن کہیں جا رہی تھی جب تیمور نے اسے آواز دے کر روکا۔

"جی بھائی۔۔۔!" وہ اس کی طرف پلٹی۔ تیمور لان میں بیٹھا چائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"آؤ بیٹھو۔۔۔!" اس نے اپنے مقابل۔۔۔ کرسی کی سمت اشارہ کیا تھا اور مجبوراً عزت اپنا کہیں جانے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے آ کر اس کے مقابل بیٹھ گئی۔

"بڑے فارغ نظر آ رہے ہیں آج کل۔۔۔ خیریت۔۔۔؟" عزت نے اسے ہمیشہ مصروف ہی دیکھا تھا، لیکن پچھلے کچھ عرصہ سے وہ اکثر فارغ نظر آنے لگا تھا جس کو اپنی لاپروائی کے باوجود عزت نے بھی نوٹ کیا تھا اور کہہ بھی دیا تھا۔

"بس۔۔۔ کیا کروں۔۔۔ کام کرنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔" وہ چائے کا کپ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے مسکرایا اور اس کی اس ذو معنی سی مسکراہٹ پہ عزت کے ذہن میں بھی ایسی ہی ذو معنی سی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

"اچھا۔۔۔! تو پھر کیا کرنے کو دل چاہتا ہے۔۔۔؟"

"محبت کرنے کو دل چاہتا ہے۔" وہ دل ہی دل میں کہہ کے رہ گیا۔

"بتائیں نا۔۔۔ کیا کرنے کو دل چاہتا ہے۔۔۔؟" وہ اصرار کرنے لگی۔

"تم سے لڑائی کرنے کو دل چاہتا ہے۔" کچھ نہ سوجھا تو اس نے یہ کہہ دیا اور عزت اس کا جواب سن کر پہلے حیران ہوئی، پھر مسکرائی اور پھر اسی بات کو سوچتے ہوئے یک دم کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"اوہ۔۔۔! تو مجھ سے لڑائی کرنے کو دل چاہتا ہے آپ کا۔" وہ کافی کھل کر ہنستے ہوئے بولی تھی۔

"ہاں۔۔۔!" وہ بڑی معصومیت سے سر ہلا رہا تھا۔

"مگر کس بات پہ۔۔۔؟" اب وہ بھی دلچسپی کی انتہا پہ تھی۔

"بس ایویں۔۔۔ بلاوجہ۔" تیمور نے کندھے اچکائے۔

"اوں ہوں۔۔۔! بلاوجہ کی لڑائی بھی کوئی لڑائی ہوتی ہے بھلا۔۔۔؟ لڑنے کا بھی مزا نہیں آتا۔ ہاں اگر آپ کا سچ مچ لڑنے کو دل چاہ رہا ہے تو ابھی کوئی وجہ کری ایٹ کر لیتے ہیں کوئی برا سا ٹاپک رکھ لیتے ہیں۔" وہ بھی میدان میں اتر چکی تھی اور تیمور اس کے انداز پہ مسکرا اٹھا تھا۔

"برا سا کیوں۔۔۔؟ اچھا سا کیوں نہیں۔۔۔؟"

"اچھے ٹاپک پہ لڑائی نہیں ہوتی۔" عزت نے جواز سمجھایا۔

"ہوں۔۔۔! یہ بات بھی درست ہے۔" اس نے اتفاق کیا۔

"اوکے۔۔۔! تو پھر جلدی شروع کریں۔۔۔ پھر مجھے کہیں جانا بھی ہے۔" عزت نے اسے لڑنے کے لیے اکسایا۔

"جانا کہاں ہے؟"

"شاپنگ پہ۔۔۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

"ارے۔۔۔! یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔۔۔ میں بھی تم سے شاپنگ کے لیے ہی کہنے والا تھا۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟ شاپنگ کے لیے کہنے والے تھے؟" عزت نا سمجھی سے پوچھ رہی تھی۔

"وہ دراصل آج ولید کی چھوٹی سسٹر کا برتھ ڈے ہے، کبھی کبھار اس سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ وہ بھی مجھے بھائی ہی کہتی ہے۔ اس لیے سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ آج میں بھی اس کی خوشی میں شریک ہو جاؤں اور اسے سرپرائز دوں۔" تیمور نے اسے اک نئی بات بتا کر چونکا دیا تھا۔

"ولید کی چھوٹی سسٹر کا برتھ ڈے۔۔۔!" اس کی سوچ اب کہیں سے کہیں جا پہنچی تھی۔

"کیا خیال ہے۔۔۔ میرے ساتھ چلو گی شاپنگ پہ۔۔۔؟" اب تیمور نے اسے چونکانے کے بعد متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

"دراصل مجھے لڑکیوں کی شاپنگ کا کچھ سینس نہیں ہے نا اس لیے۔۔۔ وہ تو ہے بھی کافی چھوٹی۔۔۔ اس لیے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا لوں اور کیا نہ لوں۔۔۔؟"

"آپ ان کے گھر جائیں گے۔۔۔؟" اس نے اصل نکتہ اٹھایا۔

"آف کورس۔۔۔! اسے سرپرائز دینا ہے تو اس کے گھر ہی جانا پڑے گا نا۔۔۔؟" وہ لاپروائی سے بولا۔

"کیا میں بھی جا سکتی ہوں ان کے گھر۔۔۔؟" عزت نے جھجکتے ہوئے سوال پوچھا۔

"ارے ڈیٹس گریٹ یار۔۔۔! مزا آئے گا۔۔۔ تم ضرور چلو۔۔۔ اس طرح آنٹی بھی خوش ہوں گی۔" تیمور کو اس کا ارادہ اچھا لگا تھا۔ فوراً "ہاں" میں ہاں ملائی۔

"تو پھر میں بھی اس کے لیے گفٹ لے لوں۔۔۔؟"

"ارے۔۔۔! بالکل۔۔۔ ضرور لو۔۔۔ گفٹ لینے اور دینے سے تو محبت اور بھی بڑھتی ہے۔ اچھا لگے گا۔ وہ خوش ہو جائے گی۔ ولید بھی۔"

"اوکے۔۔۔! تو پھر ٹھیک ہے۔۔۔ چلتے ہیں۔" عزت فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"مجھے چائے تو ختم کر لینے دو۔۔۔" تیمور نے اسے روکا۔

"اب ریسٹورنٹ سے پی لیجیے گا۔۔۔ چلیے۔۔۔ اٹھیے۔۔۔" اس نے تیمور کے پاس آتے ہوئے تیمور کا بازو پکڑ کر اسے کھینچتے ہوئے اٹھانے کی کوشش کی۔

"اچھا بابا۔۔۔ چلتا ہوں۔۔۔ ایک منٹ ٹھہرو تو سہی۔۔۔" تیمور ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ کا تو شاید لڑنے کو دل چاہ رہا تھا۔" گاڑی روڈ پہ آتے ہی عزت نے شرارت سے اسے چھیڑا تھا۔

"لڑنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ بلکہ تمہارے ساتھ مل کر موج مستی کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔" تیمور مسکراتے ہوئے بولا اور جواباً عزت بھی ہنس پڑی کیوں کہ ایسی موج مستی پہ تو اس کا دل بھی خوش ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یار۔۔۔! یہ ان میں کیسی ہوا بھر رہے ہو تم۔۔۔؟ پھولتے جا رہے ہیں۔۔۔ پھولتے جا رہے ہیں۔۔۔ پھٹ ہی نہیں

رہے۔۔۔؟" ولید نے غباروں میں ہوا بھرتے وحید کو حیرت اور تعجب سے دیکھا۔

"یہ میرے منہ سے لگ کر امر ہوتے جارہے ہیں۔" وحید نے غبارے کو گرہ لگاتے ہوئے فخریہ سے انداز میں کہا۔

"ہاہاہا۔۔۔!منہ نہ ہوا۔۔۔ آب حیات ہو گیا۔" ککو کمرے سے نکلتے ہوئے قہقہہ لگا کر ہنسی تھی۔

"ہاں۔۔۔!تو ہے نا آب حیات۔۔۔ یقین نہیں آتا تو ان غباروں کو دیکھ لو۔" وحید نے اپنے آس پاس بکھرے بے حد پھولے ہوئے غباروں کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ تمہارے منہ کا کمال نہیں ہے بلکہ کمال یہ ہے کہ بھائی غبارے ہی اچھی کوالٹی کے لائے تھے۔" ککو نے وحید کا منہ چڑایا۔ وحید تلملا کر رہ گیا۔

"ککو کی بچی۔۔۔!میں نے تمہاری خاطر اپنی قیمتی سانسیں خرچ کرکے ان میں ہوا بھر بھر کے پورا صحن بھر دیا ہے اور تمہیں پھر بھی یہی فخر خوش کر رہا ہے کہ بھائی غبارے اچھی کوالٹی کے لائے ہیں۔" وحید بھی دانت کچکچانے لگا تھا۔

"ویسے کام تو تمہیں بہت اچھا ملا ہے۔۔۔ ہوا بھرنے کا۔" ککو نے مذاق اُڑایا۔ وحید اسے پکڑنے کے لیے لپکا' لیکن ہاتھ میں پکڑا غبارہ چھوٹ گیا تھا اور اس کی ہوا نکل گئی تھی اور ساتھ ہی پاؤں کے نیچے آجانے کی وجہ سے دو غبارے بھی پھٹ گئے تھے۔

"لو۔۔۔ ہو گئے امر۔۔۔" ککو بے ساختہ ہنسی۔

"لو۔۔۔ یہ رہی اچھی کوالٹی۔۔۔" وحید نے بھی تمسخرانہ انداز میں پاؤں پٹخا ان دونوں کی نوک جھونک پہ دیوار کے ساتھ کرسی رکھ کے کرسی پہ کھڑے ہو کر دیوار اور چھت کے ساتھ غبارے لگاتے ولید کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"ارے بیٹا۔۔۔!تم تو ایسے تیاری کر رہے ہو جیسے ہمارے گھر بہت سے مہمان آنے والے ہوں۔" زبیدہ بیگم نے استہزائیہ لہجے میں کہتے ہوئے ان تینوں کے اتنے جوش و خروش اور اتنی تیاری پہ چوٹ کی۔

"اور وہ بھی ولید بھائی کی سسرال سے۔۔۔" وحید نے اب بڑے بھائی کو نشانے پہ رکھا۔

"سانسیں تو تمہاری خشک ہو رہی ہیں ہوا بھر بھر کے۔۔۔؟" ولید نے بھی مذاق اڑایا۔

"میں نے تو صرف ہوا بھری ہے' مگر آپ تو غباروں کے ساتھ غبارہ ہی ہو گئے ہیں' دیوار سے لٹک گئے ہیں۔" وحید بھی آخر اسی کا بھائی تھا۔ سیر کو سوا سیر ثابت ہونے والا۔۔۔!

"جب تمہاری سسرال سے کوئی آیا تو تم چھت سے لٹکو گے۔۔۔ آثار تو ہمیں پہلے ہی نظر آرہے ہیں۔" ولید نے اس کے پٹر پٹر بولنے پہ طنز کیا تھا' لیکن اس سے پہلے کہ جواباً" وحید بھی مزید گل افشانی کرتا اتنے میں باہر دروازے پہ ہلکی سی دستک ہوئی۔ وہ چاروں ہی چونک گئے۔

"لیں جی۔۔۔ آگئے آپ کی سسرال والے۔۔۔" وحید نے مسکراتے ہوئے شرارت سے اشارہ کیا۔

"بکواس نہیں کرو۔۔۔ جاؤ دیکھو باہر کون ہے۔" ولید نے اسے گھورا اور وحید پھر بھی مسکرانے سے باز نہیں آیا تھا۔

"اٹس اوکے۔۔۔!آپ دیوار سے ٹنگے رہیں۔۔۔ میں دیکھ لیتا ہوں۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا تھا اور ولید اس کی شرارت پہ مسکراتے ہوئے پلٹ کر دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

لیکن اُدھر بڑے ہی بے نیاز انداز میں دروازہ کھولنے والا وحید اپنے سامنے کھڑے تیمور حیدر اور ایک لڑکی کو

دیکھ کر سچ مچ گڑبڑا گیا تھا۔

"ہیلو۔۔۔!کیسے ہو۔۔۔؟" تیمور نے ہی اسے متوجہ کیا۔

"السلام علیکم۔۔۔!" "ج۔۔۔جی۔۔۔ ٹھیک ہوں۔۔۔ آ۔۔۔ آپ۔۔۔ آئیں نا۔۔۔ اندر آجائیں۔۔۔" وہ اس کے متوجہ کرنے پہ چونکا اور ہکلا گیا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔!ولید ہے گھر پہ۔۔۔؟" تیمور ولید کی غیر موجودگی میں نہیں آنا چاہتا تھا۔

"جی۔۔۔!گھر پہ ہی ہیں۔۔۔ آپ آجائیں پلیز۔۔۔" وحید کہتے ہوئے سامنے سے ہٹ گیا اور تیمور عزت کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"وحید۔۔۔!کہاں چلے گئے ہو۔۔۔ کون ہے باہر۔۔۔؟" ولید اپنے کام میں مصروف ابھی تک غبارے لٹکا رہا تھا۔

"آپ کے دوست۔۔۔" وحید کی دھیمی سی آواز سنائی دی تھی۔

"کون۔۔۔ تیمور۔۔۔؟" ولید نے چونک کر پیچھے مڑ کے دیکھا اور پھر جہاں کا تہاں کھڑا رہ گیا۔ تیمور تو تیمور۔۔۔ تیمور کے ساتھ کھڑی عزت حیدر بھی بڑی دلچسپی اور بڑے مزے سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ماشاء اللہ۔۔۔ ماشاء اللہ۔۔۔ بہت اچھے لگ رہے ہو۔" تیمور اسے ذرا ستائشی انداز میں سراہتے ہوئے آگے بڑھ آیا۔

"تھینک یو۔۔۔!" ولید خود پہ ہونے والے اس اچانک حملے کے بعد بڑی مشکل سے اپنے آپ کو کمپوز کرتا کرسی سے نیچے اتر آیا۔

"السلام علیکم آنٹی۔۔۔!" تیمور اب اسے چھوڑ کر زبیدہ بیگم کی طرف متوجہ ہوا۔ اور زبیدہ بیگم آگے بڑھ کے کافی خوش دلی سے اس سے ملی۔

"السلام علیکم۔۔۔!" عزت نے بھی کافی مدھم آواز میں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا!آؤ بیٹھو۔۔۔" انہوں نے اس کے ماتھے پہ پیار کرنے کے بعد کرسی کی طرف اشارہ کیا جبکہ عزت ان کے اتنے محبت بھرے انداز پہ مسرور سی ہو گئی۔ اور ولید ان دونوں کا یہ محبت بھرا سین دیکھ کر نظریں چرا گیا۔

"یہ ککو کے لیے۔۔۔ ککو ادھر آؤ۔۔۔" تیمور نے ایک طرف کھڑی ککو کو خود ہی مخاطب کیا۔ وہ عزت کی وجہ سے جھجکتی ہوئی اس کے قریب آئی۔

"کیسی ہو۔۔۔؟" تیمور نے اس کا رخسار تھپکتے ہوئے بہت پیار اور نرمی سے پوچھا۔

"جی۔۔۔ ٹھیک ہوں۔" اس نے اپنا چہرہ بے حد جھکا رکھا تھا۔

"ٹھیک ہو تو پھر چہرہ اوپر کرو۔۔۔ اور ادھر میری طرف دیکھو۔" تیمور نے اسے اپنی طرف دیکھنے پہ اکسایا۔

"جی۔۔۔" اس نے بمشکل چہرہ اوپر کرنے کی ہمت کی تھی اور تیمور اس کے انداز پہ یک دم قہقہہ لگا کر ہنسا اس کے ہنسنے پہ باقی سب بھی مسکرا دیے۔

"گڈ۔۔۔!نائس بے بی۔۔۔" تیمور نے پیار سے کہتے ہوئے اسے گفٹ تھمایا۔ "ہیپی برتھ ڈے۔۔۔" ساتھ ہی اسے وش بھی کیا۔

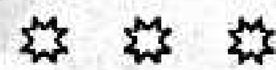
"تھینک یو بھائی۔۔۔" وہ گفٹ دیکھ کر خوش ہوئی تھی زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ تیمور نے اسے یاد رکھا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے۔۔۔" عزت نے بھی آگے بڑھ کے اسے اپنی طرف سے ایک گفٹ تھمایا تو ککو پھر جھجک گئی تھی۔

"ارے... لے لو بیٹا... یہ بھی تمہاری سسٹر ہی ہے۔" تیمور نے اسے اکسایا۔
"سسٹر...؟" ککو نے اسے پہچانا نہیں۔
"ہاں گڑیا...! یہ میری سسٹر ہے تو پھر تمہاری بھی تو سسٹر ہوئی نا...؟"
"یہ آپ کی سسٹر ہیں...؟" ککو نے یک دم بڑے شوق اور بڑے اشتیاق کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔
"تو بیٹا... آپ کے خیال میں... میں اپنی کسی گرل فرینڈ کو ساتھ لیے پھر رہا ہوں...؟" تیمور مسکرایا اور ککو اس کی بات پہ پہلے زور سے ہنسی پھر شرمندہ ہو کے رہ گئی تھی۔
"آئی ایم سوری بھائی...!" اس نے معذرت کی۔
"اٹس اوکے...! میں آپ کے بھائی جیسا کمینہ نہیں ہوں۔" تیمور نے آخری جملہ ذرا دبے لفظوں میں کہا تھا۔ لیکن قریب کھڑی عزت اور ولید نے با آسانی سن لیا تھا' عزت کے کان کھڑے ہو گئے۔ تیمور نے اس پہ یہ چوٹ کیوں کی کیا اس کی کوئی گرل فرینڈ بھی ہے...؟
عزت نے وہیں کھڑے کھڑے اندازے لگانے شروع کر دیے۔
"کیا بات ہے آج بڑی مستی سوجھ رہی ہے تمہیں...؟" ولید اس کے چہرے کی اور اس کے لہجے کی خوشی فوراً ہی بھانپ گیا۔
"ہاں یار...! مجھے خود بھی یہی محسوس ہو رہا ہے۔" تیمور مسکرایا۔
"وجہ...؟" وہ عزت اور ککو کے وہاں سے ہٹتے ہی استفسار پہ اتر آیا تھا۔
"سنگدلوں کی عدالت میں میری درخواست منظوری پا گئی ہے۔" تیمور کے مبہم سے جواب پہ وہ بے ساختہ چونکا۔

"مطلب...؟" ولید کو حیرانی ہوئی۔
"مطلب وہی ہے جو تم سمجھ چکے ہو۔" تیمور نے کندھے اچکائے۔
"یعنی قبولیت پا گئے ہو...؟" ولید چہکا۔
"بس اللہ کا احسان ہے۔" تیمور عاجزی سے بولا۔
"تو پھر کب...؟" اس نے اس کے آنے کے بارے میں پوچھا۔
"بہت جلد...!" وہ دونوں گفتگو اس انداز میں کر رہے تھے کہ کوئی اور سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔
"واہ جی واہ...! پھر تو تم مبارکباد کے حق دار ہوئے..."
"خیر مبارک..." تیمور بھی آج بڑے موڈ میں۔
"بھائی! لائٹ چلی جائے گی' ککو سے کہیں کیک جلدی کاٹ لے' پھر سب کچھ دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔"
وحید نے ولید کے ادھورے چھوڑے ہوئے کام کو مکمل کرتے ہوئے دہائی دی تھی۔
"ارے ہاں بیٹا...! یہ تو صحیح کہہ رہا ہے... چلو بیٹھو تم لوگ... ککو! تم میرے ساتھ آؤ کچن میں..." زبیدہ بیگم ولید اور تیمور کو بیٹھنے کا اشارہ کرتیں' ککو کو ساتھ لیے کچن میں چلی گئی تھیں۔
"آپ بھی بیٹھیں نا..." وحید عزت کے لیے کرسی کھینچ لایا۔
"تھینک یو...! لیکن میں وہاں بیٹھنا چاہتی ہوں۔" عزت نے صحن میں بچھی چارپائی کی طرف اشارہ کیا۔
"چارپائی پہ...؟" وحید جھجکا۔
"ہاں... آن ایکٹ میں کبھی چارپائی پہ بیٹھی نہیں نا اس لیے..." عزت کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"اوکے...! ادھر بیٹھ جائیے..." وحید کندھے اچکاتے ہوئے صحن میں آ گیا اور اس کے پیچھے عزت بھی برآمدے سے صحن میں آ گئی۔
"پلیز...!" وحید نے اشارہ کیا۔
"تھینکس...!" وہ مسکراتے ہوئے بیٹھ گئی۔
"ویلکم میم...!" جواباً وہ بڑے مؤدب سے انداز میں بولا۔
"میم...؟" وہ ٹھٹکی۔
"جی...! تو اور کیا کہوں... مجھے تو آپ کا نام ہی نہیں پتا... اور ویسے بھی آپ مجھ سے بڑی ہیں۔"
"اوہ ہاں...! میرا نام عزت حیدر ہے... تم مجھے عزت بھی کہہ سکتے ہو۔" وہ لاپروائی سے بولی۔
"عزت نائس نیم... بٹ میں آپ کو عزت نہیں کہہ سکتا... ہاں اگر آپ اجازت دیں تو عزت آپی ٹھیک رہے گا۔" ان دونوں کی اپنی ہی گپ شپ شروع ہو چکی تھی۔
"اوکے... اجازت ہے... کہہ سکتے ہو۔" وہ مسکرائی۔
"تھینک یو...!" وحید خوش ہوا۔
"پڑھتے ہو...؟" ان کی بے تکلفی کا دور شروع ہو چکا تھا۔ ولید تیمور سے باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ کن انکھیوں سے انہیں بھی دیکھ رہا تھا جو وقتاً فوقتاً کسی نہ کسی بات پہ مسکرا رہے تھے۔



عزت تیمور کے ساتھ گاڑی سے اتر کر ابھی اندر آئی ہی تھی کہ اس کا سیل فون بجنا شروع ہو گیا تھا۔ اس نے سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے جونہی سیل فون نکال کر دیکھا حیران رہ گئی تھی۔ ولید کال کر رہا تھا۔
"ہیلو...!" کال بند ہونے ہی والی تھی کہ اس نے کال ریسیو کر لی۔
"السلام علیکم...!" دوسری طرف سے ولید کی ٹھہری ہوئی سی آواز سنائی دی۔
"وعلیکم السلام...! آپ کون...؟" وہ جان بوجھ کر انجان بنی۔
"میں ولید... ولید رحمان بات کر رہا ہوں۔" اس کی آواز کا ٹھہراؤ ہنوز تھا۔
"کون ولید رحمان...؟" وہ بڑے سکون سے کہتی سیڑھیاں طے کر کے اوپر اپنے بیڈ روم میں آ گئی اور بیڈ روم میں داخل ہوتے ہی اپنا پرس بیڈ پہ اچھال دیا۔
"تیمور کا دوست..." اس کے پاس بھی وہی پرانا حوالہ تھا۔
"اوہ اچھا...! وہ ولید...؟" وہ جیسے کچھ یاد آنے پہ بولی تھی۔
"جی...! وہی ولید..." وہ بھی اسی کے سے انداز میں زور دے کر بولا تھا۔
"اوکے...! کہیے... کیسے یاد کیا آپ نے...؟" وہ بات کرتے کرتے خود بھی بہت مزے سے بیڈ پہ لیٹ گئی۔
"آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے۔"
"کس بات کا...؟" وہ نا سمجھی سے بولی۔
"میرے گھر آنے کے لیے اور ککو کے لیے گفٹ لانے کے لیے..." ولید کو ان دونوں بہن بھائی کا اتنی اپنائیت اور اتنے خلوص سے آنا اور ان کی اس چھوٹی سی خوشی میں شریک ہونا بہت اچھا لگا تھا۔ زبیدہ بیگم وحید اور ککو کو بھی ان دونوں کی آمد پہ بہت خوشی ہوئی تھی۔

"لیکن اس بات کے لیے آپ کو شکریہ ادا نہیں کرنا چاہیے۔ کیوں کہ ہم آپ کے لیے نہیں آئے تھے۔ ہم تو ککو کے لیے آئے تھے اور ککو کو شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ ہمارے لیے ہماری سسٹر ہی ہے۔" عزت نے بڑی لاپروائی سے کہتے ہوئے ولید کو لاجواب کردیا تھا۔

"آپ لوگ ایسا سوچتے ہیں میں تو اس کے لیے بھی آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا۔"

"ہم لوگ تو ایسا سوچتے ہی ہیں۔ آپ بتائیں آپ کیا سوچتے ہیں؟" عزت کی پرانی رگ پھڑکی۔

"کیا مطلب؟" وہ سمجھ نہ سکا۔

"یہی کہ کیا آپ بھی تیمور بھائی کی سسٹر کو اپنی سسٹر سمجھتے ہیں؟" اس نے ولید کو کرنٹ لگا دیا تھا۔

"لاحول ولا...!" وہ دل ہی دل میں پڑھنے پہ مجبور ہو گیا تھا۔

"کیا ہوا بتایا نہیں آپ نے...؟" وہ اس سے اگلوانا چاہتی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر۔ کافی ٹائم ہو چکا ہے۔ میں فون بند کرتا ہوں۔" وہ صاف ٹال گیا تھا اور عزت شرارت سے اپنا ہونٹ دباتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"او کے...! سمجھتے رہیں... لیکن تیمور حیدر کی بہن آپ کو اپنا بھائی ہرگز نہیں سمجھتی کیوں کہ وہ ککو جیسی اچھی بچی نہیں ہے۔" عزت نے بڑی لاپروائی سے کہہ کر فون بند کردیا۔

لیکن چند سیکنڈز کے توقف کے بعد کچھ سوچتے ہوئے اس نے پھر سیل فون اٹھایا اور اس کا نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو...!" ولید آج کچھ نارمل ہی پیش آرہا تھا۔

"میں نے آپ کو بتانا تھا کہ بہرحال جو کچھ بھی تھا مجھے آپ لوگوں کے گھر آنا' ککو' وحید اور آنٹی سے ملنا' آپ کی کارکردگی دیکھنا اور چارپائی پہ بیٹھنا بہت اچھا لگا۔ آپ کے گھر میں گزری ہوئی آج کی شام میرے لیے ہمیشہ ایک خاص اور یادگار شام رہے گی۔"

عزت نے خاصے کھلے دل سے اظہار کیا تھا۔ ولید کو یہ سب سن کر اندر سے حقیقتاً بہت خوشی محسوس ہوئی تھی۔

"تھینکس اگین...!"

"ویلکم...!" عزت نے بڑے نرم سے انداز میں مسکراتے ہوئے فون بند کردیا تھا۔



آج صبح سے ہی کراچی کا موسم قدرے ابر آلود ہو رہا تھا۔

اور اس ابر آلود موسم کا اثر تمام شہریوں کے مزاج پہ بہت اچھا ثابت ہوا تھا۔

اکثر دفاتر میں لوگ کام چھوڑ کر کھڑکیوں اور دروازوں سے باہر جھانک کر موسم سے لطف اندوز ہونے کے خواہش مند نظر آرہے تھے' لیکن افسوس کہ پورا دن بارش نہیں برسی تھی' لیکن جیسے ہی شام کا وقت ہوا بارش کی راگنی بھی شروع ہو گئی تھی۔

تیمور کا ارادہ فارہ کی طرف جانے کا تھا لیکن پھر ان لوگوں کی انجوائے منٹ کا خیال کرکے اس نے اپنا ارادہ بدلا اور سیدھا گھر آگیا اور پورچ سے بھیگتے ہوئے اور بچتے بچاتے ہوئے وہ تقریباً بھاگتا ہوا اندر آیا تھا۔

"ارے سنبھل کے بیٹا سنبھل کے۔ کہیں پاؤں نہ پھسل جائے۔" کاریڈور سے باہر نکلتی رابعہ بیگم نے اسے بھاگنے سے روکا۔

"گڈ ایوننگ مام۔۔!" وہ انہیں دیکھ کر ٹھہرا۔
"جیتے رہو۔ خوش رہو۔"
"کہاں جا رہی ہیں آپ۔۔۔؟" تیمور نے بالوں سے بارش کا پانی جھاڑتے ہوئے پوچھا۔
"عزت کی گاڑی دیکھ رہی تھی۔ وہ ابھی تک یونیورسٹی سے واپس نہیں آئی اور دیکھو شام ہو رہی ہے۔" وہ قدرے پریشانی سے بولی تھیں۔
"ارے ڈونٹ وری مام۔۔۔! آجائے گی وہ۔ یقیناً ساشا وغیرہ کے ساتھ ہوگی۔۔۔ آپ اندر چلیے۔" تیمور نے ان کے کندھے کے گرد بازو لپیٹتے ہوئے ان کا رخ دوبارہ کاریڈور کی سمت موڑ لیا تھا۔
"لیکن بیٹا۔۔۔! یہ بھی تو دیکھو ناکہ موسم کتنا خراب ہو رہا ہے؟" ان کی پریشانی ہنوز تھی۔
"پلیز مام۔۔! آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے وہ کوئی چھوٹی سی بچی ہے یا پہلی دفعہ گھر سے باہر نکلی ہے؟" تیمور نے خفگی سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی اور ان کے ساتھ چلتے چلتے ڈرائنگ روم میں آگیا۔
"اسے جب بھی گھر آنے میں دیر ہوتی ہے مجھے اسی طرح پریشانی ہونے لگتی ہے' تم بھی تو جانتے ہو کہ کیسی سرپھری سی لڑکی ہے وہ' نجانے کب کیا کر بیٹھے۔ بس اسی وجہ سے ڈر لگا رہتا ہے مجھے۔"
"یہ لیں جناب۔۔۔ میں آگئی گھر۔ اب تو نہیں لگے گا ناآپ کو ڈر۔۔؟" عزت بھی بارش میں بھیگتی ہوئی اسی وقت اندر آئی تھی اور رابعہ بیگم کی آواز سن کر ڈرائنگ روم میں ہی آگئی تھی۔
"لیں۔ اب مطمئن ہو جائیں۔" تیمور عزت کی طرف پلٹتے ہوئے مسکرایا۔
"تو نہ ہوں؟ آخر ماں ہیں میری۔" عزت تیمور سے کہتی ہوئی رابعہ بیگم سے لپٹ گئی۔ اور اس کے یہ لاڈ پیار کبھی کبھار ہی ہوتے تھے۔
"تو میں کون سا کہہ رہا ہوں کہ دشمن ہیں؟" تیمور ہنسا تھا۔
"ارے واہ۔! یہاں تو بڑے جذباتی سین چل رہے ہیں؟" رضا حیدر بھی ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے ٹھٹک گئے تھے۔
"لیں جناب۔! میرے اباجی بھی آگئے۔" عزت خاصے دیسی انداز میں چہکی اور وہ سب ہنسنے پہ مجبور ہو گئے تھے۔
"کہاں گئے تھے آپ۔ قیام بھائی کا فون آ رہا تھا' انہوں نے ہمیں اپنے گھر دعوت پہ بلایا ہے' کہہ رہے تھے کہ ہم لوگ ان کے گھر نہیں گئے۔" رابعہ بیگم کے منہ سے قیام مرزا اور ان کے گھر دعوت کا ذکر سن کر عزت کا منہ کڑوا ہو گیا تھا۔
"ہاں۔۔۔! مجھے بھی کال آئی تھی اس کی۔" رضا حیدر نے بھی اثبات میں سر ہلایا تھا۔
"میں ذرا چینج کر لوں۔" عزت لاتعلقی سے کہتی اٹھ گئی تھی۔ اسے مونس مرزا کی وجہ سے اس کے والدین سے بھی چڑ ہو گئی تھی۔
"اوکے بابا۔۔۔! میں بھی چلتا ہوں۔ مجھے بھی چینج کرنا ہے۔" وہ بھی کہتے ہوئے باہر نکل آیا تھا۔ لیکن بیڈ روم میں پہنچ کر کپڑے چینج کرنے کے بعد جیسے ہی اس نے اپنے بیڈ روم کی کھڑکی کھولی' اس کے موڈ کا خوش گوار پرندہ سیدھا ماورا مرتضیٰ کی یاد کی منڈیر پہ جا بیٹھا تھا اور بڑی ترنگ سے چہچہانے لگا تھا۔ موسم کی خوش گواریت اس کے دل پہ اثر انداز ہو رہی تھی اور اس کا دل سیل فون کی طرف ہمک رہا تھا۔۔۔ مگر افسوس کہ ادھر سے کال ہی ریسیو نہیں ہوئی تھی' وہ کتنی ہی بار کال کرتا رہا۔۔۔ مگر بے سود۔۔۔!

☼ ☼ ☼

وہ اپنے کمرے میں اپنے بستر پہ بے حد گہری نیند سو رہی تھی۔
جب ایک پانی کا قطرہ اس کے چہرے پر گرا تھا اور وہ گہری نیند سے کسمسائی تھی۔
پھر چند سیکنڈ کے توقف سے ایک اور قطرہ ٹپکا اور اگلے چند سیکنڈز میں ایک اور اور پھر یونہی اس کے کسمسانے اور ادھر ادھر سر مارنے کے بعد بھی یہ سلسلہ نہ رکا تو اس نے یک دم آنکھیں کھول دی تھیں اور پھر اپنے سوئے ہوئے دماغ کو حاضر کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟ اور اس کے چہرے پہ یہ پانی کے قطرے کہاں سے ٹپک رہے ہیں؟
اور جیسے ہی اس نے نائٹ بلب کی روشنی میں ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش کی' اس کا دھیان کمرے کی چھت کی طرف چلا گیا۔
مسلسل ٹپکنے والے پانی کے یہ قطرے کہیں اور سے نہیں بلکہ چھت سے ٹپک رہے تھے۔
یعنی باہر بارش ہو رہی تھی اور اس کے کمرے کی چھت ٹپکنا شروع ہو گئی تھی اور یہ اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی' ایسا تو پہلے بھی کئی دفعہ ہو چکا تھا۔
"اف۔ ! یہ ایک نئی مصیبت ہے۔" وہ کمبل پیچھے ہٹا کر جھنجلاہٹ کے مارے بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا تکیہ اور کمبل کا کچھ حصہ بھی بھیگ چکا تھا۔ لیکن جب اس نے لائٹ آن کی تو وہ چیخ کے رہ گئی تھی۔
"اوہ مائی گاڈ۔۔۔! یہ کیا ہو گیا۔۔؟" کمرے کے ایک کونے میں انتہائی سلیقے سے سیٹ کیا گیا کمپیوٹر سسٹم پانی کے چھینٹوں سے شرابور نظر آ رہا تھا۔
"ماورا۔۔۔! ماورا۔۔۔ دروازہ کھولو۔۔۔ کیا ہوا ہے؟" عافیہ بیگم اپنی ساری خفگی اور ناراضی کہیں چھوڑ کر اپنے کمرے سے بھاگی چلی آئی تھیں۔
اور اس کے کمرے کا دروازہ زور زور سے پیٹ ڈالا تھا۔
"دیکھ لیں کیا ہوا ہے؟" اس نے آگے بڑھ کے دروازہ کھول دیا تھا اور عافیہ بیگم کمرے کا حشر دیکھ کر دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی رہ گئیں اس کا بستر اور کمپیوٹر پانی سے بھیگ رہا تھا اور فرش پہ بھی کہیں کہیں پانی کے چھینٹے سے نظر آ رہے تھے۔
یوں لگ رہا تھا جیسے اس کمرے کی ساری چھت ہی چھلنی ہو گئی ہو' جگہ جگہ سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔
"ارے کیا ہو گیا ہے؟ کیا اودھم مچا رکھا ہے تم ماں بیٹی نے۔۔۔؟" بی گل بھی بے چاری نیند سے اٹھ کر گرتی پڑتی آگئی تھیں۔
"جی۔۔۔ آجائیں۔۔۔ آپ بھی دیکھ لیں۔۔۔ یہ ہے ہماری اوقات اور یہ ہے ہمارا فیوچر۔۔۔" ماورا طنزیہ کہتی ہوئی انہیں بھی اندر لے آئی' بی گل چپ ہو کے رہ گئی تھیں۔
"ہونہہ۔۔۔! رات دو بجے کا ٹائم ہے۔ لوگ اس اندھا دھند بارش میں آرام سے اپنے بستروں میں سو رہے ہیں اور ہم بے وقوفوں کی طرح کھڑے حسرت سے اپنے بستروں کو دیکھ رہے ہیں۔ واہ کیا کمال کی سچویشن ہے؟" ماورا اندر ہی اندر تلملاتی ہوئی بڑبڑا رہی تھی اور اس کی بڑبڑاہٹ سے دل ہی دل میں پریشان ہوتی عافیہ بیگم آگے بڑھ کے اس کا کمپیوٹر وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ پہ رکھنے لگیں۔ اور ماورا دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کے رہ گئی۔

"آپ کیوں کھڑی ہیں بی گل! آپ بھی ان کی ہیلپ کیجیے۔ اتنا کام پڑا ہے آخر۔۔۔؟" ماورا جل کے بات کررہی تھی۔ اس کا خون کھول رہا تھا۔ کیوں کہ اسے پتا تھا کہ اس کی ماں رات کے اس پہر اتنی کوفت اٹھانے کے بعد بھی اف نہیں کرے گی۔

"اللہ کا نام لو میرا بچہ۔۔۔! باہر اتنی بارش ہورہی ہے' اتنا طوفان مچا ہوا ہے۔ ایسے موسم میں غصہ نہیں کرتے' بلکہ نرم پڑجاتے ہیں۔" بی گل نے اسے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"بی گل۔۔۔! میں کیسے نرم پڑجاؤں۔۔۔؟ میں اس وقت گہری نیند سے اٹھی ہوں۔ صرف اس چھت ٹپکنے کی وجہ سے اور آپ کہہ رہی ہیں کہ نرم پڑجاؤں؟" ماورا جھنجلائی تھی۔

"تو یہ غصہ کس پہ کررہی ہو۔۔۔؟ اپنے خدا پہ۔۔۔ جس کی وجہ سے یہ بارش ہورہی ہے۔ یا پھر اپنی ماں پہ۔۔۔ جس کی وجہ سے تمہارے سر پہ ایسی کمزور سی چھت ہے۔۔۔؟"

بی گل کو ہمیشہ اس پہ پیار ہی آتا تھا' لیکن اس وقت اس کا بے وجہ غصہ دیکھ کر انہیں بھی غصہ آگیا تھا۔

"یعنی مجھے اب غصہ بھی نہیں کرنا چاہیے۔۔۔؟" وہ گہری سانس کھینچتے ہوئے بی گل کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"ہاں۔۔۔! نہیں کرنا چاہیے۔ رحمت اور زحمت سب اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ اس میں کسی انسان کا کیا قصور ہے بھلا۔۔۔؟" بی گل نے اب ذرا تحمل سے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔

"اوکے۔۔۔! نہیں کرتی غصہ۔۔۔ لیکن یہ بتائیں کہ کیا ہم ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے۔۔۔؟ کیا ہمیں یہیں مرنا اور یہیں جینا ہے؟ کیا ہمیں اپنی قسمت اور اپنے حالات بدلنے کے لیے ہاتھ پاؤں نہیں مارنے چاہئیں؟" وہ بھی اب کی بار کافی ضبط سے کام لیتے ہوئے بولی تھی۔

"ہاتھ پاؤں مارو۔۔۔ ضرور مارو۔۔۔ لیکن یہ کون سا وقت ہے چیخنے چلانے کا۔۔۔؟" بی گل اور ماورا ہی ایک دوسرے سے الجھ رہی تھیں جبکہ عافیہ بیگم اس کا بستر اور کمپیوٹر وغیرہ اٹھانے اور سمیٹنے میں مصروف تھیں۔

"میں بھی تو اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ یہ کون سا وقت ہے کہ ہم سب کے سب چھت ٹپکنے کا تماشا دیکھنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں بھی اس وقت آرام۔۔۔"

"بس کرو ماورا۔۔۔ پلیز بس کرو۔۔۔ کس پہ چلا رہی ہو۔۔۔ کس لیے چلا رہی ہو۔۔۔ مجھ پہ نا۔۔۔ کیوں کہ میری وجہ سے تمہیں یہ سب برداشت کرنا پڑ رہا ہے' یہ بارش کا پانی۔۔۔ چھوٹا کمرا۔۔۔ یہ کوفت' یہ بے زاری۔۔۔ سب میری وجہ سے ہے نا۔ ورنہ تمہاری قسمت تو تمہیں کہاں سے کہاں پہنچادیتی۔۔۔ لیکن مجھ پہ چیخنے چلانے سے پہلے کبھی ایک بار یہ بھی تو سوچو کہ وہ لوگ بھی تو ہیں جن کے پاس یہ چھت بھی نہیں ہے۔ جو اتنی سی چھت کو بھی ترستے ہیں' جو کھلے آسمان تلے سوتے ہیں۔ تم تو صرف چھت ٹپکنے پہ چلا رہی ہو اور تمہاری برداشت سے باہر ہو رہا ہے' ان لوگوں کو دیکھو جن کے اوپر چھت ہی آگرتی ہے اور پانچ پانچ۔۔۔ چھ۔۔۔ چھ۔۔۔ افراد جاں بحق ہوجاتے ہیں۔۔۔ لیکن پھر بھی تمہاری طرح کوئی ناشکری نہیں کرتا ہوگا اور نہ ہی اس طرح چلاتا ہوگا کیوں کہ انہیں اپنے ماں باپ سے یا اپنے خدا سے اختلاف نہیں ہوتا جبکہ تمہیں ہے اور وہ بھی صرف میری وجہ سے۔۔۔ لیکن فکر مت کرو۔ یہ سب آخری بار ہوا ہے۔ آئندہ نہیں ہوگا۔ تم کراچی جانا چاہتی ہو تو جاؤ۔۔۔ اپنی قسمت بنانا چاہتی ہو تو بناؤ۔۔۔ میں رکاوٹ نہیں بنوں گی۔ میں تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔"

عافیہ بیگم یک دم جب زور زور سے بولنے پہ آئیں تو بولتی ہی چلی گئیں اور پھر سب کچھ وہیں چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ اور وہ دونوں جوں کی توں اپنی جگہ پہ کھڑی رہ گئیں۔

بارش کے شور کے علاوہ ہر طرف سناٹا چھا گیا تھا اور بجلی بھی چلی گئی تھی جس کی وجہ سے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آنے لگا تھا اور یوں وہ رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔

لیکن اس رات کی صبح بہت نرالی تھی۔ وہ کام با آسانی ہوگئے تھے جن کے لیے ماورا کو بہت سے پاپڑ بیلنے پڑتے' مگر وہ سارے کام اس ایک رات میں ہوگئے تھے۔

عافیہ بیگم نے اپنی بیس سالہ جاب سے استعفیٰ دے دیا تھا اور اپنا سامان باندھنا شروع کردیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں کل کراچی آرہی ہوں۔" ماورا کا لہجہ بہت سپاٹ سا محسوس ہورہا تھا' لیکن اس کے منہ سے نکلنے والے اتنے سے جملے سے ہی بے پناہ خوش ہونے والے تیمور حیدر کو اس کے سپاٹ لہجے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔

"اوکے۔۔۔! میں ریسیو کرنے کے لیے آجاؤں گا۔"

"نہیں۔۔۔ آپ نہیں۔۔۔ فارہ آئے گی۔ میں اسے کہہ دوں گی۔" اس نے منع کردیا تھا۔

"لیکن اس میں کیا پرابلم ہے بھلا۔۔۔؟" تیمور کو برا لگا تھا۔

"پرابلم ہے یا نہیں۔۔۔ بس فارہ آئے گی۔ آپ فلیٹ کی چابی اسے دے دیں اور میں پرسوں آفس جوائن کرلوں گی۔ میں جس کام کے لیے آرہی ہوں وہ جلدی اسٹارٹ کرنا چاہتی ہوں۔" ماورا کا انداز اور الفاظ دونوں ہی بہت دوٹوک سے ہورہے تھے۔

"اوکے۔۔۔! میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" تیمور نے متبسم لہجے میں کہہ کر فون بند کردیا تھا اور چند سیکنڈ یونہی ایک خوش گوار سے زیر اثر رہنے کے بعد فارہ کا نمبر ڈائل کرکے یہ خوش خبری اسے بھی سنادی تھی۔

فارہ نے آج سے ہی آنے والے کل کے لیے تیاری شروع کردی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نبیلہ عزیز

رقص بسمل

مادرا مرتضیٰ، عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ مادرا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایئر پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "ساشا کو جانا پڑتا ہے۔ وہ آفاق کی بدتمیزی پر خفا ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

منزہ، ثمینہ اور نیرہ کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شاندار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیرہ کے بیٹے سے فارہ کی بہن حسنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید انجان بن جاتا ہے۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق یزدانی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثمینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔



اشتیاق یزدانی' آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کردیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ عزت' تیمور کے موبائل سے ولید کا نمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ رضا حیدر' تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی تاریخ میں ماورا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ ماورا' عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ عزت اپنے دل کی کیفیات ساشا سے بیان کردیتی ہے۔ ماورا بی گل کو بتاتی ہے کہ وہ رضا حیدر کے بیٹے تیمور حیدر سے ملی ہے۔ بی گل دم بخود رہ جاتی ہیں۔

شادی میں تیمور حیدر' ماورا کے قریب آنے کی کافی کوشش کرتا ہے مگر ماورا کا سخت اور کھردرا رویہ ہر بار اسے ناکام کردیتا۔ تیمور' ماورا سے رضا حیدر کو ملواتا ہے۔ رضا حیدر اسے دیکھ کر چونک جاتے ہیں مگر باوجود کوشش کے وہ سمجھ نہیں پاتے۔ فارہ کی ہی شادی میں عزت کی ملاقات قیام مرزا کے بیٹے مونس مرزا سے ہوتی ہے۔ وہ سخت بیزار ہوتی ہے جبکہ مونس خوب دلچسپی لیتا ہے۔

آفاق آدھی رات کو غائب ہو جاتا ہے۔ فارہ پریشان ہوتی ہے۔ وہ صبح آکر بتاتا ہے کہ اس کے دوست کے ساتھ کوئی ایمرجنسی ہو گئی تھی۔ اس لیے اس کے آرام کا خیال کرتے ہوئے وہ بغیر بتائے چلا گیا تھا۔ مگر فارہ اس کی بات پہ یقین نہیں کرتی۔ تیمور' فارہ کے ذریعے ماورا کو اپنے آفس میں ایک شاندار پیکج پر جاب کی پیشکش کرتا ہے جسے ماورا کافی حیل حجت کرنے کے بعد قبول کرلیتی ہے۔

۱۲
بارہویں قسط

کراچی ریلوے اسٹیشن پہ بے حد رش تھا۔

طرح طرح کی آوازیں اور طرح طرح کی بولیاں سنائی دے رہی تھیں۔

لیکن اس بہت زیادہ رش اور افراتفری کے باوجود عافیہ بیگم پچیس سال پیچھے چلی گئی تھیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے پچیس سال پہلے کا وہ کرب ناک منظر تازہ ہو گیا تھا جب بی گل نے گھٹ گھٹ کے روتی عافیہ بیگم کو بڑی مشکلوں سے سہارا دے کر ٹرین میں سوار کیا تھا اور عافیہ بیگم کراچی شہر کی سرزمین سے جدا ہوتے ہوئے تڑپ گئی تھیں۔ اور وہ یونہی روتے ہوئے ٹرین کی چھک چھک کی آواز کے ساتھ اس شہر سے چلی گئی تھیں اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس شہر سے دور ہوتی گئیں۔

اور آج ایک طویل عرصے بعد عافیہ بیگم کراچی شہر کی سرزمین پہ پاؤں ٹکاتے ہوئے حوصلہ مجتمع نہیں کرپارہی تھی۔

"بہن جی...! راستہ دیجیے۔" ٹرین کے دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی عافیہ بیگم کو ایک آدمی نے متوجہ کیا تھا۔ وہ چونک کر ایک طرف ہو گئیں۔

"امی پلیز... کب تک کھڑی رہیں گی۔ لوگ ڈسٹرب ہو رہے ہیں۔ پلیز نیچے آیئے۔" ماورا نے ذرا خفگی سے کہتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑا۔ انہوں نے آہستگی سے گردن موڑ کر بی گل کی سمت دیکھا۔ اس وقت بی گل کے علاوہ کوئی ان کے جذبات نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ان کی سگی بیٹی بھی نہیں۔

اسی لیے بی گل نے اس بار بھی ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں اسی پرانے مضبوط سہارے کا سا احساس دلایا تو اور عافیہ بیگم قدرے سنبھل گئیں۔

"امی...!" ان کا دوسرا مضبوط سہارا ابھی ان کے ساتھ ہی تھا جب ہی انہوں نے اپنی آنکھوں کے نم گوشے پونچھتے ہوئے اپنے پاؤں ٹرین سے نیچے اتارے۔

"وصی مرتضیٰ...!" ان کے دل سے اک ہوک سی اٹھی تھی اور یوں لگا جیسے پورے شہر میں پھیل گئی ہو۔

"ماورا...!" اک بہت ہی پرجوش سی پکار تھی' جو اتنے زیادہ شور کو چیرتی ہوئی ان تک پہنچی تھی۔ ان تینوں نے بیک وقت چونک کر اس جانب دیکھا۔

فارہ اور آفاق اتنے ہجوم میں رستہ بناتے ہوئے ان ہی کی طرف آرہے تھے۔

"ماورا...!" فارہ قریب آتے ہی اس سے لپٹ گئی۔ ماورا نے بھی اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

"کیسی ہو...؟" ماورا نے بہت اپنائیت سے پوچھا اور فارہ کا چہرہ کھل اٹھا۔

"میں جیسی بھی تھی' مگر اب بالکل ٹھیک ہوں اور بہت خوش بھی ہوں کیوں کہ تم یہاں آگئی ہو' آج تمہارا نہیں' میرا خواب پورا ہو گیا ہے۔" فارہ چہکتے ہوئے بولی۔

"سیم ہیر ڈیئر...! میری فیلنگز بھی کچھ ایسی ہی ہیں۔ اینی وے... السلام علیکم آفاق بھائی...!" ماورا ذرا ہٹ کے کھڑے آفاق کی طرف متوجہ ہوئی۔

"وعلیکم السلام... کیسی ہیں آپ؟" آفاق بھی فارہ کی خوشی میں خوش تھا۔

"السلام علیکم آنٹی...! السلام علیکم بی گل...! کیسے ہیں آپ لوگ... سفر کیسا رہا؟" فارہ عافیہ بیگم کے مزاج کے پیش نظر ذرا جھجکتے ہوئے ہی ان سے مخاطب ہوئی تھی۔

"وعلیکم السلام...!" عافیہ بیگم مختصر سا جواب دے کر چپ ہو گئیں۔

"وعلیکم السلام...! جیتی رہو' خوش رہو' اللہ سدا سہاگن رکھے...! ہم بھی اللہ کے فضل سے ٹھیک ٹھاک ہیں اور سفر بھی الحمدللہ بہت اچھا گزرا ہے۔" دعا سلام کی باقی کسر بی گل نے پوری کردی تھی اور فارہ سر جھکا کے رہ گئی۔

"لایئے آنٹی...! سامان مجھے دیجیے' میں گاڑی میں رکھواتا ہوں' آپ لوگ چلیے گاڑی میں بیٹھیے۔" آفاق نے آگے بڑھ کر عافیہ بیگم کے ہاتھ میں پکڑا بیگ تھاما۔

"آیئے بی گل...!" فارہ انہیں ساتھ لے کر ریلوے اسٹیشن کے خارجی دروازے کی طرف بڑھی۔ ان کا باقی سامان آفاق نے ڈرائیور اور قلی سے گاڑی میں رکھوایا۔

فارہ انہیں اپنے ساتھ لے کر پہلے آگئی تھی اور آفاق ان کے پیچھے ان کا سامان دوسری گاڑی میں لے کر آیا تھا۔

فلیٹ کی چابی فارہ کے پاس تھی۔

فلیٹ کے اندر قدم رکھتے ہی بی گل اور عافیہ بیگم کے قدم ٹھٹک کر رک گئے تھے۔



انتہائی وسیع و عریض اور لگژری فلیٹ ماورا مرتضیٰ کی توقع کے عین مطابق تھا۔ البتہ بی گل اور عافیہ بیگم کی توقعات سے بہت بڑھ کے تھا' جس کی وجہ سے عافیہ بیگم کے دل میں اعتراض کا ابال اٹھا تھا' مگر وقتی طور پر اس ابال کو دل میں ہی دبا گئی تھیں۔ کیوں کہ جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا تھا' اب اس طرح کے چھوٹے چھوٹے اعتراض کرنے اور نکتے اٹھانے سے کیا حاصل تھا۔ سو انہوں نے خاموشی بہتر جانی۔

"ٹھیک ہے فارہ...! میں چلتا ہوں' تم ڈرائیور کے ساتھ آجانا۔" آفاق دس پندرہ منٹ بیٹھنے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا تھا کیونکہ اسے پتا تھا کہ وہ دونوں سہیلیاں بہت عرصے بعد ملی ہیں اس لیے ان کی باتوں کو ابھی کچھ وقت لگے گا۔

"اوکے تھینک یو۔۔۔ میں آجاؤں گی۔" قارہ حقیقتاً" آفاق کے اتنا ٹائم دینے پہ اندر سے بہت خوش ہوئی تھی۔

"تھینک یو آفاق صاحب۔۔۔! آپ نے ہمارے لیے اتنا ٹائم نکالا' اتنی مدد کی خوشی ہوئی کہ آپ اپنی بیوی کی فرینڈ کا اتنا خیال کرسکتے ہیں تو آپ اپنی بیوی کا بھی اسی طرح خیال رکھتے ہوں گے۔"

ماورا اسے دروازے تک چھوڑنے کے لیے آئی تھی اور اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے کرید بھی گئی تھی۔

آفاق جاتے جاتے ٹھہر گیا تھا۔

"ابھی تو مجھے اس کا خیال رکھنے کا وقت ہی نہیں ملا۔ البتہ یہ سچ ہے کہ ہر وقت اسی کے خیال میں رہتا ہوں۔" آفاق کے لہجے میں محبت تھی۔

"اچھا۔۔۔ تو وقت کب ملے گا؟" وہ آفاق کا چہرہ کھوج رہی تھی۔

"وقت ملا تو بتاؤں گا آپ کو۔۔۔ فی الحال اجازت چاہتا ہوں۔" آفاق آہستگی سے مسکرایا اور ماورا خدا حافظ کہہ کر اسے رخصت کرکے اندر آگئی۔

تھوڑی دیر بعد ان لوگوں نے مل کر کھانا کھایا تھا اور کھانے کے آخری مرحلے پہ ماورا نے عافیہ بیگم کے کلیجے پہ ہاتھ ڈال دیا۔

"میں قبرستان جارہی ہوں۔۔۔ بابا کی قبر پہ۔۔۔" وہ پانی کا گلاس ٹیبل پہ رکھتے ہوئے بولی بڑے اطمینان سے لیکن عافیہ بیگم کے حلق میں پانی اٹک گیا۔ بی گل نے بھی بری طرح چونک کر اس سمت دیکھا تھا۔ وہ کرسی دھکیل کر اپنی جگہ سے کھڑی ہوچکی تھی۔

"ماورا۔۔۔!" بی گل کے ہونٹ کپکپائے تھے۔

"بی گل۔۔۔! میں اس شہر میں پہلی بار آئی ہوں اور اپنے بابا سے بھی پہلی بار ہی ملوں گی۔ مجھے ان سے ملے بغیر رات کو نیند نہیں آئے گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ میں فارہ کے ساتھ ہی چلی جاؤں۔ بعد میں کس کے ساتھ جاؤں گی۔۔۔؟" اس کی لاپروائی اور اطمینان ہنوز تھا۔

"لیکن تمہیں قبر کا کیسے پتا؟"

"میرے پاس آپ کی ڈائری محفوظ ہے' ساری معلومات مل جائیں گی۔" وہ سکون سے کہتی پلٹ گئی۔

"لیکن ماورا۔۔۔!" عافیہ بیگم کے آنسو چھلک پڑے۔ وہ ٹھہر گئی۔

"امی۔۔۔! مجھے جانے دیں پلیز۔ میرا نہیں تو ان کا ہی کچھ خیال کرلیں۔ اتنے سال بیت گئے ہیں کوئی ان کی قبر پر نہیں گیا ہوگا۔ اور اب آپ۔۔۔ آپ مجھے بھی روک رہی ہیں۔ پلیز۔۔۔! ایسا مت کریں۔ مجھے جانے دیں۔ کل میں آپ کو اور بی گل کو ساتھ لے کر جاؤں گی۔"

ماورا کا لہجہ روہانسا سا ہوگیا تھا اور فارہ کے ساتھ ساتھ بی گل اور عافیہ بیگم نے بھی اسے اس روپ اور اس کیفیت میں پہلی بار دیکھا تھا' ورنہ انہوں نے آج تک اس کی آنکھ نم نہیں دیکھی تھی اور نہ ہی اس کی آواز بھی بھیگی ہوئی محسوس کی تھی۔

شاید یہی وجہ تھی کہ عافیہ بیگم نے ہتھیار ڈال دیے تھے اور ماورا ان کی تسلی کے لیے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبا کر فارہ کے ساتھ فلیٹ سے باہر نکل گئی۔



کراچی کی سڑکوں پہ بھاگتی دوڑتی گاڑی اور پیچھے کی طرف رواں مناظر ماورا مرتضیٰ کے لیے بے شک نئے تھے' لیکن اجنبی پھر بھی نہیں تھے۔

یہ سڑکیں' یہ گاڑیاں' یہاں کے لوگ اور یہاں کی طرز زندگی سب کچھ اسے بہت جانا پہچانا اور اپنا اپنا سا لگ رہا تھا اور اک عجیب سا سکون تھا جو اس کی رگ و پے میں اترتا محسوس ہو رہا تھا' یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی ادھوری زندگی آج مکمل ہوگئی ہو۔

آج وہ پرائے شہر سے اپنے شہر میں آبسی تھی' آج اس کا اعتماد اور زیادہ بڑھ گیا تھا اور اس کے ارادے اور بھی پختہ ہوگئے تھے۔ کیوں کہ آج وہ اپنی منزل کے راستے پہ پہلا قدم رکھ چکی تھی۔

"کیسا فیل کررہی ہو۔۔۔؟" ماورا کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی' جب فارہ کے سوال پہ اسے فارہ کی طرف متوجہ ہونا پڑا تھا۔

"آج میری کچھ ایسی فیلنگز ہیں جنہیں میں شاید کبھی بھی لفظوں میں بیان نہیں کرسکتی۔" ماورا کی کیفیت آج واقعی بہت عجیب سی ہورہی تھی اور آج واقعی اس سے کچھ بولا نہیں جارہا تھا۔

"ہوں۔۔۔! آئی کین انڈر اسٹینڈ۔۔۔!" فارہ نے آہستگی سے سرہلایا۔

"تیمور بھائی کا کوئی فون وغیرہ آیا تمہارے پاس۔۔۔؟" فارہ نے موضوع بدلا۔

"نہیں۔۔۔!" اس کا ایک لفظی جواب اس کے موڈ کی عکاسی کررہا تھا۔

"تو کیا تم نے بھی نہیں بتایا کہ تم کراچی پہنچ گئی ہو؟" فارہ جان بوجھ کر اس موضوع پہ بات کرنا چاہتی تھی۔

"تم جو کچھ پوچھنا چاہتی ہو' سیدھے طریقے سے پوچھ لو تو زیادہ بہتر رہے گا۔ اس طرح پہیلیاں بجھوانے کی اور بات کو گھمانے پھرانے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔؟" ماورا بہت نپے تلے سے لہجے میں بولی تھی کیوں کہ وہ فارہ کی بات کا مقصد سمجھ چکی تھی۔

"نہیں' ایسی بات نہیں۔ بس بات کرنے کے لیے مناسب الفاظ تلاش کررہی ہوں جو کہ مجھے مل ہی نہیں رہے۔" فارہ بھی لائن پہ آہی گئی تھی۔

"میں سوچتی ہوں لوگ پتا نہیں کیوں مناسب وقت اور مناسب الفاظ کی تلاش میں رہتے ہیں؟ جو وقت ان کے پاس موجود ہوتا ہے اور جو الفاظ انہیں میسر ہوتے ہیں وہ انہیں مناسب کیوں نہیں بناتے۔" ماورا تلخ ہوئی تھی۔

"تم اس چیز کو نہیں سمجھ سکتیں کیوں کہ تم اپنا ایک الگ مزاج اور الگ نظریہ رکھتی ہو جبکہ ہم اس دنیا میں رہ کر اس دنیا کے ساتھ چلنے والے لوگ ہیں' ہمیں مناسب اور غیر مناسب کا فرق دیکھنا ہی پڑتا ہے۔" فارہ نے اپنی سوچ بیان کی۔

"پھر بھی مجھ سے زیادہ آپ لوگ پریشان رہتے ہو۔ مناسب اور غیر مناسب کا فرق دیکھنے کے باوجود بھی۔۔۔" اس نے طنز کیا۔

"بس یہی تو زندگی ہے۔" فارہ نے کندھے اچکائے۔

لیکن میری نظر میں یہ زندگی کوئی زندگی نہیں ہے۔ انسان کو اپنی ذات اور اپنی سوچ کے ساتھ چلنا چاہیے۔ دنیا تو دو دھاری تلوار ہے۔ نجانے کب کس طرف سے وار کرجائے' دنیا کو رنگ بدلتے دیر نہیں لگتی۔ اس لیے بہتر ہے کہ اپنی ذات کا رنگ اپناؤ جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا تمہاری پہچان بن کر۔۔۔"

ماورا کا فلسفہ اور دلیلیں ہمیشہ ہی ایسی ہوتی تھیں کہ فارہ کو چپ ہونا ہی پڑتا تھا یا پھر یہ کہنا بھی ٹھیک رہے گا کہ فارہ کو قائل ہونا ہی پڑتا تھا۔

"خیر چھوڑو۔۔۔! تم اپنی بات مکمل کرو۔۔۔" ماورا نے بات کرنے کے لیے اس کا حوصلہ بڑھایا اور فارہ اپنے آپ کو کمپوز کرنے لگی۔

"میں تیمور بھائی کے متعلق بات کرنا چاہ رہی تھی۔" اس نے الفاظ مناسب کرہی لیے تھے۔

"ہوں۔۔۔! کرو بات۔۔۔ سن رہی ہوں۔" وہ سنجیدگی سے متوجہ ہوئی۔

"تمہیں پتا تو ہوگا کہ تیمور بھائی تمہارے لیے کیا فیلنگز رکھتے ہیں اور یہ سب وہ کیوں کر رہے ہیں؟"

فارہ پہلے ہی سب کچھ واضح کر دینا چاہتی تھی کیوں کہ اسے ماورا کے مزاج کا بخوبی علم تھا اسی لیے اس کے ذہن میں کھٹکا سا تھا کہ ماورا تیمور حیدر کے لیے وہ جذبات ہرگز نہیں رکھتی جو وہ اس کے لیے رکھ رہا ہے۔

"ہاں۔۔۔! پتا ہے کہ وہ کیا فیلنگز رکھتا ہے اور یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے۔" اس نے ڈنکے کی چوٹ پہ اعتراف کیا تھا۔

"پھر۔۔۔؟" فارہ تذبذب کا شکار ہونے لگی۔

"پھر کیا۔۔۔ جو کہنا ہے کھل کے کہو۔" ماورا بہت پرسکون تھی۔

"پھر یہ کہ تمہاری کیا فیلنگز ہیں ان کی فیلنگز کے متعلق؟" اس نے پوچھ ہی ڈالا تھا۔

"سچ سننا چاہتی ہو؟" ماورا کا لہجہ دوٹوک اور بے دھڑک تھا۔

"ظاہر ہے۔۔۔ جھوٹ سننے کا خواہش مند تو کوئی بھی نہیں ہوتا۔" فارہ نے کندھے اچکائے۔

"ہوتے ہیں تیمور حیدر جیسے کچھ لوگ۔۔۔ وقتی خوشی کے لیے جھوٹ سننے کے لیے بھی تیار ہو جاتے ہیں۔" ماورا نے تلخی سے سر جھکا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" وہ ہر سوال اور ہر جواب کے بعد الجھتی ہی جا رہی تھی۔

"فارہ۔۔۔! تیمور حیدر مجھ میں انٹرسٹڈ ہے لیکن میرا سچ یہ ہے کہ میں تیمور حیدر میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں اور نہ ہی کبھی ہو سکتی ہوں۔" ماورا نے اپنے ازلی دوٹوک انداز میں جواب دے کر فارہ کو تڑپا دیا تھا۔

"کیوں۔۔۔ تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟" فارہ کی تڑپ اس کے لہجے سے ہی محسوس ہو رہی تھی۔

"کیوں کہ مجھے معلوم ہے۔ میرے اندر کبھی بھی تیمور حیدر کے لیے کوئی جذبات پیدا نہیں ہو سکتے۔" اس کا لہجہ اور انداز ہنوز تھے، دوٹوک، مضبوط اور بے لچک۔۔۔

"دیکھو ماورا۔۔۔! تم بہت ہوشیار سہی لیکن تھوڑی بہت عقل تو اللہ نے ہمیں بھی دے ہی رکھی ہے اور ہماری عقل اور ہمارا مشاہدہ تو یہی کہتا ہے کہ کبھی بھی کسی چیز کا اور کسی بات کا دعوا عمر بھر کے لیے نہیں کرنا چاہیے ہم کیسے کہہ سکتی ہو کہ تمہارے اندر کبھی بھی تیمور بھائی کے لیے کوئی جذبات پیدا نہیں ہو سکتے؟ زندگی میں انسان پتا نہیں کیا کیا دعوے کرتا ہے لیکن جب اللہ انہیں پورا نہیں کرنا چاہتا تو سب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔۔۔ تم کہاں تھیں۔۔۔ فیصل آباد میں اور تیمور بھائی کہاں تھے۔ کراچی میں۔۔۔ کیسے تم لوگوں کی ملاقات ہوئی۔۔۔ کیسے رابطہ بڑھا اور تم آج اسی تیمور حیدر کی وجہ سے کہاں سے کہاں پہنچی ہو۔ اگر سوچو تو یہ سب بھی تو اللہ کی ہی کرم نوازیاں ہیں نا؟ ورنہ تم وہی لڑکی ہو جس نے آج تک کسی لڑکے سے بات تک نہیں کی کسی سے مراسم نہیں رکھے کسی کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا لیکن تیمور حیدر کو نمبر بھی دے دیا، بات بھی کر لی اور مراسم بھی بڑھا لیے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ سب کچھ بدل جاتا ہے جذبات پیدا ہوتے دیر نہیں لگتی۔ اس کی مثال بھی ہمارے سامنے ہی ہے۔ تیمور بھائی کو آج تک لڑکیوں میں کوئی انٹرسٹ نہیں رہا لیکن جب انٹرسٹ ہوا ہے تو اپنی زندگی کے ہر مقام، ہر معیار اور ہر اصول کو ہی بھول گئے ہیں، لگتا ہی نہیں کہ وہ وہی تیمور حیدر ہیں جو اپنے کام سے کام رکھتے تھے جن کے لیے ان کا بزنس ہی سب کچھ تھا اور آج۔۔۔"

فارہ کہتے کہتے چپ ہو گئی تھی۔ اور چپ تو ماورا بھی تھی لیکن اس کی چپ کے پیچھے بہت سے جواب مچل رہے تھے جن کو وہ بڑی مشکل سے قابو کیے ہوئے تھی۔

"اس لیے میرا مشورہ یہی ہے کہ اپنے پہلو میں دھڑکتے پتھر کو ذرا نرم رکھو، تاکہ اس کے چاہنے والوں کو اس کے ساتھ ٹکرا ٹکرا کر سر نہ پھوڑنا پڑے۔" آج فارہ اسے مشورہ دے رہی تھی۔

"فارہ۔۔۔! مجھے افسوس ہے کہ میں تیمور حیدر کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دے سکتی۔" ماورا کے اس قدر بے مہر جواب پہ فارہ ایک بار پھر تڑپی تھی اور اس نے چونک کر ماورا کے چہرے کی سمت دیکھا تھا۔

"میری تیمور حیدر سے ملاقات ہوئی، یہ ایک اتفاق تھا۔ میری اس سے بات ہوئی، وجہ تم تھیں کیوں کہ وہ تمہارا کزن تھا۔ رابطہ کیوں بڑھا۔۔۔ اس کے پیچھے میری ایک سوچ تھی اس نے مراسم بڑھائے اور میں نے اپنا مقصد بڑھا لیا اس نے میرے قریب رہنے کے لیے مجھے جاب آفر کی، میں نے اس سے دور رہنے کے لیے سرسری سا انکار کر دیا اس نے مجھے فورس کیا، میں مان گئی، وہ مجھے یہاں دیکھنا چاہتا تھا، میں آ گئی، وہ مجھے نہیں جانتا لیکن تم تو مجھے جانتی ہو نا۔۔۔؟

اور جب تم مجھے جانتی ہی ہو تو یہ بات تمہاری عقل میں کیوں نہیں آ رہی کہ تمہاری دوست ماورا مرتضیٰ جو کبھی کسی کے ساتھ فری نہیں ہوئی، جس نے کبھی کسی کے ساتھ بات تک نہیں کی، جس نے کبھی کسی کو نمبر نہیں دیا، جس نے کبھی کسی کے ساتھ مراسم نہیں بڑھائے اور جو کبھی اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹی، وہ اگر ایسا کر رہی ہے تو کیوں کر رہی ہے؟ محبت میں کر رہی ہے یا اپنے مفاد میں کر رہی ہے؟"

ماورا کہتے کہتے حد سے زیادہ تلخ ہو گئی تھی جبکہ فارہ اس کی بات کے آخری جملے پہ گنگ سی رہ گئی تھی۔

"ہونہہ۔۔۔! تمہیں تیمور حیدر کی محبت تو نظر آ گئی، لیکن میرا مفاد نظر نہیں آیا۔" ماورا نے سر جھٹکا۔

"بی گل کہتی ہیں کہ جب ایک انسان کے ذہن میں محبت سما جاتی ہے یا مفاد سما جاتا ہے تو وہ کچھ بھی کر گزرتا ہے اور یہ بات جب میں نے تیمور حیدر اور ماورا مرتضیٰ کو سامنے رکھ کے سوچی ہے تو مجھے سو فیصد سچ لگی ہے میں واقعی تیمور حیدر کے اصرار یا اس کی محبت سے مجبور ہو کر یہاں نہیں آئی، میں اپنے مقصد، اپنے مطلب اور اپنے مفاد کو سامنے رکھ کر یہاں آئی ہوں۔"

ماورا نے کوئی بھی لگی لپٹی رکھے بغیر صاف صاف کہہ دیا تھا جس کو سمجھنا فارہ کے لیے بہت مشکل ہو رہا تھا، وہ الجھی ہوئی اور ناسمجھ سی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، اسے آج اپنے سامنے وہی ماورا نظر آ رہی تھی، ضدی، اٹل اور پتھریلی چٹان سی مضبوط۔۔۔!

"مفاد۔۔۔ کیسا مفاد ماورا۔۔۔؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔۔۔؟" فارہ کا سوال بھی الجھا ہوا سا تھا۔

"تیمور حیدر بہت اچھا آدمی ہے، صاف سادہ اور سچا کھرا، کردار بھی مضبوط ہے اور پرسنالٹی بھی ایک آئیڈیل پرسنالٹی ہے۔ ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہے کوئی بھی لڑکی اس پہ بڑی آسانی سے فدا ہو سکتی ہے کیوں کہ وہ ہے ہی ایسا۔۔۔ لیکن معذرت کے ساتھ کہ وہ لڑکی ماورا مرتضیٰ نہیں ہو سکتی۔" اس نے بہت آہستگی اور بہت تحمل سے کہتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی تھی۔

"لیکن ماورا۔۔۔!" فارہ ہکا بکا سی ہو چکی تھی اسی لیے اس کے کچھ پلے نہیں پڑ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے اور وہ کیا سن رہی ہے؟

"دیکھو فارہ۔۔۔! میں نے کہا نا تیمور حیدر بہت اچھا آدمی ہے، میں اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے اسے سیڑھی نہیں بنانا چاہتی تھی، میں اپنے بل بوتے پہ سب کچھ کرنا۔۔۔ چاہتی تھی، اپنے پیروں پہ خود کھڑا ہونا چاہتی تھی مگر میرے لاکھ سمجھانے کے باوجود بھی وہ باز نہیں آیا، وہ پیچھے نہیں ہٹا وہ خود میرے لیے سیڑھی بن گیا۔ یہ صحیح ہے کہ میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا، آسانیاں کس کو اچھی نہیں لگتیں سو میرا اور اس کا ساتھ جڑ گیا ہے اس سفر میں۔۔۔ البتہ سفر ختم ہونے کے بعد اور منزل تک پہنچنے کے بعد اس سیڑھی، اس پاؤں اور اس منزل کا کیا انجام ہوگا، یہ تو اب وقت آنے پہ ہی پتا چلے گا۔ ہاں تم چاہو تو اس سیڑھی کو کھینچ بھی سکتی ہو۔" ماورا کی مبہم سی باتیں فارہ کو پاگل

کیسے دے رہی تھیں۔

"میں۔۔۔؟" اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں تم۔۔۔! کیوں کہ تمہارا اور اس سیڑھی کا تعلق بھی تو بہت گہرا ہے۔۔۔"

"ماورا پلیز۔۔۔! خدا کے لیے۔۔۔ مجھے صاف صاف بتاؤ۔۔۔ کیا بات ہے۔۔۔ اصل وجہ کیا ہے اس قصے کی؟" فارہ بے چاری جھنجلائی۔

"بتا دوں۔۔۔؟" اس نے تصدیق چاہی۔

"ہاں۔۔۔!" اس نے فوراً اثبات میں جواب دیا۔

"چلو آؤ۔۔۔ بتاتی ہوں تمہیں اور دیکھتی ہوں کہ تمہارا تعلق کس کے ساتھ زیادہ گہرا ہے؟ سیڑھی کے ساتھ؟ پاؤں کے ساتھ؟ یا منزل کے ساتھ۔۔۔؟ اور ہاں یہ بھی یاد رکھنا کہ یہ سب میں تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں کہ میں تمہیں اپنی بہت اچھی اور بہت گہری دوست سمجھتی ہوں اور دوستی میں میں اپنی دوست کو دھوکا نہیں دینا چاہتی اور نہ ہی آئندہ کبھی دوں گی۔"

ماورا انتہائی سخت لہجے میں کہتی ہوئی فارہ کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی سے اتر آئی تھی کیوں کہ ڈرائیور قبرستان کے باہر گاڑی پارک کر چکا تھا۔

اور ماورا قبرستان کے پہرے دار سے کچھ بات چیت کرنے کے بعد اور تھوڑی بہت انفارمیشن لینے کے بعد فارہ کو ساتھ لیے اندر آگئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے بہت دنوں سے اپنے لیے بوتیک پہ کچھ شرٹس اور کچھ کرتوں کا آرڈر دے رکھا تھا۔ اور آج وہ آرڈر تیار ہو چکا تھا اسی لیے وہ ڈزائنر کی کال پہ یونیورسٹی سے فری ہوتے ہی بوتیک چلی آئی تھی۔ وہ اپنے تمام ڈریسز ٹرائی کر کے دیکھ ہی رہی تھی جب اچانک ایک لڑکی کے ساتھ مونس مرزا بوتیک کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

اور جہاں وہ اسے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی، وہیں وہ بھی اسے دیکھ کر چونک گیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسے مخاطب کرنے کی کوشش کرتا، عزت فوراً رخ موڑ کر ڈزائنر کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"یہ سارے پیک کر دیں۔۔۔ مجھے ذرا جلدی ہے۔" اس نے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا تھا اور اپنے بیگ سے بل نکال کر ادائیگی کرنے لگی۔

"ایکسکیوز می مس عزت۔۔۔!" وہ بیگ لے کر بوتیک سے نکلی ہی تھی کہ مونس مرزا بھی اس کے پیچھے لپکا۔

"سوری۔۔۔! میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے۔۔۔ مجھے جلدی ہے۔" وہ رکی نہیں تھی۔

"یہی تو میں کہنا چاہتا ہوں، میرے پاس بھی زیادہ ٹائم نہیں ہے۔ مجھے بھی جلدی ہے۔" وہ کہتے ہوئے یکدم اس کے سامنے آگیا تھا اور عزت کو ایک دم رک جانا پڑا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"مطلب کہ میں اپنے پیرنٹس کو آپ کے گھر بھیج رہا ہوں۔" مونس مرزا نے مارکیٹ میں کھڑے کھڑے اس کے سر پہ بم پھوڑ دیا تھا۔ وہ اچھل کے رہ گئی تھی۔

"کیا۔۔۔؟" عزت کی آواز خاصی بلند تھی۔

"یس۔۔۔! ان فیکٹ میں کسی بھی معاملے کو یا کسی بھی سلسلے کو زیادہ طول دینے والا آدمی نہیں ہوں۔ میں چاہتا ہوں ہر کام بس منٹوں میں ہو جائے اور اس معاملے میں تو مجھ سے ویسے ہی صبر نہیں ہو رہا۔" وہ ہمیشہ کی طرح آخر

ذو معنی بات کہہ گیا تھا۔

"دیکھیے مسٹر مونس مرزا۔۔۔! معاملے کو طول دینے کی عادت تو مجھے بھی نہیں ہے، اس لیے آپ کو پہلے سے ہی سمجھا رہی ہوں کہ اپنے پیرنٹس کو میرے گھر بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ورنہ ان کو جو جواب میں دوں گی، وہ آپ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے۔"

عزت نے اسے اپنے ازلی منہ پھٹ طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"کیوں۔۔۔ جواب کیوں دیں گی آپ؟ کوئی خاص ریزن؟" اس نے عزت کو سرتاپا بڑے غور سے دیکھا اور کھوجنا چاہا تھا۔

"یہی سمجھ لیں۔۔۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"ہوں۔۔۔ لیکن میں ریزن ختم کرنا بھی جانتا ہوں۔" مونس مرزا نے دھمکی دینے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور عزت کے دل پہ ہاتھ پڑا تھا۔

"جسٹ اسٹاپ اٹ۔۔۔! میں اس طرح کی بکواس سننے کی عادی نہیں ہوں بہتر ہے آپ اپنی لمٹ میں ہی رہیں اور آئندہ میرے بارے میں سوچیں بھی مت۔۔۔ کیوں کہ میں آل ریڈی کسی اور کے بارے میں سوچتی ہوں۔۔۔ مجھے آپ۔۔۔؟" وہ غصے سے۔۔۔ پاؤں پٹخ کر کہتی وہاں سے ہوا ہو گئی تھی اور مونس مرزا وہیں کھڑا اس کی پشت گھورتا رہ گیا تھا۔

"کون تھی یہ لڑکی؟" مونس مرزا کی گرل فرینڈ بوتیک سے نکل کر اس کے قریب آگئی۔

"عزت حیدر۔۔۔!" مونس مرزا نے اپنی سوچ کی گہرائی سے واپس آتے ہوئے بتایا۔

"اوہ۔۔۔! تو یہ ہے تمہاری عزت حیدر۔۔۔؟" اس کی گرل فرینڈ اس کا غائبانہ تعارف سن چکی تھی۔

"ہاں۔۔۔! یہ ہے میری عزت حیدر۔۔۔ میرے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی۔" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا اور پلٹ کر اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ شاپنگ مال کی سیڑھیاں چڑھ گیا تھا، لیکن دھیان ابھی بھی عزت کی طرف ہی تھا۔

☼ ☼ ☼

"ماورا۔۔۔!" فارہ کے ہونٹ کپکپائے تھے۔

"تمہارا جو بھی فیصلہ ہو، مجھے بتا دینا۔۔۔ میں تمہاری دوستی کو کسی آزمائش کے ترازو میں نہیں تولنا چاہتی۔ باقی جو ہو گا۔ دیکھا جائے گا کیوں کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے میں ہمت نہیں ہاروں گی۔"

قبرستان سے واپسی پہ ماورا اپنا فیصلہ اسے سناتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھول کر اتر گئی تھی اور فارہ اس کے پیچھے کچھ کہنے کی ہمت کرتی رہ گئی۔

جبکہ ماورا اس کی آنکھوں کے سامنے ہی مضبوط اور متوازن قدم اٹھاتی بلڈنگ کے اندرونی حصے کی طرف غائب ہو گئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد ڈرائیور نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کر دی تھی اور پھر گھر آکر ہی بریک لگائے تھے۔

"بی بی جی۔۔۔ ہم گھر آگئے ہیں۔" ڈرائیور نے اسے ذہنی طور پہ غیر حاضر دیکھ کر خود ہی دروازہ کھولتے ہوئے اسے متوجہ کیا۔

"ہوں۔۔۔" وہ الجھی ہوئی سی گاڑی سے اتر آئی تھی۔

"ارے فارہ۔۔۔ آگئی ہو بیٹا۔ ملاقات ہو گئی اپنی فرینڈ سے۔" ثمینہ یزدانی کہیں جانے کے لیے گھر سے نکل رہی تھیں۔ فارہ کو دیکھ کر وہیں گاڑی کے پاس ہی رک گئیں۔

"جی۔۔۔ ہو گئی ملاقات۔" وہ آہستگی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی۔ ثمینہ یزدانی اس کی اتری ہوئی صورت دیکھ کر

ٹھٹک گئیں کیونکہ صبح گھر سے جاتے ہوئے تو وہ بے حد خوش تھی۔

"اسے کیا ہوا ہے غفور؟" انہوں نے اپنے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

"مجھے کچھ خاص پتا تو نہیں ہے بیگم صاحب۔ بس اتنا علم ہے کہ بی بی جی اپنی دوست کے ساتھ قبرستان گئی تھیں ان کے والد صاحب کی قبر پہ۔۔۔" ڈرائیور بے چارے کو جتنا علم تھا اس نے بتا دیا تھا اور ثمینہ یزدانی سر ہلا کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

آفاق ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ جب اس کی نظر تیسری مرتبہ بھی فارہ کی سمت اٹھی تو اسے تیسری مرتبہ بھی ایک ہی پوزیشن میں بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے گم صم سے انداز میں بیٹھے ہوئے دیکھا اب کی بار وہ رہ نہیں سکا تھا اور اپنی آستین کے بٹن بند کرتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے ہٹ کے اس کے قریب آ گیا تھا اور اپنی پینٹ کو گھٹنوں سے پکڑ کے ذرا سا اوپر کھینچتے ہوئے اس کے پاس بیڈ پہ بیٹھ گیا۔

"ہیلو۔۔۔" اس نے فارہ کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ وہ ابھی ابھی سو کر اٹھی تھی۔ ابھی بستر پہ ہی تھی مگر سوچوں کا گھوڑا نہ جانے کہاں سے کہاں دوڑ رہا تھا۔

"ہوں۔۔۔؟" وہ چونک کر متوجہ ہوئی۔

"کیا بات ہے۔۔۔ تم جب سے ماورا سے مل کر آئی ہو بہت چپ چپ اور گم صم سی ہو؟ سب ٹھیک تو ہے نا؟ اگر کوئی مسئلہ ہے کوئی پریشانی ہے تو مجھ سے شیئر بھی کر سکتی ہو۔۔۔" آفاق اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کے نرم سے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ اور فارہ اس کے ایسے استفسار پہ بے ساختہ سر جھٹک کر سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

"نہیں۔۔۔ ایسی پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے، سب ٹھیک ہے، ان فیکٹ کل ہم لوگ ماورا کے بابا کی قبر پہ چلے گئے تھے۔ ماورا بہت اداس تھی اور رو بھی رہی تھی۔ اس لیے میں بھی اس کے دکھ پہ بہت دکھی ہو گئی تھی۔

کیونکہ میں نے زندگی میں پہلی بار ماورا کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔۔۔ ورنہ وہ ایسی اسٹرانگ لڑکی ہے کہ چھوٹی موٹی بات کا تو نوٹس ہی نہیں لیتی۔۔۔"

فارہ نے رسانیت سے آفاق کی تسلی کروا دی تھی اور وہ واقعی کسی نہ کسی حد تک مطمئن ہو ہی گیا تھا۔

"کیا واقعی یہی بات ہے؟" اس نے دہرا کے استفسار کیا۔

"جی۔۔۔ یہی بات ہے۔" فارہ اور بھلا کیا کہتی۔

"اوکے۔۔۔ تو پھر جلدی سے اٹھو اور فریش ہو جاؤ۔۔۔ میں آفس جاتے ہوئے تمہیں ماورا کی طرف ڈراپ کر دیتا ہوں۔۔۔ آج کا دن اس کے ساتھ رہو اور اس کو بھی فریش کرنے کی کوشش کرو۔۔۔ آج اس شہر میں اس کا پہلا دن ہے۔" آفاق اس کا ہاتھ تھپکتا ہوا کھڑا ہو گیا تھا۔

"نہیں۔۔۔ میں اس کی طرف نہیں جا سکتی۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"کیوں۔۔۔؟" آفاق پھر ٹھٹکا۔

"کیونکہ ماورا گھر پہ نہیں ہو گی۔۔۔ اس نے آج آفس جوائن کرنا ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"ارے۔۔۔ اتنی جلدی۔۔۔ تیمور اسے تھوڑا ٹائم تو دیتا۔" آفاق کو عجیب لگا تھا۔

"وہ تو ٹائم دینے کو تیار تھے لیکن ماورا ہی ٹائم نہیں لینا چاہتی تھی۔" فارہ بھی عجیب سے لہجے میں کہتی ہوئی بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور پھر آفاق کے جانے کے فوراً بعد اس نے فون اٹھا کر ماورا کا نمبر ڈائل کیا اور اپنا فیصلہ اس کے حق میں سنا دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس کا تعلق پاؤں کے ساتھ زیادہ گہرا ہے۔

☼ ☼ ☼

فارہ کی فون کال سننے کے بعد نجانے کیوں ماورا ایک دم سے جیسے پُرسکون سی ہو گئی تھی اور اپنا سیل فون بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ کے تیار ہونے کے لیے چلی گئی کیونکہ اس نے آفس جانا تھا۔

اور جیسے ہی وہ تیار ہو کر باہر نکلی بی گل اور عافیہ بیگم اندر ہی اندر ہول کے رہ گئی تھیں۔

"اللہ نظر بد سے بچائے۔" بی گل نے بے ساختہ اس کی بلائیں لے ڈالی تھیں۔

"آج میرا پہلا دن ہے بی گل۔۔۔ میرے لیے دعا کیجئے گا۔" وہ بی گل سے کہتی ہوئی عافیہ بیگم کی سمت پلٹی۔ وہ اس کے سامنے سے ہٹنے ہی والی تھیں کہ ماورا نے یک دم ان کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"میری کامیابی کی طرف آج میرا پہلا قدم اٹھ رہا ہے اور آپ مجھ سے رخ موڑ رہی ہیں۔۔۔ کیا ماں ایسا کرتی ہیں؟ آپ اس طرح کریں گی تو مجھے ناکامی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ اس لیے پلیز۔۔۔ میرے لیے دعا کیجئے۔۔۔ میں ہمیشہ کہتی ہوں مجھے آپ کی دعا کے سوا اور کچھ نہیں چاہیے۔۔۔ آپ کی دعا میرے ساتھ ہو گی تو میں زندگی کے کسی بھی مقام پہ کسی سے بھی شکست نہیں کھاؤں گی۔۔۔"

ماورا کا لہجہ ہی کچھ ایسا ہو گیا تھا کہ عافیہ بیگم نے اسے اپنے سینے میں بھینچ لیا اور پھر وہ دھاڑیں مار مار کر روئیں کہ بی گل اور ماورا سے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ کل سے کراچی آئی ہوئی تھیں اور کل سے ہی ان کے اندر آنسوؤں کا اک غبار سا جمع تھا۔

"امی پلیز۔۔۔ سنبھالیں اپنے آپ کو۔۔۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔ آپ بالکل بھی فکر مت کریں۔۔۔ آپ کو فخر ہو گا اک دن۔۔۔ دیکھ لیجئے گا۔۔۔ یہ میرا وعدہ ہے آپ سے۔"

وہ انہیں اپنے ساتھ بھینچے ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر تسلی دے رہی تھی اور وہ بھی بے تحاشا رونے دھونے کے بعد ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر سنبھل گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"آیئے میڈم۔۔۔" وہ تھرڈ فلور سے اُتر کر نیچے آئی ہی تھی کہ ایک باوردی ڈرائیور بڑی مستعدی سے اس کی طرف بڑھا اور گاڑی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"آپ۔۔۔؟" ماورا ٹھٹکی۔

"مجھے سر تیمور حیدر نے بھیجا ہے۔ حیدر گروپ آف انڈسٹریز کی طرف سے۔۔۔ جب تک آپ ڈرائیونگ نہیں سیکھ لیتیں۔ آپ کو پک اینڈ ڈراپ دینے کی ڈیوٹی میری ہے۔"

ڈرائیور نے آگے بڑھ کے اپنا تعارف کروایا تھا اور ماورا سر ہلاتی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی گاڑی کے قریب آ گئی۔ ڈرائیور نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا اور پھر اپنے گھر سے آفس تک وہ تیمور حیدر کے متعلق ہی سوچتی ہوئی آئی تھی اور آفس آ کر اس کی سنجیدگی دس گنا بڑھ گئی تھی۔

آفس کی بلڈنگ دیکھ کر ہی دنگ رہ گئی تھی اور اس پہ یہ قیامت کہ بلڈنگ کے ماتھے پہ "حیدر" لکھا ہوا تھا۔

"آیئے میڈم۔۔۔ آپ رک کیوں گئیں؟" شوفر نے قریب آ کر متوجہ کیا تھا اور ماورا بڑی ہمت اور بڑے حوصلے سے ایک گہری سانس خارج کرتی بلڈنگ سے نظریں ہٹا کر اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس حسن زادی سے کہو نا تم
اس خاک زادے کو ہم سفر کر لے

"ویلکم ٹو کراچی۔۔۔" وہ اپنے کیبن میں کھڑی اک سرسری سا جائزہ لے رہی تھی۔ جب اچانک اس کے عقب سے اک بہت ہی پرسکون اور گمبھیر آواز ابھری تھی۔ وہ اک سیکنڈ میں پہچان گئی تھی کہ یہ آواز تیمور حیدر کی ہے۔ لیکن پھر بھی اس کی سمت بڑے سکون سے پلٹی تھی۔

"تھینک یو۔۔۔" اس نے کہتے ہوئے تیمور حیدر کے ہاتھ میں تھاما ہوا بکے تھام لیا تھا۔ بہت ہی خوب صورت پھولوں سے سجا یہ بکے تیمور حیدر کے جذبات کی تازگی اور سرشاری کا اظہار کر رہا تھا۔ ماورا نے بھی یہ اظہار قبول کرنے میں ذرا دیر نہیں لگائی تھی۔

"کیسی ہیں؟" تیمور کی نظریں بے اختیار اس کے چہرے کی سمت اٹھی تھیں اور اک نظر دیکھ کر ہی دل پہ قرار کی پھوار برسی تھی۔

"اچھی ہوں۔۔۔" ماورا آہستگی سے کہتی پھولوں کا بکے ٹیبل پہ رکھ کر اس میں سے چند کلیاں نکالنے لگی۔

"سفر کیسا رہا؟" وہ اس کے خوب صورت مخروطی ہاتھوں میں پکڑی پھولوں کی کلیوں کو دیکھنے لگا۔

"کامیاب۔۔۔" اس کا جواب خاصا عجیب تھا۔

"کامیاب یا اچھا۔۔۔؟" تیمور کو اس کے جواب پر حیرت ہوئی تھی۔

"کامیاب۔۔۔ کیونکہ مجھے سفر کے اچھے یا برے ہونے سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔۔۔ میں بخیریت کراچی پہنچ گئی۔ میرے لیے یہی میری کامیابی تھی۔ اس لیے یہی کہنا ٹھیک رہے گا کہ سفر کامیاب رہا۔"

ماورا نے ذرا تفصیلی جواب دیا تو تیمور حیدر بھی سر ہلانے پہ مجبور ہو گیا تھا۔

"ہوں۔۔۔ ویسے کراچی کیسا لگا؟" اس نے اگلا سوال پوچھا اور ماورا ہاتھ میں پکڑی پھولوں کی کلیوں کو ٹیبل کی سائیڈ پہ رکھے لمبے سے نازک کرسٹل کے گلدان میں سجانے لگی تھی۔ وہ خالی گلدان تین' چار کلیوں سے ہی سج گیا۔

"ابھی تو میں نے یہاں صرف قدم ٹکائے ہیں۔۔۔ ابھی میں نے کراچی دیکھا ہی کب ہے؟" اس نے پلٹ کر تیمور کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دکھاؤں کراچی، چلیں گی میرے ساتھ؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"نو تھینکس۔۔۔ میں کراچی خود دیکھوں گی۔۔۔ اپنی نظر اور اپنے نظریے سے۔"

"اوہ۔۔۔ یعنی میرے ساتھ نہیں دیکھیں گی؟" وہ اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔

"ہوں۔۔۔ یہی سمجھ لیں۔" وہ ہنوز لاپروا تھی۔

"اوکے۔۔۔ اچھی بات ہے' مگر پھر بھی کسی راستے یا کسی موڑ پہ میری ضرورت پڑے تو میں حاضر ہوں۔" وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہر بار سر تسلیم خم کر دیتا تھا۔

"اب آپ کا اگلا سوال یقیناً" یہی ہو گا کہ کراچی کو میں کیسی لگی؟" ماورا نے جان بوجھ کر اسے چھیڑنے کی کوشش کی تھی۔ اور تیمور اس کی اس کوشش پہ بے اختیار مسکرا دیا۔

"نہیں۔۔۔ یہ سوال تو اب میں کراچی والوں سے ہی کروں گا۔۔۔ آپ سے نہیں۔" تیمور نے مسکرا کر کہتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"اوکے۔۔۔ مجھے بھی بتا دیجئے گا کہ کراچی والوں نے میرے بارے میں کیا جواب دیا آپ کو۔۔۔"

"شیور۔۔۔ ضرور بتاؤں گا۔" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

"اینی وے۔۔۔ فی الحال آپ مجھے یہ بتا دیں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میرا کام وغیرہ۔۔۔" ماورا اب اپنے مقصد کی طرف آ گئی تھی۔

"آپ نے کیا کرنا ہے' ہوں۔۔۔ آیئے میرے ساتھ۔۔۔ اور اپنی فائل بھی لے لیجئے۔" تیمور چند سیکنڈز سوچتے ہوئے بولا اور اسے اپنے ساتھ آنے کا کہہ کر اس کے کیبن سے نکل گیا' ماورا اپنا بیگ اور اپنی فائل لے کر اس کے پیچھے اس کے کمرے میں ہی آ گئی تھی۔

اس کی پی اے اور اس کے مینیجر صاحب بھی وہیں تھے۔ تعارف کے بعد اس کی ان لوگوں کے ساتھ تقریباً" ایک گھنٹہ میٹنگ ہوئی تھی۔ تیمور نے ماورا کے تیار کردہ کئی ڈیزائن دیکھے اور سلیکٹ کیے تھے۔ اس کا کام ایسا تھا کہ تیمور کئی بار متاثر ہوا اور کئی بار اس نے اس کے کام کو سراہا تھا۔
تین سال کے ایگری منٹ کے بعد ماورا کی جاب اوکے ہو گئی تھی اور ماورا نے اگلے آدھے گھنٹے میں اپنا کام شروع کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ولید اپنے ایک پروگرام کی ریکارڈنگ میں مصروف تھا۔
ایک آخری نیوز چل رہی تھی' جب اس کی نظر شیشے کے دروازے کے پار گئی جہاں ملازم کے پاس کھڑی عزت حیدر یقیناً" اسی کے متعلق کچھ پوچھ گچھ کر رہی تھی۔ اسے اس طرح نیوز چینل کے آفس میں یوں اس کے متعلق پوچھتے دیکھ کر ولید کا دماغ گھوم گیا۔

"ولید۔۔۔ ولید۔۔۔ کہاں دیکھ رہے ہو؟ ادھر دیکھو سامنے۔" کیمرا مین نے اسے متوجہ کیا مگر ولید سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"جسٹ فائیو منٹس یار۔۔۔ میں ابھی آیا۔" اس نے بڑے التجائیہ سے انداز میں کہا تھا۔

"لیکن یہ کام۔۔۔" کیمرا مین نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر ولید دروازہ کھول کر باہر نکل چکا تھا۔

تیز تیز قدم اٹھاتا ہال کمرے کے احاطے سے باہر آ گیا جہاں عزت حیدر ابھی بھی ملازم کے ساتھ الجھ رہی تھی۔

"ایکسکیوزمی۔۔۔ میں یہاں ہوں۔۔۔" ولید نے بڑی سنجیدگی اور بڑی عجلت کے ساتھ اسے متوجہ کیا تھا۔
عزت ولید رحمٰن کی آواز سن کر یک دم اس کی سمت پلٹی تھی۔

"ہیلو۔۔۔" عزت نے بھی بڑے سنجیدہ موڈ میں اسے ہیلو کہا تھا۔ جس پہ ولید ایک لمحے کے لیے چونکا بھی۔ کیونکہ عزت حیدر آج تک اسے اس موڈ میں ذرا کم ہی نظر آئی تھی۔

"خیریت۔۔۔؟" اس کے موڈ کے پیش نظر ہی ولید اس سے خیریت پوچھنے پہ مجبور ہو گیا تھا۔ ورنہ وہ اس پہ غصہ کرنے والا تھا کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" اس نے سیدھی سیدھی بات کہی۔

"بات فون پہ بھی ہو سکتی تھی۔" ولید نے نارمل انداز اپنایا۔

"تمہارا فون آف جا رہا تھا۔" عزت نے اس کا یہ اعتراض بھی دور کر دیا۔

"میں بزی تھا۔" ولید نے بے ساختہ اپنے موبائل کی تسلی کرنے کے لیے اپنی پینٹ کی جیبوں کو ٹٹولا۔

"اور اب۔۔۔؟" عزت نے ابھی کا پوچھا۔

"اب بھی بزی ہوں۔۔۔ کام ادھورا چھوڑ کر آیا ہوں۔۔۔" اس نے شیشے کے پار اندر کی طرف اشارہ کیا۔

"لیکن اس وقت میری بات آپ کے کام سے زیادہ اہم ہے۔۔۔ اسی لیے پلیز پہلے میری بات سن لیں۔" عزت اسے مخاطب کرنے کے حوالے سے کبھی بھی توازن نہیں رکھ پائی تھی۔ کبھی آپ کہہ لیتی تھی اور کبھی تم تک پہنچ جاتی تھی۔

"بس چند منٹ۔۔۔" اس نے وقت مانگا۔

"چند منٹ۔۔۔ مطلب چند منٹ۔" عزت نے زور دے کر کہا۔

"اوکے۔۔۔ آپ انتظار کریں۔۔۔ میں ابھی آیا۔" ولید عجلت میں کہہ کر واپس بھاگا۔ جہاں سب اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"ولید۔۔۔ یہ کیا سلسلہ ہے یار۔۔۔؟" وہاں کام پہ موجود سب ہی لوگوں نے اعتراض کیا تھا۔ لیکن ولید سنی ان سنی کر کے اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

میں نعرۂ مستانہ
میں شوخیٔ رندانہ
میں تشنہ کہاں جاؤں
پی کر بھی کہاں جانا۔۔۔
میں شمع فروزاں ہوں
میں آتش لرزاں ہوں
میں سوزش ہجراں ہوں
میں منزل پروانہ
میں نعرۂ مستانہ۔۔۔

وہ گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھی سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے ہمیشہ کی طرح عابدہ پروین کا نعرۂ مستانہ اونچی آواز میں سن رہی تھی۔ جب ولید اپنا کام ختم کر کے تقریباً "پون گھنٹے میں" واپس آیا تھا اور اسے باہر پارکنگ میں ہنوز اپنے انتظار میں موجود دیکھ کر ولید کے قدموں میں اور زیادہ تیزی آ گئی تھی۔ اس نے قریب آ کر گاڑی کی کھڑکی پہ دستک دی تھی۔

"ہیلو۔۔۔" اتنی تیز آواز کے باوجود اس نے دستک سن لی اور گاڑی کا دروازہ بھی کھول دیا۔ مگر ولید نے اس کی پیشکش قبول نہ کی۔

وہ اس سے بات کرنے کی غرض سے ڈرائیونگ سائیڈ پر ہی کھڑا رہا تھا۔ جس پہ مجبوراً "عزت کو گاڑی کا شیشہ نیچے کرنا پڑا تھا۔

"میری بات اتنی غیر اہم نہیں ہے کہ یوں سڑک پہ کھڑے کھڑے سنا دوں۔" عزت کا لہجہ غصے اور خفگی سے بھر گیا تھا۔

ولید کو مجبوراً "کھلے دروازے کی طرف قدم بڑھانے پڑ گئے اور پھر جیسے ہی وہ گاڑی میں بیٹھا' عزت نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

ولید کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر پھر کچھ سوچ کر چپ ہو گیا تھا۔

عابدہ پروین کا نعرۂ مستانہ اب بھی گونج رہا تھا۔ جس کو ولید نے ہاتھ بڑھا کر اپنی طرح خاموش کرا دیا تھا۔

اور یہ خاموشی تب تک قائم رہی' جب تک وہ لوگ شہر کے ایک مہنگے ریسٹورنٹ میں نہ پہنچ گئے تھے۔

وہ گاڑی مقفل کر کے ریسٹورنٹ کی طرف بڑھی ولید کسی سدھائے ہوئے بیل کی طرح چلتا اس کے پیچھے پیچھے اندر گیا تھا۔

ایک الگ کیبن کی ٹیبل اور کرسیوں پہ بیٹھتے ہوئے۔

ولید نے اپنی نظریں عزت حیدر کے چہرے پہ جما دیں۔ جو عین اس کے سامنے چپ چاپ بیٹھی تھی۔

"مجھے پتا ہے تم منتظر ہو۔۔۔" اس نے بہت دیر بعد لب کشائی کی۔

"میں پریشان بھی ہوں۔" ولید نے انتظار کے علاوہ بھی اپنی کیفیت بیان کی۔

"تو پھر اندازہ کرو۔۔۔ جس بات کو سننے سے پہلے ہی تم اتنے پریشان ہو رہے ہو۔ اس بات کو سن کر میری پریشانی کا عالم بھلا کیا ہو گا۔" اس نے استہزائیہ سے انداز میں کہا۔

"لیکن کچھ پتا بھی تو چلے۔" ولید واقعی اچھا خاصا پریشان اور متجسس ہو گیا تھا۔

"مونس مرزا کو جانتے ہو؟" اس نے بات شروع کی۔

"دیکھا ہے۔۔۔ جانتا نہیں ہوں۔" ولید نے مونس مرزا کو آفاق کی شادی میں دیکھا تھا۔ تیمور نے اس کے بارے میں بتایا تھا۔

"میرے بابا کے ایک بیسٹ فرینڈ کا بیٹا ہے۔" وہ مزید گویا ہوئی۔

"پھر۔۔۔؟" وہ کھٹک گیا۔

"بابا ان لوگوں کے ساتھ بہت کلوز ہیں' بہت پسند کرتے ہیں ان کو۔"

"ہوں۔۔۔ مگر اس بات سے میرا کیا تعلق ہے؟" وہ جان بوجھ کر انجان بنا۔

"تمہارا تعلق یہ ہے کہ تم تیمور حیدر کے بیسٹ فرینڈ ہو۔۔۔ اور میں اپنے بابا کے دوست کی فیملی کے بجائے اپنے بھائی کے دوست کی فیملی میں انٹرسٹڈ ہوں۔ مجھے مونس مرزا کی ذات میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کیونکہ میری تمام دلچسپیوں کا مرکز ولید رحمٰن ہے۔۔۔ وہ ولید رحمٰن جو میرے سائے سے بھی بھاگتا پھرتا ہے۔۔۔ جس کے لیے میرے ساتھ ایک ٹیبل پر بیٹھنا بھی محال ہے۔۔۔ جو دنیا سے بھی ڈر رہا ہے اور مجھ سے بھی۔۔۔ جو نہ اپنا بن رہا ہے اور نہ میرا۔" عزت کہتے کہتے روہانسی سی ہو گئی تھی اور ولید یک دم غصے سے پھٹ پڑا تھا۔

"تو کیا چاہتی ہو تم۔ سارے ڈر۔۔۔ سارے خوف پھینک دوں۔۔۔ جینا دشوار کر لوں اپنا بھی اور تمہارا بھی۔۔۔ میری نظر میں تم ابھی بچی ہو۔۔۔ تمہیں ابھی اپنے سینے کے اندر دھڑکتا خون کا سرخ لوتھڑا نظر آ رہا ہے۔ اس دنیا کی سیاہی کا تو تمہیں علم ہی نہیں ہے۔ جہاں خون کے سرخ لوتھڑے دھڑکنا شروع کرتے ہیں۔ وہیں اس دنیا کے ستم ٹوٹنے لگتے ہیں۔۔۔ اور میں ڈرتا ہوں تمہاری معصومیت سے۔۔۔ تمہارے جذبات سے۔۔۔ تمہاری محبت سے اور محبت کی شدت سے۔۔۔ کیونکہ جہاں یہ معصومیت' جذبات' محبت اور شدت زیادہ ہوتی ہے وہیں آزمائش زیادہ ہوتی ہے اور وہیں شکار بھی زیادہ ہوتے ہیں۔۔۔ تمہارے اور میرے جیسے کئی لیلیٰ مجنوں یہ دنیا بہت پہلے ہی نگل چکی ہے۔۔۔ ہم کوئی نئے نہیں ہیں اور میں اسی واسطے چپ ہوں کہ شاید تم بھی چپ ہو جاؤ۔۔۔ اور دنیا کا یہ وار خالی چلا جائے۔۔۔ مگر تم ہو کہ۔۔۔"

ولید نے کہتے ہوئے خفگی سے سر جھٹکا تھا۔

"میں کیسے چپ ہو جاؤں۔ کیسے؟ مونس مرزا میرے گھر پروپوزل بھیج رہا ہے۔" عزت بے بسی سے چیخ اٹھی اور ولید پروپوزل کا سن کر یک دم چونک گیا تھا۔

اور پھر اگلے چند سیکنڈز وہ کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔

"میں تمہاری طرح چپ نہیں سادھ سکتی۔۔۔ یہ دنیا مجھے نگلتی ہے تو نگل جائے۔۔۔ میری محبت اور میری شدت بس وہی رہے گی۔۔۔ ولید رحمٰن۔۔۔ اور صرف ولید رحمٰن۔۔۔"

عزت نے باآواز بلند اپنا فیصلہ سنایا تھا اور ولید اس کے فیصلے پہ چکرا گیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

نبیلہ عزیز

رقص بسمل سا

ماورا مرتضیٰ' عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگائی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بلال اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منور نسیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایئر پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "سماشا کو جانا پڑتا ہے۔ وہ آفاق کی بدتمیزی پر خفا ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

حمزہ ثمینہ اور نیمو کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شان دار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیمو کے بیٹے سے فارہ کی بہن حمنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید انجان بن جاتا ہے۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق یزدانی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثمینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔



اشتیاق یزدانی "آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ عزت تیمور کے موبائل سے ولید کا نمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ رضا حیدر' تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی بارات میں ماورا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ ماورا' عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ عزت اپنے دل کی کیفیات ماشا سے بیان کرتی ہے۔ ماورا پی کل کو بتاتی ہے کہ وہ رضا حیدر کے بیٹے تیمور حیدر سے ملی ہے۔ پی کل دم بخود رہ جاتی ہیں۔

شادی میں تیمور حیدر' ماورا کے قریب تر آنے کی کافی کوشش کرتا ہے مگر ماورا کا سخت اور کھردرا رویہ ہر بار اسے ناکام کر دیتا۔ تیمور' ماورا سے رضا حیدر کو ملواتا ہے۔ رضا حیدر اسے دیکھ کر چونک جاتے ہیں مگر باوجود کوشش کے وہ سمجھ نہیں پاتے۔ فارہ کی ہی شادی میں عزت کی ملاقات تیام مرزا کے بیٹے مونس مرزا سے ہوتی ہے۔ وہ سخت بیزار ہوتی ہے جبکہ مونس خوب دلچسپی لیتا ہے۔

آفاق تو می رات کو غائب ہو جاتا ہے۔ فارہ پریشان ہوتی ہے۔ وہ صبح آ کر بتاتا ہے کہ اس کے دوست کے ساتھ کوئی ایمرجنسی ہو گئی تھی۔ اس لیے اس کے آرام کا خیال کرتے ہوئے وہ بغیر بتائے چلا گیا تھا۔ مگر فارہ اس کی بات پہ یقین نہیں کرتی۔ تیمور' فارہ کے ذریعے ماورا کو اپنے آفس میں ایک شاندار پیکج پر جاب کی پیشکش کرتا ہے جسے ماورا کافی حیل حجت کرنے کے بعد قبول کر لیتی ہے۔

۱۳

تیرہویں قسط

"یہ پاگل پن ہے عزت ـــــ سراسر پاگل پن اور میں اس کے حق میں بالکل بھی نہیں ہوں۔" ولید نے اپنے تاثرات بمشکل کنٹرول کرتے ہوئے اسے سمجھانے کی اک سعی کی۔

"یعنی کہ تم میرے حق میں نہیں ہو ـــــ؟" عزت اپنے جنون کی جنوں خیزی سے تھکی ولید جوابا" چپ ہو گیا۔

"بتاؤ ناں ولید ـــــ! تم میرے حق میں ہو یا نہیں ہو ـــــ؟" اس کا جنون منہ زوری کا انتہا پہ تھا۔

"ولید ـــــ! تم چپ کیوں ہو۔" وہ چیخ اٹھی۔

"کیونکہ یہ سوال فضول ہے ـــــ" ولید کی مختصری چپ ٹوٹی۔

"اچھا ـــــ پھر بھی تم جواب دو ـــــ تم میرے حق میں ہو یا نہیں ہو ـــــ" اس کے سوال اور نظروں کا مرکز ولید رحمان کا چہرہ تھا اور سوال کی شدت اور جواب کی طلب میں ہر گزرتے پل کے حساب سے اضافہ ہو رہا تھا۔

"عزت! میں یہ سب نہیں چاہتا۔" ولید نے بہلانے والا طریقہ اختیار کیا۔

"یعنی کہ تم مجھے نہیں چاہتے ـــــ" اس نے اس کی بات سے جواب اخذ کیا جو ولید کو تذبذب میں ڈال گیا۔

"عزت پلیز ـــــ! کیوں الٹے سیدھے سوال کر رہی ہو ـــــ؟" ولید کے لہجے میں جھنجلاہٹ کا عنصر تھا۔

"کیونکہ تم الٹے سیدھے جواب دے رہے ہو ـــــ جبکہ میں ایک سیدھا سادہ جواب مانگ رہی ہوں۔ تم میرے حق میں ہو یا نہیں ہو؟ ہاں یا ناں بس ایک جواب۔" عزت کے مزاج میں اس کی پرانی ہٹ دھرمی کا رنگ عود کر آیا۔ اور ولید رحمان اپنے مزاج کی موج میں جا اترا ـــــ

"نہیں ـــــ میں تمہارے پاگل پن کے حق میں نہیں ہوں ـــــ ہرگز نہیں۔"

ولید کا سر نفی میں ہلا اور عزت کی پوری دنیا ہی نفی میں ہل گئی۔

اس کے چہرے پہ اک سرمئی سایہ سا لہرایا اور دل کے اندر اک طوفانی ابال سا اٹھا جسے وہ بڑی مشکل مگر بڑی

ہمت سے دبا گئی۔

جنون جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور جسم ٹھنڈا یخ۔۔۔ برف کی مانند۔

اور زبان منہ میں ایسے ساکت ہو گئی تھی جیسے بے جان ہو اور وہ اسی۔۔۔ دل میں اٹھتے ابال۔۔۔ یخ جسم اور ساکت ہوتی زبان کے ساتھ اپنا بیگ کندھے پہ ڈالتے ہوئے اچانک اٹھ کھڑی ہوئی اور یونہی اس کے قدم ایک پل کے لیے غیر متوازن سے ہوئے مگر اس نے یکدم کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کرسی کا سہارا لے لیا۔

"عزت۔۔۔! میری بات سنو۔۔۔" ولید اسے یوں اٹھتے دیکھ کر ٹھٹکا کیونکہ اسے عزت سے ایسے ردعمل کی توقع نہیں تھی کہ وہ یوں بغیر کچھ کہے اٹھ کھڑی ہو گی۔۔۔ اور چل دے گی۔

"عزت۔۔۔!" جب وہ اس کے پکارنے پر بھی نہ رکی تو ولید نے یکدم بے اختیار اس کی کلائی پکڑلی اور عزت کے واپسی کے لیے اٹھتے قدم بھی یکدم رک گئے۔

"میرا ہاتھ چھوڑو۔۔۔" عزت کا لہجہ صدیوں کی اجنبیت لیے ہوئے تھا۔۔۔ اس نے اضطراری طور پر ہاتھ پکڑ لیا تھا گھبرا کر چھوڑ دیا۔

"تم میری بات سنو۔" ولید نے اپنی بات پہ زور دیا۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔" عزت کا وہی لہجہ اور انداز تھا۔

"لیکن میں بات کرنا چاہتا ہوں۔۔۔" وہ بھی ایک ہی بات پہ اڑ چکا تھا۔

"میں نے کہا۔" اس کی ہٹ دھرمی عروج پر تھی۔

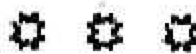
"میں اپنی بات کہے بغیر تمہیں جانے نہیں دوں گا۔" ولید نے اس رنگ میں بات کی جس رنگ میں عزت سننا چاہتی تھی۔۔۔ مگر اب نہیں۔۔۔ اب وقت گزر چکا تھا۔۔۔ چند ساعتیں قبل۔۔۔!

"تم مجھے نہیں روک سکتے ــــــــ اس استحقاق کا وقت گزر گیا اب میری طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھو گے تو مجھے ناگوار گزرے گا۔۔۔ اتنا ناگوار کہ میرا جی چاہے گا کہ تمہارے دیکھنے کے بعد اپنا آپ ہی جلا ڈالوں۔۔۔"

عزت کی اتنی سنگین اور اتنی سفاک بات پہ ولید کو بے ساختہ جھرجھری سی آگئی اور وہ لرز اٹھا۔۔۔

"مگر عزت۔۔۔!" اس نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

"اب عزت نہیں۔۔۔ بے عزت کہو مجھے کیونکہ تمہاری نظروں میں خود کو اپنے مقام سے گرا کر اب ایسی ہی ہو گئی ہوں۔۔۔" وہ بولی مگر انتہائی زہر خند اور تلخ سے لہجے میں۔۔۔ جو ولید کو بھی کاٹ کے رکھ گیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہنے کی کوشش کرتا وہ یکدم پلٹی اور ریسٹورنٹ کی حدود سے ہی نکلتی چلی گئی تھی اور ولید بے بس و لاچار سا کھڑا رہ گیا تھا۔۔۔!



اس کے گاڑی اسٹارٹ کرنے کی دیر تھی کہ اس کے آنسو بھی اسٹارٹ ہو گئے۔

ولید رحمان کا جواب اسے اپنے چہرے پہ اک زوردار تھپڑ کی طرح محسوس ہوا۔

جس کی تکلیف کی شدت اسے روح تک تڑپا گئی تھی اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

گاڑی روڈ پہ ڈالتے ہی اس کی آنکھیں دھندلا گئی کیونکہ زاروقطار بہتے آنسوؤں میں روانی بہت تھی۔۔۔ وہ اپنی پوری زندگی میں اس شدت سے اور ہچکیوں سے نہیں روئی تھی اور آج اگر روئی بھی تو ولید رحمان کی وجہ سے۔۔۔ اور عزت کو کچھ تکلیف اس چیز کی بھی تھی کہ وہ فطری طور پہ بہت ہی لاپروا اور آزاد خیال لڑکی تھی۔۔۔ اس نے

کبھی لڑکوں کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا' حالانکہ آج تک یونیورسٹی اور کالج میں رہتے ہوئے ہزاروں ہاتھ اس سے دوستی کے لیے اور پسندیدگی کے نام پہ آگے بڑھے' لیکن اس نے کبھی کسی کو لفٹ ہی نہیں کروائی نہ ہی اس چیز کا کوئی نوٹس لیا تھا۔

لیکن اب اچانک ولید رحمان کی چاہ میں مبتلا ہو کر وہ عزت۔۔۔ عزت ہی نہیں رہی۔

خود اپنی ہی نظروں میں گر گئی تھی۔

کیونکہ وہ اس سے محبت اور محبت کے جنون میں اپنے مقام سے بہت نیچے آگئی تھی اور وہ سب اظہار کروا لے جن کے بارے میں وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔

لیکن پھر بھی حاصل کیا ہوا۔۔۔؟ نفی!

اور اب اس نفی کے بعد اس کے دل میں دکھ کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ اور یہی دکھ تمام راستے اسے رلاتے ہوئے گھر لایا۔ کیونکہ دکھ دینے والا خود ولید رحمان تھا' وہ اس کی محبت اور جذبات کی قدر نہیں کر سکا' بلکہ اس نے پروا ہی نہیں کی اور یہی چیز عزت کو مار گئی۔

لیکن گھر پہنچتے ہی وہ ایک بار پھر ٹھٹکی۔

ڈرائنگ روم میں مونس مرزا براجمان تھا۔

"عزت۔۔۔!" رضا حیدر اسے دیکھ کر پکارے۔

مگر عزت کوئی بھی جواب دیے بغیر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی کیونکہ وہ ایسی حالت اور کیفیت میں ہی نہیں تھی کہ کسی کا اس وقت سامنا کر پاتی۔۔۔ اس لیے نظروں سے اوجھل رہ کر بھرم ہی رکھ لیا جاتا تو بہتر تھا۔ رضا حیدر نہیں جانتے تھے کہ وہ کس حال میں ہے۔۔۔؟

جبکہ مونس مرزا اس کی آنکھوں کی سرخی اک نظر میں ہی بھانپ گیا۔ جس کو محسوس کر کے اس سے وہاں بیٹھنا بھی محال ہو گیا اس لیے وہ بہت جلد رضا حیدر سے دعا سلام اور الوداعی کلمات ادا کرنے کے بعد وہاں سے رخصت ہو گیا۔۔۔ مگر عزت حیدر کی بکھری بکھری سی حالت اس کے ذہن سے محو نہیں ہو سکی۔

شاید اس لیے کہ وہ ایسے تجربات سے بارہا گزر چکا تھا۔۔۔ اسی لیے وہ عزت کی ایسی کیفیت اور ایسی حالت کو سیکنڈوں میں ہی سمجھ گیا' مگر اب اصل وجہ سمجھنا باقی تھی۔۔۔!

☆ ☆ ☆

ماورا آج عافیہ بیگم اور بلی کو لے کر قبرستان گئی تھی۔۔۔

اور علی مرتضیٰ کی قبر پہ جا کے عافیہ بیگم نے اپنے پچیس سالوں کے تمام دکھ ایک ساتھ ہی رو دیے۔۔۔ جن کو سمیٹتے سمیٹتے ماورا اور بلی ہلکان ہو گئی۔۔۔

اور پھر واپسی میں جیسے تیسے انہیں اپنے ساتھ لے کر گھر آئی۔

"امی۔۔۔! یہ ٹیبلٹ کھالیں۔۔۔ سر درد ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔" ماورا نے عشا کی نماز کے بعد انہیں میڈیسن دی اور انہیں بیڈ پہ لٹانے کے بعد خود ان کے کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر نکل آئی اور تھکے تھکے قدموں سے چلتی ہوئی ٹی وی لاؤنج کے صوفے پہ آبیٹھی۔

چند لمحے یونہی صوفے کی پشت سے سر ٹکانے کے بعد اس نے اک گہری سانس کھینچی اور قریب ہی صوفے پہ رکھا ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر دیا۔۔۔ کوئی ڈرامہ آرہا تھا۔

"میں تم سے محبت کرتا ہوں کنول۔۔۔!" ہیرو یقین دلا رہا تھا۔

"مگر مجھے تمہاری محبت کی کوئی ضرورت نہیں ہے سرور!" ہیروئن کی بے اعتباری اور بے رخی کمال کی تھی۔

"کنول۔۔۔ محبت سے منہ مت پھیرو۔۔۔ محبت کی ضرورت تو ہر انسان کو ہے۔۔۔ انسان ادھورا ہے محبت کے بغیر۔"

ہیرو اپنے تئیں گڑگڑا رہا تھا۔

"تمہاری محبت کے بغیر میں ادھوری ہوں تو ادھوری ہی ٹھیک ہوں۔" ہیروئین مان ہی نہیں رہی تھی۔

"آخر تم خفا کیوں ہو۔۔۔؟ تم اپنے دل کی بات کہو ناں۔۔۔ میں تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں۔۔۔ جو تم کہو گی میں وہی کروں گا۔۔۔ تمہاری ہر خواہش، چاہت پوری کروں گا۔۔۔ تم ایک بار کہو تو سہی۔"

وہ بار بار اصرار کر رہا تھا اور ماورا نے ناگواری اور جھنجلاہٹ سے بے اختیار ریموٹ کنٹرول ہی پرے پٹخ دیا۔

"ہونہہ محبت۔۔۔ نام نہاد محبت۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"ارے۔۔۔ اس کو دھتکار رہی ہو۔۔۔ محبت کو؟" بی گل عشا کی نماز سے فارغ ہو کر تسبیح ہاتھ میں پکڑے اپنے کمرے میں جا رہی تھیں جب ٹی وی لاؤنج سے سنائی دیتی ٹی وی کی آواز سن کر وہ بھی ادھر ہی آ گئیں کیونکہ انہیں یقین تھا کہ ٹی وی لاؤنج میں ماورا ہی ہو گی۔۔۔

"محبت کو نہیں۔۔۔ محبت کے ڈرامے کو دھتکار رہی ہوں۔۔۔ جو محبت کے نام پہ ہر دوسرے آدمی کا مشغلہ بن چکا ہے۔" ماورا کے لہجے میں اک عجیب سی چڑ تھی۔۔۔ اور وہ اسی چڑچڑے انداز میں ان کی طرف متوجہ ہوئی۔۔۔

"یہ ڈرامہ تو تم خود بھی کر رہی ہو۔۔۔" بی گل بڑی صاف گوئی سے کہتی پچھلی سائیڈ سے آ کر اس کے برابر ہی صوفے پہ بیٹھ گئیں۔۔۔

"آپ سے یہ کس نے کہہ دیا کہ میں۔۔۔ ایسے ڈرامے کر رہی ہوں؟" ماورا کو ان کی بات بہت بری طرح لگی۔

"کہنے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔" بی گل اطمینان سے کہہ رہی تھیں۔۔۔

"آپ نے دیکھا ہی تو نہیں ہے بی گل۔۔۔! دیکھ لیں تو جان جائیں کہ آپ کی ماورا کوئی ڈرامہ نہیں کرتی۔۔۔ جو بھی کرتی ہے۔۔۔ صاف سامنے کرتی ہے۔" اس نے ٹھنک کے جواب دیا۔

"پھر بھی تیمور حیدر تم سے محبت کر رہا ہے؟" انہیں حیرانی ہوئی۔

"وہ مجھ سے محبت نہیں کر رہا۔۔۔ بلکہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہا ہے۔ ایسا دھوکا جو آج کل ہر لڑکا لڑکی اپنے آپ کو دے رہے ہیں۔۔۔ جانتے بھی ہیں کہ اس معاشرے میں محبت کا وجود ناپید ہو چکا ہے، پھر بھی محبت۔۔۔ محبت کی رٹ لگائے پھر رہے ہیں۔ محبت آپ کے ہزار طرح کے چونچلوں سے ظاہر نہیں ہوتی، بلکہ محبت تو انسان کے کسی ایک عمل یا کسی ایک کیفیت سے ہی ظاہر ہو جاتی ہے۔۔۔ اس کے لیے اپنے مقام، اپنے مرتبے اور اپنی انا کے تخت سے نیچے آنا اور لفظوں کے ہیر پھیر سے اظہار کرنا ضروری نہیں ہوتا۔۔۔ محبت نے محسوس ہونا ہو تو وہ کسی بھی عمل، کسی بھی کیفیت اور کسی بھی اظہار کے بغیر ہی محسوس ہو جاتی ہے۔۔۔ ہاں یہ شرط لازم ہے کہ محبت سچی ہو۔۔۔ کھوٹ کا تڑکا نہ ہو۔"

ماورا کا ہر چیز کے بارے میں اپنا ہی اک فلسفہ ہوتا تھا اور بی گل اس کے اس فلسفے پہ ہمیشہ ہی مسکرا دیتی تھیں کیونکہ کبھی کبھی ماورا کی باتیں سن کر انہیں یہی لگتا کہ ان کے سامنے بھی اک بی گل ہی بیٹھی ہے۔ کبھی بڑی معصوم اور کبھی بڑی جہاندیدہ۔۔۔!

"دیکھو میرا بچہ۔۔۔! تمہاری باتوں سے مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم تیمور حیدر کی محبت کو محسوس کر چکی ہو۔۔۔ اور محبت کو کبھی بھی محسوس نہ کرنے والا۔۔۔ جب اسے اپنے آس پاس محسوس کرنے لگتا ہے تو اسے اسی طرح

دھتکارنے کی کوشش کرتا ہے جیسے کہ تم کر رہی ہو۔۔۔ محض اس ڈر سے کہ کہیں یہ تم سے ہی نہ چمٹ جائے۔۔۔ حالانکہ تم نہیں جانتیں کہ دل کے جذبوں پر یہ کوششیں بے اثر ہوتی ہیں۔"

بی گل کا بھی اپنا ہی اک فلسفہ زندگی تھا لیکن ماورا اکثر ان کے فلسفے اور روایات سے اختلاف کر جاتی۔

"مجھے ایسا کوئی ڈر نہیں ہے بی گل۔۔۔ میں اس معاملے میں پوری طرح سے نڈر ہوں۔۔۔ کیونکہ مقابل رضا حیدر کا بیٹا ہے۔۔۔ ورنہ ہوتا۔۔۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید میں آپ کے اس فلسفے سے اتفاق کر ہی لیتی۔۔۔ لیکن یہاں سچوئیشن کچھ اور ہے۔" اس نے سختی سے ان کی بات کی تردید کرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"یہاں سچوئیشن کچھ اور ہے یہ میں بھی جانتی ہوں۔۔۔ لیکن میرا مشاہدہ کہتا ہے کہ محبت اتنی طاقت ور شے ہے کہ بڑے بڑوں کو جھکا لیتی ہے۔"

بی گل اسے ممکنہ حالات اور جذبات سے پہلے ہی آگاہ کر رہی تھیں۔۔۔ ماورا جھلا اٹھی۔

"میں تیمور حیدر نہیں ہوں بی گل۔۔۔ کہ اپنے مقام، مرتبے اور انا کے تخت سے نیچے آجاؤں۔" اس نے تمسخرانہ کہا تھا۔

اور اس کے تمسخر پہ بی گل اس سے بھی زیادہ مسکرائیں۔

"ایک ماورا مرتضیٰ سے ملنے سے پہلے تیمور حیدر بھی ایسا تیمور حیدر نہیں تھا ماورا۔۔۔ اس کا بھی مقام تھا، مرتبہ تھا انا تھی۔۔۔ مگر افسوس کہ محبت گلے پڑ گئی۔۔۔ اور اسے نیچے آنا پڑا۔"

بی گل کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ محبت کے حق میں بول رہی ہیں یا تیمور حیدر کے حق میں۔۔۔؟ "ہونہہ۔۔۔! تو وہ اتنا ہی کمزور تھا کہ محبت کے آگے چار دن بھی نہیں ڈٹ سکا۔۔۔ اور فوراً ہتھیار ڈال دیے۔۔۔؟" اس کا طنز اور تمسخر ہنوز تھا مگر اس بار بی گل چند ثانیے یونہی اسے دیکھتی رہیں پھر ذرا توقف سے دوبارہ گویا ہوئیں۔

"کوئی کسی سلطنت کا بادشاہ ہو، یا بہت ہی امیر کبیر آدمی، کوئی کسی جھگی میں رہنے والا غریب ہو، یا در در پھرنے والا فقیر۔ مرض چاہے کوئی بھی ہو انسان کو بدحال کر ہی دیتا ہے، اسے اپنے مقام، مرتبے اور انا کے تخت سے مجبوراً" نیچے آنا ہی پڑتا ہے اپنے حکیم کے لیے اور اپنے طبیب کے لیے۔۔۔ اور کچھ معالج تمہارے جیسے بھی ہوتے ہیں جو کسی کا علاج نہیں کرنا چاہتے۔۔۔ مگر مرض زدہ (مریض) کو منت سماجت بھی کرنا پڑ جاتی ہے۔۔۔ جیسے کہ تیمور حیدر کو کرنا پڑ رہی ہے۔۔۔ بی گل نے ــــــــ ذرا توقف لیا۔

"اس لیے تیمور حیدر کو الزام دینے والی تمہاری یہ منطق بالکل غلط ہے کہ وہ کمزور نکلا۔۔۔ ڈٹ نہیں سکا۔۔۔ ہتھیار کیوں ڈال دیے۔۔۔ مقام، مرتبے اور انا سے نیچے کیوں آیا۔۔۔؟ یہ کیوں کیا؟ وہ کیوں کیا۔۔۔؟ لیکن یہ وہ مقام ہے جہاں بڑے بڑوں کو سر جھکانا پڑتا ہے۔" بی گل کہتے ہوئے بالآخر اٹھ کھڑی ہوئیں اور ماورا ان کی باتیں سن کر جوں کی توں اپنی جگہ پہ بیٹھی رہ گئی۔

"سو جاؤ شاباش۔۔۔! بہت ٹائم ہو گیا ہے۔۔۔ صبح پھر تمہیں محبت کی نوکری پہ بھی جانا ہے۔" بی گل اس کا سر تھپک کر پلٹ گئیں۔

"آپ نے یہ ساری باتیں مجھے کیوں سنائیں بی گل۔۔۔؟" وہ ٹی وی لاؤنج سے نکل رہی تھیں جب ماورا کی حد درجہ سنجیدہ سی آواز پہ انہیں ٹھہرنا پڑا۔

"میں نے تمہیں محبت اور نفرت کی اونچ نیچ سمجھائی ہے۔۔۔ تاکہ تم سنبھل جاؤ۔۔۔ اور کوئی اور راستہ اختیار کر لو۔۔۔ کیونکہ ابھی تو شروعات ہے۔۔۔ ابھی بھی وقت ہے۔۔۔ یہ نہ ہو کہ پھر تمہیں وقت بھی نہ ملے۔" وہ نرمی سے بولیں۔

"مگر یہ راستہ خود اس نے بچھایا ہے میرے سامنے۔" اس کا ہر الزام تیمور حیدر کے سر تھا۔
"وہ تو پلکیں بھی بچھائے گا۔ پھر کیا کرو گی؟" بی گل کا سوال برجستہ تھا۔
"وہی کروں گی جو میں کرنا چاہتی ہوں۔" اس کا لہجہ اٹل ہو رہا تھا۔
"محبت سے کھیل رہی ہے تو۔ اور محبت سے کھیلنا آگ سے کھیلنے کے برابر ہے۔" انہوں نے پھر سمجھایا

—

"جانتی ہوں۔!" وہی ہٹ دھرمی۔
"اللہ ہدایت دے تجھے۔ میری تو یہی دعا ہے۔" وہ کہہ کر باہر نکل گئیں اور اوور اس نے تلملا کر قریب پڑا ریموٹ انتہائی غصے سے اٹھا کر دور پھینک دیا۔
"میں کھیلوں گی اور ضرور کھیلوں گی۔ اور اب تو پوری طرح سے کھیلوں گی۔ تاکہ اسے بھی پتا چلے۔ اس کا معالج کون ہے۔؟"
وہ غصے سے بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں آگئی۔!



رات کا ایک بجا تھا جب اس کے سیل فون پہ اک بے چین سی رنگ بجی۔ لیکن وہ نظر انداز کیے لاپروا سی پڑی رہی مگر فون کرنے والے نے مستقل مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بار " دو بار " تین بار " اور پھر کئی بار ہی کال کرنے کا سلسلہ جاری رکھا اور اس نے تنگ آکر سیل فون آف کر کے پرے اچھال دیا۔
"ہونہہ۔! اب نہیں ولید رحمان۔ اب نہیں۔ وہ وقت گزر چکا اب۔" عزت نے دانت پیس کر تلملاتے ہوئے کہا اور کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔
لیکن سیل فون آف کر دینے کے بعد بھی اسے ساری رات یہی احساس ہوتا رہا کہ وہ ساری رات ہی اس کا نمبر ملاتا رہا۔ اور اسی احساس کے تحت وہ ٹھیک طرح سے سو بھی نہیں پائی اور صبح چھ بجے ہی اٹھ کر اپنے بیڈ روم سے باہر نکل آئی تھی۔
"عزت۔! کہاں جا رہی ہو بیٹا؟" رابعہ بیگم نماز پڑھ کے باہر نکلیں تو عزت کو گیٹ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔
"جاگنگ کے لیے جا رہی ہوں بہت سستی ہو رہی ہے کچھ دنوں سے۔" اس نے ذرا کی ذرا پلٹ کر جواب دیا اور دوبارہ قدم گیٹ کی طرف بڑھا دیے۔
"تیمور بھی کچھ دیر پہلے ہی نکلا ہے۔" انہوں نے پیچھے سے آواز دی اور عزت سنی ان سنی کرتی گیٹ کراس کر کے روڈ پہ آگئی۔
جاگنگ ایریا ان کے گھر سے زیادہ دور نہیں تھا اس لیے عزت اکثر پیدل ہی اس ایریا تک آجاتی اور یہی حال تیمور کا بھی تھا۔ وہ بھی پیدل ہی آتا ورنہ بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو زیادہ دور سے آتے اور اپنی گاڑیوں یا بائیک پہ آتے تھے اور لڑکیاں تو اکثر سائیکل پہ آتیں۔
"عزت۔!" وہ جاگنگ ٹریک پہ بھاگتے بھاگتے کافی دور آنکلی تھی جب اسے پیچھے سے تیمور کی آواز سنائی دی۔ اور اس نے بمشکل رک کر پیچھے پلٹ کے دیکھا۔

"جی بھائی۔۔۔؟" وہ بھی اتنے میں قریب آچکا تھا۔

"اتنا آگے کیوں جارہی ہو۔۔۔؟ واپسی میں دیر ہو جائے گی۔۔۔؟" وہ قریب آکر رکا۔

"میں جتنا بھی آگے چلی جاؤں۔۔۔ مجھے واپسی میں دیر نہیں لگتی۔۔۔ فوراً "پلٹ آتی ہوں۔" عزت کا لہجہ عجیب سا ہو گیا جسے تیمور اپنی بے دھیانی میں سمجھ نہیں سکا۔

"اچھا۔۔۔ یعنی کہ بہت فاسٹ ہو تم۔۔۔؟" تیمور مسکرایا۔

"ہاں۔۔۔! اور فاسٹ لوگ اکثر بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔" وہ بھی جواباً "طنزیہ سا مسکرائی۔۔۔

"صبح صبح تمہاری ایسی عجیب و غریب اور الجھی الجھی سی باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں اس لیے پلیز کوئی اچھی سی بات کرو اور واپسی کی راہ لو۔" تیمور نے اسے خفگی سے گھورا۔۔۔

"صبح صبح میری باتیں تو الجھی الجھی سی ہیں لیکن خلاف معمول آپ کا موڈ بہت فریش نظر آرہا ہے۔۔۔ اس فریش نیس کا ریزن۔۔۔؟" عزت نے اس کے ساتھ ساتھ واپسی کے لیے قدم بڑھائے۔۔۔

"انسان کی فریش نیس کا ریزن اس کے دل کی خوشی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟" تیمور بہت ریلیکس اور مطمئن نظر آرہا تھا۔

"اور آپ کے دل کی خوشی کا نام۔۔۔؟" وہ دونوں بہن بھائی جاگنگ ٹریک پہ بہت آہستہ رفتار سے بھاگ رہے تھے۔

"ماورا مرتضیٰ۔۔۔!" تیمور کو بھلا چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔۔۔

"ماورا مرتضیٰ۔۔۔ وہی جو فارہ کی۔" ۔۔۔ عزت چونکی۔

"ہاں۔۔۔! وہی۔۔۔" تیمور نے اس کی مشکل آسان کی۔

"کوئی بات چلی۔۔۔؟" عزت کو تجسس ہوا۔

"ہاہاہا۔۔۔!" تیمور اس کے سوال پہ قہقہہ لگا کر ہنسا اور عزت اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔۔۔

"بات نہیں چلی۔۔۔ وہ فیصل آباد سے چلی اور کراچی آگئی۔" وہ خاصا لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"واٹ۔۔۔ کراچی۔۔۔ مگر کیسے۔۔۔؟ کب۔۔۔؟" عزت کی حیرانی اور تجسس بڑھ گیا۔

"بس کسی کو قریب لانے کے لیے یا کسی کے قریب جانے کے لیے دل میں لگن ہونی چاہیے۔۔۔ فاصلے خود بخود ہی سمٹ جاتے ہیں۔" تیمور کو اپنے کارنامے پہ فخر ہو رہا تھا۔۔۔

"لیکن بھائی کیسے۔۔۔؟" وہ جاننا چاہتی تھی۔

"وہ ہماری کمپنی کی ویزا آفس کی سیٹ پہ آئی ہے۔۔۔ میں نے اسے آفر کی تھی۔" بالآخر اس نے بتا ہی دیا۔

"او اچھا۔۔۔! تو یہ سلسلہ ہے؟ ویسے ہے تو بہت خوب صورت۔۔۔ بہت اسٹرانگ سی لڑکی ہے۔" عزت کو وہ ورا سے ملاقات اچھی طرح یاد تھی۔

"بس یہی چیز تو ہے جو ہمیں لے ڈوبی۔" تیمور جانتا تھا کہ وہ کتنی اسٹرانگ ہے اسی لیے ذرا آہ بھر کے بولا۔

"یہ صرف پسندیدگی ہے یا محبت۔۔۔؟" عزت نے بھی وہی سوال کیا جس کا سامنا تیمور پہلے بھی کئی بار کر چکا تھا۔

"بات پسندیدگی سے ہی شروع ہوتی ہے لیکن پھر رفتہ رفتہ یہی پسندیدگی محبت اور طلب کی حدود سے بھی آگے نکل جاتی ہے اور میرے جیسے دل کے ہاتھوں مجبور ہو جانے والے لوگ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔" تیمور نے وضاحت ہی کچھ اس انداز میں دی تھی کہ عزت ساری سچویشن سمجھ گئی۔

"ہوں۔۔۔ تو یہ معاملہ ہے؟" وہ ذرا پرسوچ سے لہجے میں بولی۔

"ویسے اس کا رسپانس کیا ہے آپ کے اس معاملے کے حوالے سے۔۔۔؟" عزت کو ولید کا خیال آتے ہی ماورا کے رسپانس کا بھی خیال آ گیا۔

"نہ بہت اچھا ہے۔۔۔ اور نہ ہی بہت برا۔۔۔" تیمور کو لگی لپٹی رکھنے کی عادت نہیں تھی۔

"کیوں۔۔۔؟ ایسا کیوں ہے؟ کیا کمی ہے آپ میں؟ اسے تو خوش ہونا چاہیے کہ تیمور حیدر اسے چاہتا ہے؟"

عزت آخر ایک بہن تھی فوراً ہی دل میں بھائی کی محبت کا ابال اٹھا تھا۔

"وہ اتنی عام سی بھی نہیں ہے کہ اس چھوٹی سی بات پر ہی خوش ہو جائے۔" تیمور ہنسا۔

"بھائی۔۔۔!" عزت خفگی سے بولی تھی اور تیمور نے مسکراتے ہوئے ذرا ٹھہر کر عزت کے کندھے کے گرد اپنا بازو حمائل کرتے ہوئے اسے اپنے قریب کر لیا۔

"ارے ڈونٹ وری میری جان۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔ فی الحال میرے لیے یہی بہت ہے کہ وہ میرے پاس جاب کر رہی ہے، میری دسترس میں اور میری نظروں کے سامنے ہے۔۔۔ ورنہ جب وہ فیصل آباد میں تھی تب بہت بے سکونی تھی میرا بس نہیں چلتا تھا کہ میں کیا کروں۔۔۔؟ مگر اب۔۔۔ اب سب کچھ ٹھیک ہے۔۔۔ رفتہ رفتہ سب سیٹ ہو جائے گا۔"

تیمور نے اسے تسلی دی تھی اور عزت چپ کی چپ رہ گئی۔

"تو کیا بھائی کو بھی ان کے دل نے ویسے ہی مجبور کیا۔۔۔ جیسے مجھے کیا۔۔۔ ولید رحمان میری ذات سے انکاری۔۔۔ اور ماورا مرتضیٰ ان کی ذات سے انکاری۔۔۔ اف اللہ یہ کیسی آزمائش ہے۔۔۔؟" عزت کا دل کانپ گیا اور اس نے بے ساختہ تیمور کی دلی خوشی کے لیے دعا کی۔

"عزت۔۔۔!" گھر کے قریب پہنچ کر اس نے عزت کو متوجہ کیا۔

"جی۔۔۔؟" وہ چونکی۔

"کہاں گم ہو گئی ہو۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔ کہیں بھی نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا بات ہے، کچھ اپ سیٹ سی لگ رہی ہو۔۔۔؟ کوئی پرابلم تو نہیں ہے؟"

بالآخر تیمور کو محسوس ہو ہی گیا۔

"نو پرابلم۔ آلس آل رائٹ۔ یو ڈونٹ وری۔" وہ آہستگی سے کہتی تیمور کے کندھے سے الگ ہو کر گیٹ کی طرف بڑھی۔

"عزت۔۔۔!" تیمور نے اسے پھر سے آواز دی۔

"ارے بھائی۔۔۔ آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں۔۔۔؟ میں رات میں جاگتی رہی ہوں اس لیے اب طبیعت کچھ ایسی ہو رہی ہے۔" وہ سستی سے بولی۔

"رات میں کیوں جاگتی رہی ہو۔۔۔؟" اس نے اگلا نکتہ اٹھایا۔

"ایک فرینڈ پریشان تھی اس کے ساتھ چیٹ ہوتی رہی۔۔۔" عزت نے الٹا سیدھا بہانہ گھڑ کے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

"آر یو شیور۔۔۔ یہی بات ہے یا کچھ اور۔۔۔؟" وہ اسے سر تا پا گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"یس۔ شیور۔۔۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا اور تیمور اس کے سر ہلانے پہ چپ ہو گیا۔

"اوکے جاؤ۔ ناشتا کرو۔ اور یہ رات رات بھر جاگا نہ کرو سخت خراب ہوتی ہے۔"

اس نے جاتے جاتے اسے ہدایت دی اور عزت پلٹ کر اندر آگئی اور اس کے پیچھے تیمور بھی آگیا۔



"مے آئی کم ان سر۔؟" دروازے پہ ہلکی سی دستک کے بعد ماورا مرتضیٰ کی آواز ابھری تھی اور اپنے لیپ ٹاپ پہ بزی تیمور حیدر اس کی آواز پہ چونک کر متوجہ ہوا۔

"یس کم ان۔!" وہ اجازت دے کر دوبارہ سے لیپ ٹاپ کی طرف مڑا۔ اور اپنی اک ضروری فائل کلوز کرنے لگا۔ اتنے میں ماورا اس کی ٹیبل کے قریب آچکی تھی۔

"پلیز سٹ ڈاؤن۔!" تیمور نے اس کی طرف دیکھے بغیر اسے مقابل کرسی پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تھینک یو۔!" ماورا فائل ٹیبل پر رکھتے ہوئے خود کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

جبکہ تیمور اپنے کام میں مصروف تھا اور ماورا اسے بزی دیکھ کر کافی لاپروائی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس کے آفس کی سیٹنگ۔ کلر سکیم۔ ڈیکوریشن۔ دیواروں پہ لگی پینٹنگز۔ بچھا ہوا ماربل فرش۔ گلاس وال۔ کرسٹل ٹیبل۔ فائلز اور لیپ ٹاپ۔ اور لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پر متحرک اس کے مضبوط ہاتھ اور ہاتھوں سے بڑھتے بڑھتے اس کی نظر تیمور حیدر کے خوب صورت اور وجیہہ چہرے پر جا ٹھہری تھی۔ وہ اپنے کام اور اپنے دھیان میں پورے انہماک سے مصروف تھا۔

اور اس کی اسی مصروفیت نے ماورا کو بھی آزاد کر ڈالا تھا۔ وہ گہری نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگی۔ جو تیمور بھی محسوس کر گیا۔ جب ہی وہ اچانک اس کی سمت پلٹا اور ماورا اپنی محویت پہ گڑبڑا گئی۔

"ہاں مس ماورا مرتضیٰ۔ فرمایئے۔؟" تیمور اس کے گڑبڑانے پہ خاصا لطف اندوز ہوا مگر اپنی مسکراہٹ دبا گیا یہاں تک کہ لہجے کو بھی متبسم نہیں ہونے دیا۔

"آپ نے بلایا تھا غالباً" ماورا نے اسے یاد دلایا کہ وہ اس کے بلانے پہ آئی ہے۔

"اوہ ہاں۔! وہ دراصل میں چاہ رہا تھا کہ آپ خود ایک بار فیکٹری کا وزٹ کریں۔ اور ورکرز کے ساتھ جو بھی ڈسکشن چاہتی ہیں وہ کریں۔ کیونکہ اس طرح فون پہ یا آن لائن سمجھانے سے کچھ نہیں ہوگا آپ ابھی نئی ہیں اس لیے اپنے ورکرز اور کولیگز سے ملنا بہت ضروری ہے آپ کے لیے۔"

تیمور مکمل طور پر باس کے روپ میں تھا اور انداز کے ساتھ ساتھ لہجہ بھی ویسا ہی تھا۔ پروفیشنل۔!

"اوکے۔! لیکن آدھے گھنٹے بعد۔ کیونکہ فی الحال میری ٹیبل پہ بھی کام ادھورا پڑا ہے۔ مجھے آج ایک ڈیزائن کمپلیٹ کرنا تھا۔" ماورا نے دوٹوک انداز میں وقت مانگا۔

"ٹھیک ہے آپ کمپلیٹ کرلیں تب تک میں بھی فارغ ہو جاتا ہوں۔" تیمور نے اثبات میں سر ہلایا اور ماورا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ وہ فائل ہے جس پہ کل کام کیا تھا۔" ماورا جاتے جاتے اسے چند سیمپل دے گئی جن کو دیکھتے ہوئے تیمور کو وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔

"سر۔! گاڑی تیار ہے۔ اور مس ماورا بھی آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔" چپراسی کی آواز پہ تیمور بری طرح چونکا۔

"او مائی گاڈ۔ ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا؟" وہ گھڑی دیکھتے ہوئے تیزی سے فائل سمیٹ کر اٹھا اور اپنا موبائل اور دیگر چیزیں لے کر آفس سے باہر نکل آیا۔

اور جیسے ہی آفس بلڈنگ سے نکل کر نیچے آیا ماورا کو گاڑی کے پاس انتظار کرتے دیکھ کر قدم ٹھٹک سے گئے۔

وہ بے بی پنک کلر کے سوٹ میں ملبوس چہرے کے گرد اچھی طرح دوپٹے کا ہالہ بنائے بلیک گلاسز لگائے کھڑی س

لیے اسے بے پناہ دلکش سی لگی۔ اور اس پہ اتفاق یہ کہ آفس سے باہر نکلتے ہوئے وہ خود بھی بلیک گلاسز پہن گیا۔

"سر پلیز۔!" ڈرائیور نے آگے بڑھ کے دروازہ کھولتے ہوئے اسے متوجہ کیا تھا۔

"آج مس سحرش نہیں آئیں؟" ملورا نے اس کے برابر گاڑی کی بیک سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے جان بوجھ کر یہ ذکر چھیڑا تھا۔ تاکہ تھوڑی دیر پہلے والے احساس کا اثر زائل ہو جاتا۔

"ان کے فادر اسپتال میں ایڈمٹ ہیں اس لیے وہ تین دن کی چھٹی پہ ہیں۔" تیمور بھی سنبھل چکا تھا۔

"اور فاروقی صاحب۔؟" نیا سوال سوجھا۔

"وہ آل ریڈی فیکٹری میں ہی ہیں۔" تیمور سمجھ گیا تھا کہ وہ خاموشی کے اس تسلسل کو قائم نہیں ہونے دے رہی بار بار خود ہی خلل ڈالنے کی کوشش کر رہی ہے۔

"اور پھر۔؟" تیمور نے اگلا سوال خود ہی کر دیا اور ملورا ٹھٹک گئی کیونکہ وہ اس کے "اور پھر" کا مبتسم سا مفہوم سمجھ گئی تھی۔

"میں ڈرائیونگ سیکھنا چاہتی ہوں۔" ملورا کب سے اسے کہنا چاہتی تھی مگر اسے موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ وہ اس سے بات کر پاتی۔

"رئیلی۔؟" تیمور کو اچنبھا ہوا کہ وہ سیریس ہے یا یونہی بات سے بات نکالنے کی غرض سے کہہ رہی ہے۔

"ہوں۔! میں واقعی ڈرائیونگ سیکھنا چاہتی ہوں کیونکہ یہ میرے گھر کی ضرورت ہے۔ کمپنی کی طرف سے گاڑی کی سہولت تو ہے مگر ایک ڈرائیور بلاوجہ میرے گھر کے باہر میرے انتظار میں کھڑا رہے مجھے پسند نہیں ہے۔ ملازم بھی آخر انسان ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ میں یہ کام خود سیکھ لوں اور سب کو آسانی بخش دوں۔ آپ کو بھی اور آپ کے ڈرائیور کو بھی۔" ملورا کو بات کرنے کے لیے ایک اچھا ٹاپک میسر آگیا تھا۔

"آپ کو میری یا میرے ڈرائیور کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ملازم آخر انسان ہی ہوتے ہیں اور انسان اپنے کام کے پیسے لیتے ہیں۔ ایک ڈرائیور اگر آپ کے گھر کے باہر آپ کے انتظار میں بلاوجہ کھڑا رہتا ہے تو یہ اس کا احسان نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس کھڑے رہنے کا بھی معاوضہ لیتا ہے۔ اور یہ کھڑا رہنا ہی اس کا کام ہے۔"

تیمور نے کہا تو وہ چند ثانیے کے لیے چپ سی ہو گئی تھی۔

"یعنی۔ مجھے ڈرائیونگ نہیں سیکھنی چاہیے؟" وہ جان بوجھ کر اس کی بات کو الٹے رخ پہ لے گئی تھی۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا؟" تیمور ہنوز مسکرا رہا تھا۔

"دلائل تو کچھ ایسے ہی دے رہے ہیں؟" ملورا کا انداز سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔

"میں نے سنا تھا کہ لڑکیاں دلائل سے قائل ہو جاتی ہیں اس لیے۔" وہ حظ اٹھا رہا تھا۔ "کچھ لڑکیوں کے تجربے اور مشاہدے کی بنا پر سب کو ایک جیسا سمجھ لینا بہت بڑی بے وقوفی ہے کیونکہ اکثر تجربات غلط ثابت ہو جاتے ہیں۔" ملورا کے لہجے میں استہزائیہ سا رنگ تھا۔

"آپ کے معاملے میں تو کچھ زیادہ ہی غلط ثابت ہو رہے ہیں۔" وہ جوابا" آہستگی سے بولا مگر ملورا اس کی یہ خود کلامی بآسانی سن چکی تھی۔

"بہر حال جو میں نے بات کی وہ تو وہیں کی وہیں رہ گئی۔؟" ملورا نے پھر سے یاد دلایا۔

"اوکے۔! آپ ڈرائیونگ سیکھنا چاہتی ہیں تو ٹھیک ہے۔ میں آپ کا کسی اچھے ڈرائیونگ سینٹر میں ایڈمیشن کروا دوں گا آپ ایک دو دن میں جوائن کر لیجئے گا۔"

تیمور کو بھلا کیا پرابلم تھا اس نے فورا" ہامی بھر لی تھی۔

"تھینک یو۔!" اس نے بہت نپے تلے سے انداز میں اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

"یو ویلکم۔ مگر ایک بات بتائیں' جب آپ ڈرائیونگ سیکھ جائیں گی تو سب سے پہلے ڈرائیو پہ کس کو لے کر جائیں گی؟ اپنی کسی فرینڈ کو یا کسی فیملی ممبر کو۔۔؟"

تیمور نے کافی دلچسپی سے پوچھا تھا اور گاڑی کی گلاس ونڈو سے باہر دیکھتی ماورا نے بڑے تحمل سے گردن موڑ کر تیمور حیدر کے چہرے کی سمت دیکھا اور ذرا توقف سے جواب سے نوازا۔۔

"آپ کو۔۔!" انتہائی سکون سے کہا گیا یہ لفظ تیمور کو یکدم ٹھٹکا گیا تھا اس نے فوراً" ماورا کے چہرے کی طرف دیکھا تھا مگر اتفاق یہ تھا کہ دونوں ہی ایک دوسرے کی آنکھوں کے تیور نہیں بھانپ سکے تھے کیونکہ آنکھوں پہ گلاسز کا پردہ تھا۔

"مجھے۔۔؟" تیمور کو پتا نہیں عجیب سا لگا تھا کہ یقین نہیں آیا۔ مگر پھر بھی دل میں ایک بگلا سی خوشی نے سر اٹھایا تھا۔

"ہاں آپ کو۔۔ کیونکہ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ اس طرح گاڑی کی بیک سیٹ پہ بیٹھ کر سفر کرنا اچھا لگتا ہے یا آگے فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ کر۔۔؟"

ماورا باتوں باتوں میں ہی کہیں سے کہیں پہنچ گئی تھی اور تیمور اپنے دل کو دل ہی دل میں سنبھل جانے کی تنبیہہ کرتا رہ گیا تھا۔

"یہ سفر تو ہم ابھی کر سکتے ہیں۔ اس ڈرائیونگ سیٹ پہ میں جا سکتا ہوں۔ اور آپ۔۔"

"لیکن یہ میری کامیابی کا دن نہیں ہے۔ میری کامیابی کا دن وہ ہوگا' جب میں ڈرائیونگ سیکھوں گی۔ اور گاڑی کو ہواؤں پہ چھوڑ دوں گی۔ مگر آپ کو ساتھ لے کر' کیونکہ میری ہر کامیابی میں اب آپ کا ہاتھ ہے۔ اور جس کام میں آپ کا ہاتھ میرے ساتھ ہے' اس کام میں آپ کا ساتھ بھی تو میرے ساتھ ہونا۔ چاہیے نا؟" ماورا سراسر اس کے ساتھ کھیل رہی تھی لیکن تیمور بچوں کی طرح اس کے دام میں آ گیا تھا۔

"سر۔!" گاڑی فیکٹری کے پارکنگ ایریا میں رک چکی تھی اور ماورا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے چونکا دیا تھا۔

"ہوں۔! آیئے۔" وہ کہہ کر گاڑی سے اتر گیا اور پھر دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے فیکٹری کے اندر آ گئے جہاں فاروقی صاحب پہلے سے ہی ان کے انتظار میں کھڑے تھے۔



"ولید۔ کیا بات ہے۔؟ تم دو تین روز سے بہت پریشان سے نظر آ رہے ہو؟"

جیسے ہی وہ تیار ہونے کے بعد ناشتا کرنے کے لیے بیٹھا زبیدہ بیگم نے اپنی تشویش کا اظہار کر دیا۔ وہ پچھلے دو تین روز سے اسے نوٹ کر رہی تھیں۔

"نہیں ویسی کوئی بات نہیں ہے' بس ملکی حالات کی کشیدگی کے باعث ہر فیلڈ میں بہت سے کرائسس چل رہے ہیں اسی وجہ سے ہمارا ذہن بھی کچھ ایسا ہی کشیدہ ہو جاتا ہے۔" ولید نے بہت اچھے طریقے سے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

"ملکی حالات کی کشیدگی کے باعث۔۔ یا ذاتی جذبات کی کشیدگی کے باعث؟" زبیدہ بیگم کا سوال بہت گہرا تھا' ولید ماں کی عمیق نظر پہ ایمان لے آیا تھا۔

"آپ سے یہ کس نے کہا؟" اس نے پھر بھی بچنا ہی چاہا تھا۔

"تمہاری ان کھلی کتاب سی آنکھوں نے۔ روز پتا چلتا ہے کہ رات کو تارے گنتے ہو۔ سوتے نہیں ہو۔" زبیدہ بیگم اس کی کیفیت بیان کررہی تھیں۔

"جس آدمی کے پاس کرنے کو کچھ نہیں ہوتا وہ رات کو تارے ہی گنتا ہے۔" ولید ہلکی سی تلخی سے کہہ کر ناشتے کی طرف متوجہ ہوا تھا جبکہ زبیدہ بیگم کی الجھن اور تشویش میں اور اضافہ ہوگیا تھا۔

"کیوں۔۔۔؟ تمہارے پاس کچھ کرنے کو کیوں نہیں ہے۔ سارا دن بھر کام کرتے ہو' بلکہ رات رات بھر کام میں بزی رہتے ہو' تھک جاتے ہو پھر بھی تمہیں نیند نہیں آتی اور تم سوتے نہیں ہو۔"

"اف امی۔۔۔! آپ سے کس نے کہہ دیا کہ میں سوتا نہیں ہوں۔۔۔؟" ولید ان کی فکرمندی دور کرنے کی غرض سے موڈ بدل کر بولا۔

"تمہاری آنکھوں کی سرخی کہتی ہے کہ تم سوتے نہیں ہو۔" وہ بھی اپنی بات پہ بضد تھیں۔ "میری آنکھوں کی سرخی غلط کہتی ہے کیونکہ میں سوتا ہوں' لیکن بس تھوڑی دیر۔۔۔ نیند پوری نہیں ہوتی اس لیے یہ کم بخت چغلی کردیتی ہیں۔" ولید نے اپنی آنکھوں کو کوسا۔

"دیکھو ولید! کوئی بات ہے تو صاف صاف بتاؤ۔ ماؤں سے چھپانا ٹھیک نہیں ہوتا۔" انہوں نے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"ہونہہ۔۔۔ ماؤں کو بتانا بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ کیونکہ پھر رتجگوں کی یہی سرخی ماؤں کی آنکھوں کو گھیر لیتی ہے اور بیچاری ماؤں کی نیند پوری نہیں ہوتی۔" ولید بڑے سکون اور بڑے پیار سے کہتا چائے کا کپ واپس رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"ولید۔۔۔! یہ پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو تم۔۔۔؟ اور ناشتا بھی ٹھیک سے نہیں کیا تم نے۔۔۔" زبیدہ بیگم تڑپ ہی تو گئی تھیں' وہ صرف چائے پی کر ہی اٹھ گیا تھا۔

"بھوک نہیں ہے۔ رات کو کھانا کھاؤں گا گھر آکے۔ اور پھر تارے گنوں گا۔ اوکے۔۔۔؟" وہ ان کو ٹالنے کے لیے اور بہلانے کے لیے کہتا ہوا ان کی پیشانی چوم کر ان کے ہاتھ کو تھپکتا ہوا اپنا بیگ لے کر تیزی سے گھر سے نکل گیا تھا۔



"ولید رحمان کہاں ہے آج کل۔۔۔؟" یونیورسٹی کے گیٹ سے نکلتے ہوئے ساشا کو بے ساختہ ولید کا خیال آیا۔

"جان بخش دی اس کی۔۔۔" عزت کا انداز لاپروا سا تھا۔

"جان بخش دی اس کی۔۔۔؟ کیا مطلب۔۔۔؟" ساشا کو گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے جھٹکا لگا۔

"مطلب۔۔۔ آزاد کردیا اسے۔" اس کی وہی انا' لاپروائی عروج پہ تھی۔

"مگر کیوں عزت۔۔۔؟ اچانک یہ سب کیوں۔۔۔؟" ساشا گاڑی کا لاک کھولنا بھی بھول گئی۔ "کیونکہ وہ میرے ساتھ چلنا نہیں چاہتا تھا اور میں اسے زبردستی گھسیٹ رہی تھی۔"

"مگر عزت! وہ ایک اچھا آدمی تھا۔" ساشا پہلے ولید کی ذات سے اختلاف ہی کرتی آرہی تھی مگر جب سے اسے فارہ کی شادی میں دیکھا اسے بھی وہ بہت اچھا لگا تھا اور عزت کے ساتھ اس کی جوڑی پسند آئی تھی۔

"لیکن مجھے اتنا اچھا آدمی نہیں چاہیے جو اپنی ذات' اپنی چاہ اور اپنے دل کے لیے بھی کچھ نہ کرسکے۔" عزت نے غصے سے سر جھٹکا۔

"کیا کرنا چاہیے تھا اسے۔۔۔؟" ساشا کو حیرت ہوئی۔

"مجھ سے اظہار کرنا چاہیے تھا مجھے پرپوز کرنا چاہیے تھا اسے۔۔۔ میری محبت کی قدر کرنی چاہیے تھی اسے' مگر۔ مگر اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔ وہ ڈرتا ہے دنیا داری اور جو دنیا داری سے ڈرتے ہیں وہ دل داری کبھی نہیں کر پاتے۔" عزت نے ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا۔

وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھنے لگی تھی کہ اچانک ہی اسے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"عزت۔! آپ میرے ساتھ چلیں گی پلیز۔؟" عزت نے یکدم گردن موڑ کر دیکھا اور سامنے کھڑے مونس مرزا کو دیکھ کر اس کے دماغ کی گھومتی ہوئی سوئی ایکدم ہی ایک ہی نقطے پر رک گئی تھی۔

"بس زیادہ دیر نہیں۔ لنچ کے بعد آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔" مونس مرزا اس وقت کافی زیادہ شرافت کے لبادے میں کھڑا نظر آ رہا تھا۔

جبکہ عزت کو اچھی طرح علم تھا کہ وہ اتنا بھی شریف نہیں ہے۔ اسی لیے وہ اسے انکار کرنے ہی والی تھی کہ اس کا سیل فون بج اٹھا اور جیسے ہی سیل فون پہ جگمگاتے ولید رحمان کے نمبر پہ نظر پڑی اس کے اعصاب تن گئے اور اس نے محض چند سیکنڈ سوچنے کے بعد ایک نظر ساشا کو دیکھا اور ایک نظر اپنے سیل فون کو۔ اور پھر دوسری نظر مونس مرزا پہ ڈالتے ہوئے وہ اپنی قدموں پہ پلٹ گئی تھی۔ وہ بھی مونس مرزا کی سمت۔!

"اوکے ساشا! تم گھر جاؤ۔ تم سے بعد میں بات ہوگی۔" عزت بڑی لاپروائی سے کہتی مونس مرزا کے ساتھ چل دی تھی لیکن ساشا جن قدموں پہ کھڑی تھی انہی پہ جوں کی توں کھڑی رہ گئی۔ اور ان کی گاڑی زناٹے سے پاس سے گزر گئی تھی۔

"ہیلو مس ساشا!" کسی نے اسے پکارا تھا۔

"ہوں۔!" ساشا نے غائب دماغی سے ہوں کہا۔

"میں ولید۔ ولید رحمان۔!" اس نے اپنا تعارف کروایا اور ساشا یکدم کرنٹ کھا کے رہ گئی۔

"ولید رحمان۔؟" اس نے پلٹ کر ولید کی طرف دیکھا اور زیر لب کپکپا کے اس کا نام دہرایا تھا۔

"آپ۔ آپ یہاں۔؟" ساشا کو اپنے تاثرات کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

"جی وہ دراصل مجھے عزت سے ملنا تھا۔ میں کافی دیر سے ان کے سیل پہ ٹرائی کر رہا ہوں مگر کبھی کال ریسیو ہی نہیں ہوتی کبھی ملتی ہی نہیں۔" وہ بائیک سے نیچے اتر آیا تھا۔

"لیکن وہ تو چلی گئی۔" ساشا کو بتاتے ہوئے بہت عجیب سا محسوس ہوا۔

کیونکہ ولید رحمان کے چہرے پہ صاف لکھا تھا کہ اسے ڈھونڈتے ہوئے بڑی مشکلوں سے یہاں تک آیا ہے۔

"کہاں چلی گئی؟" ولید کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

"مونس مرزا کے ساتھ۔" ساشا کے منہ سے نکلے ہوئے اس جملے نے ولید رحمان کو یکدم دھجیوں میں بکھیر کے رکھ دیا تھا اور اس کے پرخچے اڑ گئے تھے۔

"مونس مرزا کے ساتھ۔؟" اب کی بار اس نے زیر لب دہرایا تھا لیکن اسے اپنی یہ مدھم سی آواز بھی کسی گہرے پاتال میں سے آتی سنائی دی۔

اور اسے یوں لگا تھا کہ جیسے کچھ عرصہ پہلے یونیورسٹی کے اسی پارکنگ ایریا میں ہونے والا بم بلاسٹ آج ایک بار پھر بلاسٹ ہو گیا تھا اور اس کا نشانہ صرف ولید رحمان بنا تھا۔

اور اس کے دل و دماغ کئی حصوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔

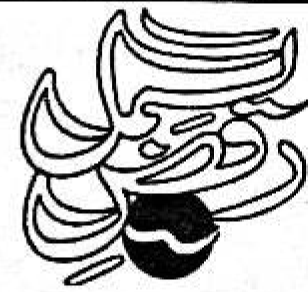
شاید اس لیے بھی کہ عزت حیدر نے جہاں سے یہ سلسلہ شروع کیا تھا وہیں پہ یہ سلسلہ ختم کر گئی تھی۔ اور ولید

رحمان کے پاس اذیت کے سوا کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا۔
سا شا خاموشی سے گاڑی لے کر چلی گئی اور وہ وہیں کھڑا دیکھتا رہ گیا۔



ماورا اپنے کام میں مصروف تھی جب اس کے فون پہ بیل ہوئی۔ موبائل نکال کر دیکھا تو فارہ کا نمبر نظر آیا۔
"ہیلو!" اس نے ذرا دیر کے لیے کام کا سلسلہ ترک کرتے ہوئے کال ریسیو کرلی۔
"محترمہ ماورا مرتضیٰ زندہ ہیں کیا؟" فارہ جل کر بولی تھی۔
"گزر گئی ہوتی تو آپ کو بھی اطلاع پہنچ گئی ہوتی۔" ماورا نے بھی بڑے مزے سے جواب دیا تھا۔
"لیکن اب میرا خیال ہے کہ میرے ہاتھوں گزر ہی جائے گی۔" فارہ نے دانت کچکچائے تھے۔
"وجہ؟" ماورا ساتھ ساتھ اپنا کام بھی کررہی تھی کیونکہ اسے تیمور کے آنے تک یہ کام ختم کرنا تھا۔
"وجہ تم مجھ سے پوچھ رہی ہو؟ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے بندہ اس طرح غائب ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنا بھی نصیب نہ ہو؟ کیا اسی لیے دعائیں مانگی تھیں میں نے؟"
"او کے یار او کے۔ اگلی سنڈے ہے۔ کل ملتے ہیں۔" ماورا نے اسے تسلی دی۔
"آج کیوں نہیں؟" فارہ بضد ہوئی۔
"آج تھوڑی مصروفیت ہے۔ آفس کے بعد ڈرائیونگ سینٹر جانا ہے۔ آج میرا پہلا دن ہے۔"
"ارے واہ! تم ڈرائیونگ سیکھ رہی ہو؟" فارہ کو سن کر خوشی ہوئی تھی۔
"ہاں۔ اور ابھی اور بھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔" ماورا کا لہجہ بدلا۔
"او کے۔ پھر ٹھیک ہے۔ تم سیکھو اور کل لازمی ملنا ہے۔" فارہ نے بات ہی بدل دی۔
"او کے! اللہ حافظ۔" ماورا نے بھی فون رکھ دیا۔
اور جیسے ہی وہ ذرا سی سیدھی ہوئی فاروقی صاحب کے ساتھ اندر داخل ہوتے رضا حیدر کو دیکھ کر ٹھٹک گئی اور یہی حال رضا حیدر کا بھی ہوا۔ وہ اسے دیکھ کر بری طرح چونکے اور ان کے چہرے کا رنگ متغیر سا ہو گیا۔
"السلام علیکم سر!" ماورا نے بڑے اعتماد سے پہل کی تھی۔
لیکن رضا حیدر کی طرف سے جواب ندارد۔
"سر! یہ ہماری نئی ڈیزائنر ہیں ماورا مرتضیٰ۔ فیصل آباد سے آئی ہیں۔"
فاروقی صاحب نے تعارف کروایا تھا جبکہ رضا حیدر لب بھینچے فقط سر ہلا کر واپس پلٹ گئے اور ان کا رخ اب تیمور حیدر کے کمرے کی طرف تھا۔
"تیمور!" ان کی آواز خاصی بلند تھی۔
وہ یک دم دروازہ کھول کر اندر آ گئے تھے جبکہ تیمور ان کی ایسی بلند آواز اور ایسے تیور دیکھ کر اپنی جگہ سے ایک دم کھڑا ہو گیا تھا۔
"جی بابا جان خیریت؟" اس کے لہجے میں احترام اور تشویش دونوں کی آمیزش تھی۔
"تو تم اس لڑکی کو فیصل آباد سے یہاں اٹھا لائے۔" وہ دبے لہجے میں غرائے تھے۔
(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

نبیلہ عزیز



ماورا مرتضیٰ، عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

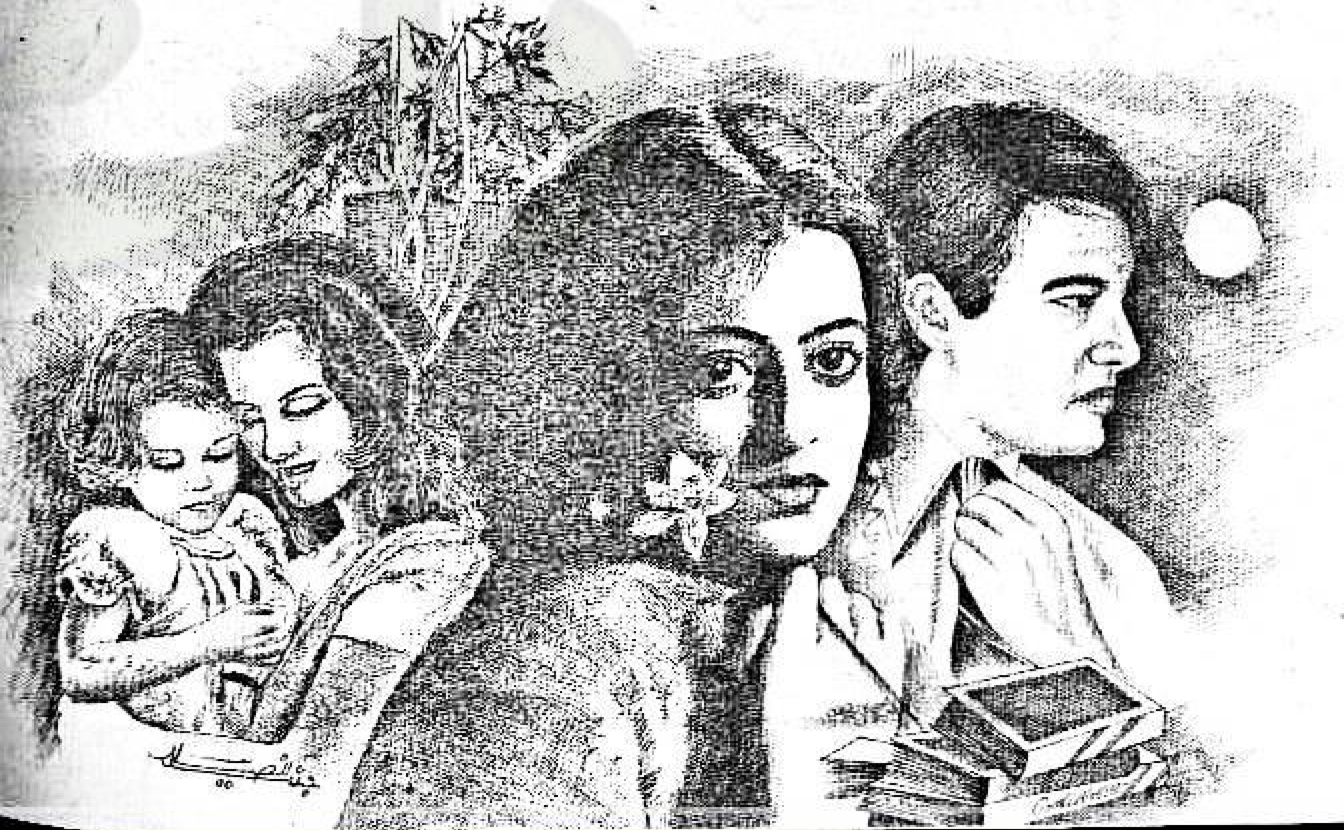
فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایر پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "ساشا" کو جانا پڑتا ہے۔ وہ آفاق کی بدتہذیبی پر خفا ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

منزہ، ثمینہ اور نیرہ کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شاندار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیرہ کے بیٹے سے فارہ کی بہن حمنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید انجان بن جاتا ہے۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق یزدانی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثمینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔

اشتیاق یزدانی، آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ عزت، تیمور کے موبائل سے ولید کا نمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس



کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ رضا حیدر' تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی تاریخ میں ماورا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ ماورا' عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ عزت اپنے دل کی کیفیات ساشا سے بیان کر دیتی ہے۔ ماورا بی گل کو بتاتی ہے کہ وہ رضا حیدر کے بیٹے تیمور حیدر سے ملی ہے۔ بی گل دم بخود رہ جاتی ہیں۔

شادی میں تیمور حیدر' ماورا کے قریب آنے کی کافی کوشش کرتا ہے مگر ماورا کا سخت اور کھردرا رویہ ہر بار اسے ناکام کر دیتا۔ تیمور' ماورا سے رضا حیدر کو ملواتا ہے۔ رضا حیدر اسے دیکھ کر چونک جاتے ہیں مگر باوجود کوشش کہ وہ سمجھ نہیں پاتے۔ فارہ کی ہی شادی میں عزت کی ملاقات قیام مرزا کے بیٹے مونس مرزا سے ہوتی ہے۔ وہ سخت بیزار ہوتی ہے جبکہ مونس خوب دلچسپی لیتا ہے۔

آفاق آدھی رات کو غائب ہو جاتا ہے۔ فارہ پریشان ہوتی ہے۔ وہ صبح آ کر بتاتا ہے کہ اس کے دوست کے ساتھ کوئی ایمرجنسی ہو گئی تھی۔ اس لیے اس کے آرام کا خیال کرتے ہوئے وہ بغیر بتائے چلا گیا تھا۔ مگر فارہ اس کی بات پہ یقین نہیں کرتی۔ تیمور' فارہ کے ذریعے ماورا کو اپنے آفس میں ایک شاندار پیکج پر جاب کی پیشکش کرتا ہے جسے ماورا کافی حیل حجت کرنے کے بعد قبول کر لیتی ہے۔

—۱۴—

چودہویں قسط

"کس لڑکی کو.....؟"

وہ ان کے اس قدر اچانک حملے اور اتنے غصے کی وجہ سے فوری طور پر سمجھ ہی نہ سکا کہ وہ کس کی بات کر رہے ہیں۔

"اس لڑکی کو....." انہوں نے یکدم پلٹ کر گلاس وال سے پار نظر آتے اس کیبن کی طرف اشارہ کیا تھا' جہاں ماورا مرتضیٰ ٹیبل پہ جھکی اپنے کام میں مصروف نظر آ رہی تھی۔

تیمور ان کا اشارہ ماورا کی سمت دیکھ کر بری طرح چونک گیا۔

"آپ ماورا کی بات کر رہے ہیں.....؟" تیمور کو اک عجیب سا دھچکا محسوس ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمارے اس آفس میں کوئی اور ایسی لڑکی نہیں ہے جسے فیصل آباد سے یہاں لایا گیا ہو؟" انہوں نے طنزیہ جواب دیا۔

"لیکن بابا! اسے یہاں اس سیٹ پہ اس کے ٹیلنٹ کی بیس پہ بلایا گیا ہے۔ وہ یہاں کام کر رہی ہے' جھک نہیں مار رہی۔"

تیمور نے بے ساختہ اس کا دفاع کیا تھا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اپنے شہر سے ٹیلنٹ ختم ہو چکا ہے.....؟" رضا حیدر کا جواب طنز اور تمسخر لیے ہوئے تھا اور تیمور کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں۔

"اگر ہم نے دوسرے شہر سے کسی لڑکی کو اپائنٹ کر لیا ہے تو اس میں کیا قباحت ہے؟" وہ ابھی بھی حیرت اور الجھن کا شکار تھا۔

"قباحت دوسرے شہر سے کسی لڑکی کو اپائنٹ کرنے میں نہیں ہے۔ بلکہ قباحت....."

رضا حیدر اچانک ماورا کا نام لیتے لیتے رک گئے تھے۔ یوں کھلے عام اس لڑکی کے خلاف بولنا انہیں خود ہی اپنی

غلطی کا احساس دلا گیا تھا۔ وہ فوراً" ہی چپ ہو گئے تھے۔

"کیا ہوا۔۔۔ کیا کہنا چاہ رہے ہیں آپ.....؟ قباحت کہاں ہے؟" تیمور ان کا بولتے بولتے یوں اچانک رک جانا نوٹ کر چکا تھا' مگر ان کی مخالفت کا مقصد نہیں سمجھ سکا تھا۔

اور رضا حیدر اس کے سوال پہ ٹھٹک کر رہ گئے۔

"بابا.....! کہیے نا' کیا قباحت ہے اس میں؟" تیمور انہیں بولنے پہ اکسا رہا تھا۔

"نہیں کچھ نہیں..... بعد میں بات کریں گے..... فی الحال ہم گھر جا رہے ہیں....." رضا حیدر نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہیں سے پلٹے اور تیزی سے دروازہ عبور کر گئے اور تیمور اپنی جگہ پہ کھڑا جوں کا توں ان کو دور تک دیکھتا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں بس ایک ہی سوچ کلبلا رہی تھی۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ بابا کو ماورا سے کوئی اختلاف ہے۔ یا پھر وہ انہیں پسند نہیں آئی... مگر کیوں؟ کیا کمی ہے اس میں..... شی از پرفیکٹ گرل۔" وہ خود ہی اپنے آپ کو تسلیاں دے رہا تھا اور خود ہی سوال جواب کر رہا تھا۔

"مے آئی کم ان سر!" ذرا سے توقف کے بعد دروازے پہ دستک ہوئی اور ساتھ ہی ماورا کی آواز ابھری۔ تیمور چونک کر متوجہ ہوا۔

"مے آئی کم ان سر.....!" اس نے تیمور کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر دوبارہ استفسار کیا تھا۔

"یس کم ان.....!" اس نے جواب دیا۔

ماورا نے اندر آتے ہی اس پہ ایک تنقیدی سی نگاہ ڈالی تھی اور وہ اسے اسی کیفیت میں نظر آیا تھا' جس کی اسے توقع تھی۔

"میری فائل تیار ہے۔" اس نے اسے اطلاع دی۔
"ہوں! ہاں۔۔۔ اوکے۔۔۔ میں تھوڑی دیر میں چیک کرلیتا ہوں۔"
تیمور ذہنی طور پر غیر حاضر تھا اور ماورا اس چیز کو اچھی طرح محسوس کرچکی تھی۔
"پلیز ذرا جلدی چیک کرلیجئے گا' کیونکہ مجھے پھر نیکسٹ فائل پہ کام کرنا ہے۔"
"اوکے۔۔۔ کرلوں گا۔۔۔ لیکن فی الحال نہیں۔۔۔" تیمور نے کہتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔
"اینی پرابلم سر۔۔۔!" ماورا نے جان بوجھ کر اس کی غائب دماغی میں دلچسپی لی تھی ورنہ اسے اندازہ تو تھا کہ دونوں باپ بیٹے میں کوئی بات ضرور ہوئی ہے کیونکہ رضا حیدر اسے دیکھتے ہی بھڑک سے گئے تھے۔
اور پھر اس بھڑک کا نشانہ یقیناً انہوں نے تیمور حیدر کو ہی بنایا ہوگا۔
"نو۔۔۔ نو۔۔۔ اٹس آل رائٹ۔۔۔" تیمور نے فوراً نفی میں گردن ہلائی۔ ماورا نے لاپروائی سے کندھے اُچکادیے۔
"اوکے! مے آئی گوناؤ؟" اس نے اجازت طلب کی۔
"ہوں۔ یس۔۔۔!" وہ آہستگی سے کہہ کر اپنی سیٹ پہ جا بیٹھا۔
کوئی اور وقت ہوتا تو اس کی یہی کوشش ہوتی کہ ماورا کچھ دیر اور ٹھہر جاتی۔۔۔ مگر اس وقت اس نے یہ کوشش بھی نہیں کی تھی۔



مونس مرزا کی گاڑی سڑکوں پہ بہت سبک رفتاری سے دوڑ رہی تھی۔
یوں جیسے وہ لوگ گھر سے لانگ ڈرائیو کے لیے نکلے ہوں اور واپسی کی فی الحال کوئی جلدی نہ ہو۔ کیونکہ گاڑی کے اندر کے ماحول میں بھی بہت خاموشی اور بہت سکون تھا۔ لیکن عزت حیدر یہ خاموشی اور یہ سکون زیادہ دیر برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ اسی لیے اس خاموشی کا حصار اس نے خود ہی توڑ ڈالا۔
"کوئی خاص بات۔۔۔؟" اس نے گردن موڑ کر مونس مرزا کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
"شاید ہاں۔۔۔" اس نے اثبات میں جواب دیا۔
"تو بات کریں۔ انتظار کس چیز کا ہے۔۔۔؟" اس نے کندھے اُچکائے۔
"میں آپ کے گھر پروپوزل بھیجنا چاہتا ہوں۔" مونس مرزا بات کو زیادہ دیر ڈھکا چھپا نہیں رکھ سکتا تھا کیونکہ یہ اس کی عادت نہیں تھی۔
"میں آپ کو اس بات کا جواب پہلے ہی دے چکی ہوں۔" عزت نے بھی کوئی لگی لپٹی نہیں رکھی تھی۔
"وہ ایک سرسری سی بات تھی اور اس وقت ہم راستے میں کھڑے تھے' نہ میں ٹھیک سے بات کرسکا اور نہ آپ۔۔۔" آج وہ پہلے سے کچھ سنجیدہ نظر آرہا تھا مگر عزت کو کیا فرق پڑتا تھا بھلا۔۔۔!
"یہ بھی ایک سرسری سی بات ہے' کیونکہ اس وقت بھی ہم راستے میں ہی ہیں۔ البتہ یہ اور بات ہے کہ آپ بے شک ٹھیک سے بات نہ کرسکیں' لیکن میں ضرور ٹھیک سے بات کرسکتی ہوں۔" وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔ اسے مونس مرزا کے ساتھ تنہا سفر کرتے ہوئے بھی کوئی ڈر خوف نہیں محسوس ہورہا تھا۔
"عزت۔۔۔! میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں اور نہ ہی یہ بات مذاق ہے کہ آپ اتنی غیر سنجیدگی سے لے رہی ہیں۔" مونس مرزا کی سنجیدگی بتا رہی تھی کہ وہ کتنا سنجیدہ ہے۔

"میں آپ کے ساتھ آگئی ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کی باتوں میں بھی آجاؤں گی۔" اس کی لاپروائی کا وہی عالم تھا اور مونس مرزا نے زچ ہوکر گاڑی اک طرف روک دی تھی۔
"دیکھیے مس عزت حیدر۔۔۔! آپ ٹھنڈے دل سے میری پیشکش پر غور کریں۔ آپ میں کچھ ایسی بات ہے کہ میں نے آپ کا انتخاب کیا ہے' ورنہ میں شادی کے جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ ویسے بھی آج کل شادی کے جھنجھٹ میں پڑنے کی سوچتا کون ہے۔"
مونس مرزا نے ڈیش بورڈ سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر اٹھاتے ہوئے کہا اور پھر بہت مزے سے ایک سگریٹ سلگالیا تھا جبکہ عزت اس کی بات سن کر اندر سے کھول اٹھی تھی۔
"اوہ تو یہ اصلیت ہے آپ کی۔۔۔؟" اس کا لہجہ طنزیہ ہوچکا تھا مونس مرزا اس کی بات پہ مسکرادیا۔
"کہتے ہیں کہ سب سے اپنی اصلیت چھپالو' مگر اس سے اپنا آپ مت چھپاؤ جس سے تم محبت کرتے ہو۔" اس نے سگریٹ کا کش لے کر کہتے ہوئے دھواں گاڑی کی فضا میں ہی چھوڑدیا تھا' البتہ اب کی بار عزت اس کی بات پہ مسکرادی تھی۔
"ہونہہ محبت۔۔۔ جانتے ہیں محبت کسے کہتے ہیں؟" عزت نے بڑی دلچسپی سے اس کے چہرے کی سمت دیکھا۔
"فی الحال میری نظر میں تو عزت کو ہی محبت کہتے ہیں۔" اس نے عزت سے بھی زیادہ دلچسپ انداز میں کہتے ہوئے براہ راست عزت کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔
"جو بات فی الحال ہوتی ہے' وہ عارضی ہوتی ہے' یعنی وقتی ہوتی ہے۔۔۔ اور وقتی چیزیں کبھی پائیدار نہیں ہوتیں۔ اس لیے آپ کا یہ فی الحال میری نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔۔۔" عزت کی لاپروائی اور انداز میں رتی برابر بھی فرق نہیں آیا تھا۔
"مائی ڈیر۔۔۔! آپ نے غور نہیں کیا۔۔۔ میں اس فی الحال کو ہی تو پائیدار کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔۔۔ اپنے اور آپ کے بیچ رشتہ استوار کرنا چاہ رہا ہوں۔۔۔ ایک پائیدار رشتہ۔۔۔ اور میری اس چاہ پہ تو آپ کو فخر کرنا چاہیے کہ میں نے یہ رشتہ آپ سے استوار کرنا چاہا ہے' ورنہ ہزاروں ایسی لڑکیاں پڑی ہیں جو میری صرف اک نظر کی منتظر ہیں۔۔۔ اور یہاں معاملہ یہ ہے کہ میں آپ کی اک نظر کا منتظر ہوں۔"
مونس مرزا کا لہجہ اور انداز بدل گیا تھا۔ وہ بڑے دلبرانہ انداز میں آچکا تھا۔
"اور میں کسی اور کی نظر کی منتظر ہوں۔" عزت کا لہجہ بھی دوٹوک لہجے میں بدل گیا تھا۔
"ہاہاہا۔۔۔ جو دنیا کی نظروں سے ڈرتا ہے۔" مونس مرزا نے مذاق اڑایا تھا اور عزت اس کے مذاق پہ بری طرح چونک گئی تھی۔
"کیا مطلب۔۔۔ کس کی بات کررہے ہیں آپ۔۔۔؟" اس نے فوراً استفسار کیا۔
"یہ آپ کو بہتر پتا ہوگا کہ دنیا کی نظروں سے کون ڈرتا ہے؟" اب وہ لاپروائی دکھا رہا تھا۔
"آپ سیدھی طرح بات کریں۔۔۔ پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہیں؟" وہ جھنجھلائی۔
"سیدھی طرح ہی تو بات کررہا ہوں' مگر آپ سمجھ ہی نہیں رہیں۔۔۔ آپ کو اب بھی ولید رحمان کے ہی پروپوزل کا انتظار ہے' حالانکہ وہ یہ پروپوزل کبھی بھی نہیں بھیجے گا۔" مونس مرزا نے بالآخر اس کی یہ الجھن بھی دور کردی تھی۔
عزت اس کی اس قدر جاسوسی پہ دانت کچکچا کے رہ گئی تھی۔ اسے اس کی بات ذرا اچھی نہیں لگی تھی۔
"وہ پروپوزل بھیجے گا یا نہیں۔۔۔ یہ میرا اور اس کا مسئلہ ہے۔ آپ کو اس کے لیے پریشان نہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" عزت نے اس کو اپنی حد میں رہنے کا اشارہ دیا تھا۔

”یہ آپ کا اور اس کا مسئلہ نہیں ہے۔۔۔ یہ میرا اور آپ کا بھی مسئلہ ہے اس قصے میں میں بھی انوالو ہوں۔ اس لیے میری پریشانی ایک لازمی امر ہے۔“

مونس مرزا بھی ڈھیٹ ابن ڈھیٹ تھا۔ اس کی سوئی بھی بس آج کل عزت کے نام پہ ہی اٹکی ہوئی تھی۔ شاید اس لیے کہ عزت کی ذات میں اسے اپنے لیے انکار کی جھلک نظر آئی تھی اور انکار کو اقرار میں بدل دینے کی ضد تو مرد کی فطرت میں ازل سے ہی چلی آرہی تھی۔ مونس مرزا کی یہ ضد کوئی نئی یا انوکھی ضد تو نہیں تھی۔

”لیکن میں آپ میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔“ اس نے سختی سے کہا۔

”جس میں آپ انٹرسٹڈ ہیں وہ آپ میں انٹرسٹڈ نہیں۔“ وہ ہنسا۔

”میں نے کہا ناں یہ میرا اور اس کا مسئلہ ہے۔“ عزت نے پھر زور دے کر کہا۔

”تو آپ اپنے اس مسئلے میں مجھے کیوں بھول رہی ہیں۔۔۔ میں صبر اور تحمل سے کام لے رہا ہوں ورنہ میں آپ سے زیادہ جنونی اور جذباتی ہوں۔“ مونس مرزا نے یکدم تیور بدل کر بات کی تھی۔

”آپ دھمکی دے رہے ہیں مجھے۔۔۔؟“ عزت نے اس کی سمت دیکھا۔ وہ بڑے سکون میں تھا۔

”یہی سمجھ لیں۔۔۔ اور یاد رکھیں! دھمکی وہی لوگ دیتے ہیں جو کچھ کر جانے کی طاقت رکھتے ہیں۔۔۔“

وہ اسے ایک بار پھر باتوں باتوں میں بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔

”ہوں۔۔۔ تھینک یو۔۔۔ مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ آپ مجھے یہاں کیوں لائے تھے؟“ عزت نے کہتے ہوئے دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ رکھ کے دروازہ کھولنا چاہا۔

”ابھی تو آپ کو صرف اندازہ ہوا ہے۔۔۔ اگر سچ مچ کچھ ہو گیا تو۔۔۔؟“

مونس مرزا کی اگلی بات پہ عزت دروازہ کھولتے کھولتے رک گئی تھی۔

”تو حاصل آپ کو بھی کچھ نہیں ہوگا۔“ عزت کا لہجہ سرد تھا۔

”جنون میں نفع و نقصان کا احساس پس پشت چلا جاتا ہے۔“ وہ اپنی طرف کا شیشہ نیچے کر کے سگریٹ کا ٹکڑا باہر اچھال چکا تھا۔

”ہوں۔۔۔ اچھی بات ہے۔“ عزت کہہ کر دروازہ کھول کے نیچے اتر آئی۔

”رکیے مس عزت حیدر۔۔۔ لنچ تو آپ نے کیا ہی نہیں۔“ مونس مرزا بھی گاڑی سے اتر آیا۔

”لنچ ولید رحمان کے ساتھ نہیں کر سکی تو آپ کے ساتھ بھی نہیں کروں گی۔۔۔ میں آپ کے ساتھ لنچ کرنے کی نیت سے نہیں آئی تھی۔“

عزت نے استہزائیہ سے لہجے میں کہا اور ٹیکسی کو اشارہ کیا۔

”مگر میں اپنا پروپوزل ضرور بھیجوں گا۔“ اس نے پیچھے سے آواز دی مگر عزت سنی ان سنی کرتے ہوئے ٹیکسی میں بیٹھی اور ہوا ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

شام ڈھل رہی تھی اور فضا میں اک جمود سا طاری تھا۔

قیام مرزا ماحول کی بیزاریت سے خائف ہو کر رضا حیدر کو لے کر گالف کلب چلے آئے تھے لیکن وہاں آکر انہیں پتا چلا کہ ویسی ہی بیزاری رضا حیدر کے مزاج پہ بھی طاری ہے۔ ان کا موڈ بھی کچھ ایسا ہی ہو رہا تھا۔ جس پہ انہیں خاصی تشویش ہوئی تھی کیونکہ رضا حیدر مسلسل چپ تھے۔۔۔ اور انداز حد درجہ پُرسوچ ہو رہا تھا۔۔۔

”مجھے لگتا ہے رضا! کہ میں نے تمہیں ساتھ لا کر غلطی کی ہے۔“

قیام مرزا نے ان کے ساتھ چلتے ہوئے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں۔۔۔ اظہار خیال کیا تھا اور صد افسوس کہ رضا حیدر ان کا یہ اظہار خیال بھی نہیں سن سکے تھے بلکہ ان کے سر کے اوپر سے گزر گیا تھا جس پہ قیام مرزا نے ایک بار پھر گردن موڑ کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

”رضا حیدر۔۔۔!“ اب کی بار انہوں نے ان کے کندھے کو ہاتھ سے تھپکا تھا۔

”ہوں۔۔۔! کہو۔“ وہ چونک کر متوجہ ہوئے۔

”میں کہہ رہا ہوں کہ میں نے تمہیں بلا کر غلطی کی ہے۔“ انہوں نے اپنی بات دہرائی۔

”ہاں۔۔۔ کہہ سکتے ہو۔۔۔“ رضا حیدر نے ان کی بات کی تردید کرنے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔

”کوئی ٹینشن ہے کیا؟“ قیام مرزا نے ایک دوست ہونے کے ناتے ان کی اس کیفیت اور۔۔۔ پریشانی کی وجہ جاننا چاہی تھی۔

”ٹینشن۔۔۔ بس اچانک ہی بن گئی ہے اور بنانے والا میرا بیٹا ہے۔“ رضا حیدر بہت ہی ضبط سے کام لے رہے تھے۔

”کیوں کیا ہو گیا ہے۔۔۔ بیٹے نے ایسا کیا کر دیا ہے۔۔۔؟“ قیام مرزا بڑے سکون میں تھے۔

”ایک مڈل کلاس لڑکی سے دل لگانے کا شوشا چھوڑ رکھا ہے اس نے۔۔۔؟“ رضا حیدر کی تلملاہٹ عود کر آئی تھی۔

”ارے۔۔۔! تو اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔۔۔ اس عمر میں ایسے شوشے تو ہر کوئی چھوڑتا ہے، کبھی تم نے بھی چھوڑا ہوگا۔“ قیام مرزا نے مذاق اڑایا۔

”صرف شوشا چھوڑتا تو مجھے کوئی پریشانی نہ ہوتی مگر یہاں یہ مسئلہ ہے کہ وہ اس لڑکی سے شادی کرنے پہ تُل گیا ہے۔۔۔ اور اسے اپنے آفس میں سیٹ بھی دے دی ہے۔ وہ اس کے پاس اس کی نظروں کے سامنے جاب کر رہی ہے۔ جبکہ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔ تیمور میری عمر بھر کی جمع پونجی ہے اور میں اپنی عمر بھر کی جمع پونجی کسی ایری غیری لڑکی کے دامن میں نہیں ڈال سکتا۔۔۔ میں اس کی دلہن اس کے شایان شان لانا چاہتا ہوں۔“

رضا حیدر کہتے کہتے حد درجہ جذباتی ہو گئے تھے اور قیام مرزا نے ان کے جذبات سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

”ہوں۔۔۔! کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو مگر اسے اس کی چاہت سے کیسے ہٹاؤ گے؟ وہ اگر اسے اتنا پسند کرتا ہے تو پھر آسانی سے اسے چھوڑے گا بھی نہیں۔“ قیام مرزا کو اندازہ ہو گیا تھا کہ معاملہ کچھ گمبھیر ہے۔

”یہی چیز تو مجھے سوچنے پہ مجبور کر رہی ہے کہ میں نے اب اس کا حل کیا نکالنا ہے۔۔۔؟“ رضا حیدر چلتے چلتے رک گئے تھے اور ایک گہری اور طویل سانس خارج کی تھی۔

”اس کا آسان حل یہ ہے کہ اس کے سامنے ایک اور لڑکی کا آپشن رکھ دو۔۔۔ اس کی شادی کا بکھیڑا ڈال دو۔۔۔“

”لیکن اس کام کے لیے کوئی لڑکی بھی تو ہو ناں۔۔۔؟“ رضا حیدر کو پہلا خیال یہی آیا تھا۔۔۔

”رضا حیدر! مجھے لگتا ہے کہ پریشانی اور ٹینشن نے تمہارے دماغ کا خانہ خالی کر دیا ہے۔۔۔ تیمور حیدر کو لڑکیوں کی کمی ہے کیا۔۔۔ میں نے یہاں آکر دیکھا ہے تمہارے بیٹے کا نام کئی محفلوں میں بڑی حسرت سے لیا جاتا ہے۔“

قیام مرزا نے جو بات نوٹ کی تھی وہ کہہ دی تھی۔

”مجھے پتا ہے۔۔۔ اور بہت اچھی طرح پتا ہے کہ ہائی سوسائٹی میں میرے بیٹے کی کیا ویلیو ہے۔۔۔ لیکن سوچ یہ رہا ہوں کہ لڑکی کون ہو۔۔۔ کیسی ہو۔۔۔ اور کس کی بیٹی ہو۔۔۔ کیونکہ یہاں تو ایک سے بڑھ کر ایک چہرہ ہے۔۔۔ اور ایک سے بڑھ کر ایک فیملی ہے۔۔۔ اس کام کے لیے بھی ذرا سوچ بچار سے کام لینا ہوگا۔“ رضا حیدر اپنی اگلی سوچ کا

اظہار کر رہے تھے۔

"ہاں۔۔۔! یہ تو ہے۔۔۔ مگر میرا خیال ہے کہ تمہارے حلقہ احباب میں تمام ہی فیملیز بہت اچھی ہیں۔۔۔ کسی بھی ایک فیملی کا انتخاب کرلو۔۔۔" ان کا مشورہ بڑا لاپروا سا تھا۔

"قیام۔۔۔! تم میری سوچ کو سمجھ نہیں سکو گے۔۔۔۔ میں دراصل یہ چاہتا ہوں کہ لڑکی اس کے ٹکر کی ہو۔۔۔ جیسی وہ چاہتا ہے' تاکہ اسے وہ پہلی والی یاد نہ رہے۔ وہ اس کا خیال بھی دل سے نکال دے۔۔۔"

رضا حیدر ماورا مرتضیٰ سے مل بھی چکے تھے۔ اسے دیکھ بھی چکے تھے اور اس سے بات بھی کر چکے تھے' اس لیے انہیں اندازہ تھا کہ وہ کیسی لڑکی ہے۔ اس لیے اس کی شخصیت کا اثر زائل کرنے کے لیے انہیں اس سے بھی بہترین لڑکی چاہیے تھی۔

"تو پھر۔۔۔۔ میرا کہا مانو گھر جاؤ۔۔۔ اور اپنے بیڈ روم میں سکون سے بیٹھ کر اس کے لیے کوئی ایسی لڑکی سوچو جو پہلی والی سے بہتر ہو۔۔۔۔ اگر پھر بھی سوچ میں نہ آئے تو کل صبح مجھے کال کرو۔۔۔ پھر مل کر یہ مسئلہ حل کریں گے۔" قیام مرزا نے ان کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے مشورے سے نوازا۔

جس پر رضا حیدر محض سرہلا کر رہ گئے تھے۔

"اور ہاں۔۔۔۔ تیمور حیدر کی زندگی سے اس پہلی والی کو ایک دم سے نکال دینے کی کوشش مت کرنا' ورنہ تمہارا اپنا بیٹا ہی تم سے بدظن اور متنفر ہو جائے گا اور تم اپنی جمع پونجی اپنے ہاتھوں لٹا بیٹھو گے۔" جاتے جاتے انہوں نے ایک اور بات سمجھا ڈالی تھی۔

"ہوں۔۔۔۔! جانتا ہوں۔۔۔۔ اسی لیے تو آفس سے چپ چاپ واپس چلا آیا۔۔۔۔ ورنہ اس لڑکی کو وہاں سے نکال کر ہی دم لیتا۔۔۔" رضا حیدر دانت پیس کر بولے تھے۔

"ہوں! ایسے معاملوں میں اسی طرح سیاست اور ذہانت سے کام لینا چاہیے۔" قیام مرزا نے انہیں سراہا تھا اور دونوں نے ایک ساتھ واپسی کے لیے قدم بڑھا دیے۔

☼ ☼ ☼

ولید بڑے شکستہ انداز میں گھر پہنچا تھا اور کسی سے بھی بات کیے بغیر چھت پر آکر لیٹ گیا تھا۔ زبیدہ بیگم' وحید اور ککو کو خاصی تشویش ہوئی تھی کہ اسے آخر کیا ہوا ہے کہ وہ آج خلاف معمول ان سب سے بات کیے بغیر ہی چھت پہ چلا گیا ہے' یہاں تک کہ کپڑے بھی چینج نہیں کیے۔

"امی۔۔۔۔! سب خیر تو ہے نا؟" ککو برآمدے سے اٹھ کر ماں کے پاس صحن میں آبیٹھی تھی۔

"خیر ہوتی تو کیا اس طرح ہوتا۔۔۔؟" زبیدہ بیگم بھی دل ہی دل میں پریشان ہو رہی تھیں۔

"تو آپ پوچھیں ناں۔۔۔؟" ککو ان سب سے چھوٹی تھی لیکن بھائی کو اس کیفیت میں دیکھ کر ان سب سے زیادہ فکر مند ہو رہی تھی۔

"نہیں۔۔۔ فوری پوچھنا اور کریدنا ٹھیک نہیں ہوتا' فی الحال اسے تھوڑا ریلیکس ہونے دو۔" انہوں نے بیٹی کو سمجھایا۔

"امی۔۔۔! ریلیکس ہونے کے لیے آدھا گھنٹہ کافی ہوتا ہے۔۔۔۔ اور انہیں چھت پہ گئے ہوئے آدھے گھنٹے سے زیادہ ہو چکا ہے۔" وہ الٹا انہیں سمجھا رہی تھی۔

"ہوں۔۔۔۔ یہ تو ہے۔۔۔۔ خیر' تم ایسا کرو چھت پہ جاؤ اور اس سے پوچھو کہ کھانا کھائے گا یا چائے چاہیے۔۔۔؟ اور یہ بھی کہو کہ شاور لے کر فریش ہو جائے۔۔۔۔ پھر بجلی چلی گئی تو تازہ پانی بھی نہیں ملے گا۔" وہ اسے ولید کے پاس جانے

اور بات کرنے کے بہانے سمجھا رہی تھیں۔

"لیکن امی۔۔۔! یہ سب کرنے سے اور کہنے سے کیا ہوگا۔۔۔؟" ککو نے سوال اٹھایا۔

"اف ککو۔۔۔ مجھے مزید تنگ مت کرو۔۔۔ یہ سب کہنے اور کرنے سے یہ ہوگا کہ اس کے موڈ کا پتہ چل جائے گا۔۔۔ کم ازکم یہ اندازہ تو ہوگا ناں کہ وہ غصے میں ہے۔ اداس ہے یا ویسے ہی پریشان ہے؟"

زبیدہ بیگم نے ککو کے سوال سے عاجز آکر جیسے سر پیٹ لیا تھا اور ککو ان کے موڈ سے گھبرا کے بے ساختہ کھڑی ہوگئی تھی۔

"اگر بھائی نے مجھے ڈانٹا ناں تو اچھا نہیں ہوگا۔۔۔ میں جارہی ہوں اوپر۔"

وہ خفگی سے ماں کو دھمکی دیتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی حالانکہ جانتی بھی تھی کہ ولید نے اسے آج تک نہیں ڈانٹا تھا۔

ولید سامنے چارپائی پہ چاروں شانے چت لیٹا آنکھوں پہ بازو رکھے نجانے سو رہا تھا یا سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ بہرحال ککو پھر بھی اس کے قریب چلی آئی تھی۔

"بھائی۔۔۔!" اس نے قریب آکر آہستگی سے پکارا۔

لیکن اپنی شکستگی کے شکنجے میں جکڑا ولید اس کی یہ آواز نہیں سن سکا تھا۔

"بھائی۔۔۔!" اب کی بار اس نے ولید کا پاؤں ہلایا تھا اور ولید نے یکدم چونکتے ہوئے چہرے سے بازو ہٹا دیا۔

"کیا بات ہے۔۔۔؟" ولید کا لہجہ بہت دھیما اور بوجھل محسوس ہو رہا تھا۔

"بات تو کچھ نہیں ہے۔ بس آپ سے پوچھنے آئی تھی کہ کھانا کھائیں گے یا چائے لیں گے؟" اس نے بڑی معصومیت سے بڑا سیدھا سا سوال کیا تھا۔

"کچھ نہیں لوں گا۔۔۔ کسی چیز کو دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"تو جس چیز کو دل چاہ رہا ہے' وہ بتادیں۔۔۔" ککو نے بنا سوچے سمجھے ہی اتنا بڑا سوال کر دیا تھا۔

"میرا خود کو گولی مار دینے کو دل چاہ رہا ہے۔۔۔ تو ایسی کیفیت میں کیا کروں۔۔۔؟" ولید انتہائی تلخی سے بولا۔۔۔ اور ککو نے یکدم تڑپ کر اپنے منہ پہ ہاتھ رکھ لیے تھے۔

"ہائے اللہ نہ کرے۔۔۔! آپ ایسا کیوں بول رہے ہیں۔۔۔؟ اللہ آپ کو ہماری بھی زندگی دے دے۔۔۔ آپ کے سوا ہمارا کون ہے بھلا؟" کہتے ہوئے ککو کا لہجہ روہانسا سا ہوگیا تھا اور ولید اس کی بھرائی ہوئی آواز اور بھری ہوئی آنکھیں دیکھ کر پگھل گیا تھا اور اسے بھی فوراً ہی اپنے الفاظ کی سختی کا احساس ہوگیا تھا۔

"سوری۔ میری گڑیا۔۔۔!"

وہ بے اختیار اٹھ کر بیٹھ گیا اور پھر اسے ہاتھ کے اشارے سے قریب آنے کو کہا تھا۔۔۔

"ادھر آؤ۔۔۔ میرے پاس بیٹھو۔" اس نے ککو کو چارپائی پہ اپنے قریب بیٹھنے کو کہا۔

"میں نہیں آؤں گی۔۔۔ آپ نے اتنی دل دکھانے والی بات کیوں کہی ہے۔۔۔ آپ کو پتا ہے ناں اگر امی نے سن لیا تو سن کر ہی مر جائیں گی۔" ککو کے آنسو بہہ نکلے تھے۔

"اف ککو۔۔۔! کیا کہہ رہا ہوں میں۔۔۔؟ ادھر آؤ۔۔۔ میرے پاس بیٹھو۔" ولید نے جان بوجھ کر مصنوعی خفگی کا اظہار کیا اور ککو اس کی خفگی سے خائف ہوتی اس کے قریب آکر بیٹھ گئی تھی۔

"پہلی بات تو یہ کہ تم سے کتنی بار کہا ہے کہ پاؤں پکڑ کر مت جگایا کرو۔۔۔ اس طرح اچھا نہیں لگتا۔۔۔ بازو یا کندھا ہلا دیا کرو۔۔۔" ولید کو ککو کی اس عادت پہ ہمیشہ یہی خفگی ہوتی تھی' وہ جب بھی کبھی جگانے کے لیے آتی تھی اس کا پاؤں ہلا کر ہی جگاتی تھی اور ولید اس کی اس حرکت پہ ہمیشہ ہی اسے ٹوکے بغیر نہیں رہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا

تھا کہ اس کی چھوٹی بہن اس کے پیروں کو ہاتھ لگائے۔

"سوری۔۔۔! عادت ہوگئی ہے۔" اس نے معصومیت سے منہ پھلا کر معذرت کی۔

"عادت کنٹرول کرنے کے لیے ہی تو کہتا ہوں۔۔۔" اس نے ککو کے سر پہ ہاتھ رکھ کے اس کے سر کو جان بوجھ کر جھنجھوڑنے والے انداز میں ہلایا تھا۔

"تو آپ بھی تو اپنی عادت کو کنٹرول کریں ناں۔۔۔؟ کیوں اس طرح چہرے پہ بازو رکھ کے پریشان سے انداز میں لیٹ جاتے ہیں۔۔۔؟ آپ کو دیکھ کر ہم تینوں کو طرح طرح کی فکریں ستانے لگتی ہیں۔" اس نے برملا شکوہ داغا۔

"کوئی وجہ ہوتی ہے تب ہی ایسا کرتا ہوں ناں۔۔۔؟ بے وجہ پریشان ہونے' اور بے وجہ چہرے پہ بازو رکھ کے لیٹنے کو تو کسی کا بھی دل نہیں چاہتا ناں۔۔۔؟ خیر ان باتوں کو چھوڑو۔۔۔ اچھی سی چائے پلاؤ' سر میں درد ہو رہا ہے۔"

"آپ کے سر میں درد ہو رہا ہے تو آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔۔۔؟ میں پہلے ہی چائے لے آتی۔" ککو کہہ کر فوراً" اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تم کون سا پہلے پوچھنے کے لیے آئی ہو۔" ولید بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے تو پتا ہی نہیں تھا۔۔۔ وہ تو امی نے مجھے بہانے سے بھیجا ہے۔" وہ کہتے کہتے آخر سچ بھی کہہ ہی گئی تھی اور ولید ایک زبردستی کی مسکراہٹ مسکراتا ہوا اس کے ساتھ ہی نیچے اتر آیا تھا۔۔۔ کیونکہ وہ اپنی وجہ سے اپنی ماں۔۔۔ اور اپنے بہن بھائیوں کو پریشان ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔۔۔ آخر اس قصے میں ان کا کیا قصور تھا بھلا؟

جو بھی ہوا تھا بس دل کی غلطی تھی۔

اپنی اوقات سے بڑھ کے پاؤں پھیلا بیٹھا تھا۔

بڑے لوگ تھے۔۔۔ بڑی باتیں تھیں اور بڑا غصہ تھا۔

ذرا سی بے رخی پہ کایا ہی پلٹ کے رکھ دیتے تھے۔ ایسے لوگوں سے دل لگانا تو اوکھلی میں سر دینے کے برابر تھا۔۔۔ لیکن افسوس کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اب وہ اس اوکھلی میں سر دے چکا تھا۔



"ہاں' اب بتاؤ' کیا ارادہ ہے تمہارا؟ آج تو سنڈے ہی ہے ناں۔۔۔؟" ماورا ابھی سو کر اٹھی بھی نہیں تھی کہ فارہ نے صبح صبح ہی فون کھڑکا دیا تھا۔

"اف فارا۔۔۔ تم ہوش میں تو ہو ناں۔۔۔؟ ابھی تو میں بستر سے بھی نہیں اٹھی۔" ماورا نے منہ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے جمائی کو روکا تھا۔

"ہاں"۔۔۔! میں ہوش میں ہوں۔۔۔ کیونکہ میں بستر سے کافی دیر ہوئی اٹھ چکی ہوں۔۔۔ اس لیے بہتر ہے کہ اب تم بھی ہوش و حواس میں آجاؤ اور بستر سے اٹھ جاؤ۔۔۔" فارہ تنک کر چمک کر بولی تھی۔

"اوہو۔۔۔ آج تو بڑی سینہ زوری کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔۔۔ کیا بات ہے؟ کوئی اچھا خواب دیکھا ہے یا کسی خواب کی تعبیر اچھی دیکھی ہے؟" ماورا اپنی کہنیوں پہ زور ڈالتے ہوئے اٹھ بیٹھی تھی اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگالی تھی۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ میں رات بھر سوئی ہی نہ ہوں۔۔۔؟"

"اچھا چھوڑو یہ بتاؤ کہ کیا پروگرام ہے تمہارا۔۔۔؟" ماورا نے ٹاپک ہی بدل دیا تھا۔

"میرا پروگرام تو یہی ہے کہ تم اپنی چھوٹی سی فیملی کے ساتھ آج کے دن کا لنچ اور ڈنر میرے گھر پہ ہی کرو۔ لیکن اس پروگرام کے حوالے سے تمہاری کیا رائے ہے؟ اس کے لیے منتظر ہوں؟"

فارہ اس کی پوری فیملی کو انوائٹ کر رہی تھی جو کہ محض تین افراد پہ مشتمل تھی اور اسے یہ بھی یقین تھا کہ وہ

افراد کے حصے کی اسے معذرت ہی موصول ہوگی۔ لیکن پھر بھی ایک موہوم سی امید کے تحت کہہ ہی دیا تھا۔

"اس پروگرام کے حوالے سے میری کیا رائے ہوگی کہ تم سے بہتر اور کوئی بھی نہیں جانتا۔۔۔ اس لیے تمہیں مجھ سے پوچھنے کی تو ضرورت ہی نہیں ہے۔ اگر تم چاہتی ہو کہ میں آؤں تو پھر صرف مجھے ہی انوائٹ کرو۔ بلی گل اور ای والا پروگرام کسی اچھے وقت کی امید پہ رہنے دو۔" ماورا نے کہا تھا اور فارہ پہلے سے ہی جانتی تھی اس لیے چپ ہوگئی تھی۔

"اوکے۔۔۔! تو پھر تم کب آ رہی ہو؟"

"تقریباً" بارہ بجے تک۔۔۔!" ماورا نے وال کلاک دیکھا جہاں آٹھ بج رہے تھے۔

"بارہ بجے نہیں۔ دس بجے۔" فارہ نے دس بجے کا ٹائم دیا۔

"دس بجے کیوں؟ اتنی جلدی کیا ہے آخر؟" اسے تعجب ہوا تھا۔

"میں تمہیں محض کھانا کھانے کے لیے نہیں بلا رہی۔ بلکہ کچھ دیر اپنے پاس بیٹھنے اور باتیں کرنے کے لیے بلا رہی ہوں۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ تم گھر سے ذرا جلدی نکلو۔"

فارہ لفظ چبا کر بولی تھی اور ماورا اس کے اس اصرار پہ سر جھٹک کر رہ گئی تھی۔

"اف! شادی کے بعد بھی اس لڑکی کی بے وقوفی اور بچپنے میں کوئی چینج نہیں آیا۔" ماورا نے تاسف سے کہتے ہوئے فون بند کر دیا تھا اور چادر ہٹا کر بستر سے اتر آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ بلی گل اور عافیہ بیگم کے صبر اور برداشت کا امتحان لیتی ٹھیک دس بجے گھر سے نکل آئی تھی حالانکہ اسے اندازہ تھا کہ دس بجے تو مارکیٹیں بمشکل کھلتی ہیں۔ لیکن پھر بھی اسے چانس لے لینا ہی بہتر لگا تھا۔

تب ہی اپنے سیل فون پہ ہونے والی وائبریشن کی طرف دیکھا۔ جہاں ابھی ابھی فارہ کا میسج موصول ہوا تھا۔

"کہاں ہو۔۔۔؟" میسج بھی مختصر ہی تھا۔

"راستے میں۔۔۔!" اس نے بھی میسج ٹائپ کیا۔

"گڈ۔۔۔ ویری گڈ۔۔۔ جیتی رہو۔" اگلا میسج موصول ہوا۔

"تھینکس۔۔۔!" ماورا لکھتے ہوئے مسکرائی۔

اور پھر مارکیٹ پہنچنے تک یہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پہ یونہی کھیلتی رہی تھی۔

وہ دل میں یہی سوچ رہی تھی کہ شاپنگ مال میں پہلا کسٹمر وہی ہوگی۔ لیکن نہیں۔ وہاں تو خاصی گہما گہمی نظر آ رہی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ اس جیسے سرپھرے اور بھی تھے۔ جن کو دیکھ کر وہ قدرے پرسکون ہوگئی تھی۔ بڑے اطمینان سے فارہ اور آفاق کے لیے گفٹس دیکھنے لگی۔ ابھی وہ اسٹینڈ پہ ہینگ کی ہوئی شرٹس میں سے ایک گرے کلر کی مردانہ قمیص نکال کر دیکھ رہی تھی کہ اچانک اپنے عقب سے ابھرنے والی آواز سن کر چونک گئی تھی۔

"ہوں۔۔۔! نائس۔۔۔ کلر اور آپ کی چوائس آؤٹ کلاس ہیں۔" تیمور حیدر کے لہجے اور انداز سے ہی لگ رہا تھا۔ اسے وہ شرٹ کتنی پسند آئی ہے۔ اور ماورا اس کی اتنی پسندیدگی دیکھ کر اک نظر دوبارہ شرٹ کی طرف دیکھنے پہ مجبور ہوگئی تھی۔

"کیا دیکھ رہی ہیں؟ دیکھیں مت۔۔۔ بس خرید لیں۔" تیمور نے بڑے دل سے اسے مشورہ دیا تھا۔ لیکن ماورا کو

اس کے مشورے پہ عمل کرنے سے پہلے سوچنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔

"میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ جس کے لیے میں یہ شرٹ لے رہی ہوں اس پہ یہ کلر اور یہ ڈیزائن سوٹ کرے گا یا نہیں؟" اس نے وجہ بتائی۔

"ہوں۔۔۔! واقعی یہ سوچنے کی بات ہے۔ اینی وے آپ اس کی پرسنالٹی کو "سامنے" رکھ کے خریدیں گی تو آسانی رہے گی۔" تیمور نے معنی خیزی سے کہا۔

"سامنے رکھ کے۔۔۔؟" ماورا نے بھی اس کے جملے کے زور کو فوراً "نوٹ کیا تھا۔

"سوری۔۔۔! مد نظر رکھ کے۔۔۔" تیمور فوراً "بات بدل گیا تھا اور دل ہی دل میں مسکرایا تھا جبکہ ماورا اس کے چہرے پہ نظر ڈالتے ہوئے چونکی تھی۔

وہ اسے دیکھنے میں کچھ بدلا ہوا سا لگا تھا۔

"کیا "مد نظر" اس طرح رکھتے ہیں؟" تیمور اس کے نظر بھر کے دیکھنے پہ بولا اور ماورا سر جھٹک کر رخ ہی موڑ گئی تھی۔ اسے اپنے آپ پہ خفگی ہوئی تھی۔

"پلیز۔۔۔! یہ بھی پیک کر دیں۔" اس نے وہی شرٹ سیلزمین کی طرف بڑھا دی تھی۔ اور خود ایک اور شرٹ چیک کرنے لگی۔

"کیا میری کچھ ہیلپ کر سکتی ہیں آپ؟" تیمور بھی اپنے لیے شرٹس پسند کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اس کا سارا دھیان ماورا کی طرف تھا اس لیے وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

"سوری۔۔۔! میں لیٹ ہو رہی ہوں۔" اس نے ٹالنا چاہا۔

"گھر پہ کچھ کام ہے؟" اس نے جان بوجھ کر گھر کا پوچھا۔

"نہیں۔۔۔! فارہ کے گھر سے۔۔۔" وہ بھی اپنی بے دھیانی میں بے ساختہ ہی کہہ گئی تھی۔ اور اپنی اس بے دھیانی اور بے ساختگی کا احساس اسے فوراً "ہو گیا تھا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا بھلا۔۔۔؟

"اوہ! تو آج آپ اپنی دوست کے گھر جا رہی ہیں؟ ہاہ! کتنی خوش قسمتی ہے ان کی؟" اس نے بڑے حسرت بھرے انداز میں کہا تھا۔

"کوئی اتنے شوق اور اتنی محبت سے انوائٹ کرے تو جانا تو پڑتا ہے نا؟" ماورا نے کاؤنٹر پہ رکھے اپنے تمام بیگز اٹھا لیے تھے۔

"سچ کہہ رہی ہیں؟" تیمور نے دہرا کے پوچھا اور ماورا اس کے دہرا کے پوچھنے کا مفہوم سمجھ گئی تھی۔

"جی ہاں۔۔۔!" وہ ذرا سنبھل کر بولی۔

"ویری گریٹ۔۔۔! لائیے یہ بیگز میں اٹھا لیتا ہوں۔ آپ نے بے شک میری ہیلپ نہیں کی۔ مگر میں آپ کی ہیلپ ضرور کروں گا۔" تیمور نے اس کے ہاتھ سے خود ہی تمام بیگز تھام لیے تھے۔ اور ماورا اس کی بات نظر انداز کرتی وہاں سے نکل آئی تھی۔

"میں آپ کو ڈراپ کر دوں؟" پارکنگ میں آکر تیمور کو نئی بات سوجھی۔

"آپ۔۔۔!" ماورا پہلے رکی، ٹھٹکی۔ اور پھر بے ساختہ ہی اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"اوکے۔۔۔!" اس نے کہتے ہوئے قدم تیمور کی گاڑی کی طرف بڑھا دیے تھے۔ اور وہ بے یقین سا اس کے پیچھے آتے ہوئے گاڑی کا لاک کھولنے لگا۔

اور آج پہلی بار اس کے ساتھ اس کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے ماورا کو کچھ عجیب سا لگا تھا۔ حالانکہ وہ پہلے بھی ایک دو بار اس کے ساتھ فیکٹری آئی اور گئی تھی لیکن اس طرح تنہا نہیں۔۔۔ تب ڈرائیور یا فاروقی صاحب

ساتھ ہوتے تھے۔ جبکہ آج تو صرف وہ دونوں ہی تھے۔

"فارہ نے کیوں انوائٹ کیا؟ کہیں اس کا برتھ ڈے وغیرہ تو نہیں ہے؟" تیمور کا اشارہ اس کے خریدے گئے گفٹس کی طرف تھا۔

"نہیں۔۔۔! وہ دراصل میں جب سے کراچی آئی ہوں نہ آج پہلی بار اس کے گھر جا رہی ہوں۔ اس لیے یہ سب۔" ماورا نے آخری جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"اوہ۔۔۔! یعنی جب پہلی بار کسی کے گھر جاتے ہیں تو خالی ہاتھ نہیں جاتے۔ یہ سب لے کر جانا پڑتا ہے؟" اس کا اشارہ پچھلی سیٹ پہ رکھے شاپنگ بیگز کی طرف تھا۔

"نہیں۔۔۔! ایسا بھی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سب صرف دو چیزوں پہ ڈیپنڈ کرتا ہے۔ ایک آپ کے تعلقات پہ اور دوسرے آپ کے طبقے پہ۔۔۔" ماورا نے اس کی بات کی نفی کی۔

"میں سمجھا نہیں۔۔۔؟" وہ گاڑی روڈ پہ ڈالتے ہوئے بولا۔

"میرا مطلب ہے کہ یہ سب آپ اسی کے لیے لے کر جاتے ہیں جس کے ساتھ آپ کے اچھے تعلقات ہوتے ہیں، جس کے ساتھ آپ کلوز ہوتے ہیں اور دوسرے یہ کہ یہ سب مڈل کلاس کے چونچلے ہیں۔ اپر کلاس میں یہ سب تکلفات نہیں پائے جاتے۔ اس لیے یہ سب صرف دو چیزوں تک محدود ہو کے رہ گیا ہے آپ کے تعلق اور طبقے تک۔۔۔" ماورا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہوں۔۔۔! تو یہ سب لے کر جانے کے لیے کسی کے ساتھ کلوز ہونا یا مڈل کلاس ہونا ضروری ہے؟" اس نے گردن موڑ کر ماورا کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔۔۔! کہہ سکتے ہیں۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

"تو پھر یہ بتایئے کہ میں بھی کسی کے لیے یہ سب لے کر جانا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟ کسی کے ساتھ کلوز ہو جانا چاہیے یا کسی کے لیے مڈل کلاس ہو جانا چاہیے؟" اس نے ماورا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کسی کے ساتھ کلوز ہونا اور اپنی کلاس بدلنا دونوں ہی انسان کے اختیار میں نہیں۔"

"کیسے بھلا۔۔۔؟" تیمور نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ضروری نہیں، آپ جس سے قریب ہونا چاہیں وہ آپ کو خود سے قریب ہونے کی اجازت دے اور جس کلاس میں آپ پیدا ہوئے ہیں، پرورش و تربیت ہوئی ہے۔ آپ کہیں بھی چلے جائیں۔ آپ وہی رہیں گے۔"

تیمور نے کندھے اچکاتے ہوئے سامنے ونڈ اسکرین پہ نظریں جما دیں۔

"کیا سوچ رہے ہیں؟" ماورا نے اسے چند منٹس متواتر خاموش دیکھ کر استفسار کیا۔

"یہی کہ مڈل کلاس میں کیسے شامل ہوا جائے؟" وہ اپنے لہجے کی شرارت دبا نہیں سکا تھا۔ اور اس کے اس شرارت بھرے لہجے پہ ماورا نے بے اختیار اس کے چہرے کی سمت دیکھا۔ اور اسے اب کی بار بھی وہ کچھ بدلا ہوا سا نظر آیا تھا۔

جبکہ تیمور ونڈ اسکرین کی طرف متوجہ ہونے کے باوجود اس کی نظروں کی محویت نوٹ کر چکا تھا۔

"میری لک چینج لگ رہی ہے نا؟" اس نے ماورا کی طرف دیکھے بغیر سوال کیا۔ اور ماورا اس کے سوال پر گڑبڑا گئی تھی۔

"اور کچھ نہیں کیا۔ بس کٹنگ کروا کے آیا ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" تیمور اس کی نظروں کی محویت اور پھر اس کے یکدم گڑبڑا کر خجل ہونے پہ اچھا خاصا لطف اندوز ہوا تھا۔ اسی لیے اس کا موڈ شرارت پہ آمادہ ہو رہا تھا۔

"ویسے کیسا لگ رہا ہوں؟" اس نے اپنے چہرے کا رخ ماورا کی سمت موڑا۔

"آئینہ نہیں دیکھا۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔! جلدی میں تھا۔" وہ مزے سے بولا۔

"لیکن ہیر سیلون کی تو ہر دیوار پر فکس آئینے ہوتے ہیں۔ جلدی میں بھی دیکھ لیے جاتے ہیں۔"

"لیکن جو آئینہ میں دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ وہاں نہیں تھا۔" اس کا لہجہ ذو معنی ہوا۔

"تو اب گھر جا کر دیکھ لیجئے گا۔" ماورا نے لاپروائی دکھائی۔

"اب گھر جا کر دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ آئینہ میں نے راستے میں ہی دیکھ لیا ہے اور مجھے نظر آ رہا ہے کہ میں اچھا لگ رہا ہوں۔" آخر میں وہ مسکرا اٹھا تھا۔

"اور کتنی دیر ہے فارہ کے گھر پہنچنے میں؟" وہ بات ہی بدل گئی تھی۔

"لیجئے۔۔۔ پہنچ گئے فارہ کے گھر۔" اگلے چند سیکنڈ میں تیمور نے اسپیڈ کم کرتے ہوئے گاڑی سیدھی آفاق یزدانی کے گھر کے گیٹ کے سامنے روک دی تھی۔

"تھینک یو۔۔۔!" ماورا مزید کچھ کہے بغیر گاڑی کا دروازہ کھول کر اتر گئی۔ تیمور بھی تیزی سے نیچے اتر آیا تھا اور پچھلا دروازہ کھول کر اس کے شاپنگ بیگ نکال کر اس کو تھمائے تھے۔

"تھینک یو۔۔۔!" تیمور نے بھی شکریہ ادا کیا۔

"فار واٹ۔۔۔؟" وہ ٹھہری۔

"یہ نہیں بتا سکتا۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔ اور ماورا اس کے جواب پہ چپ سی ہو گئی۔

"اوکے۔۔۔! میں چلتا ہوں۔ بائے۔ کل آفس میں ملاقات ہو گی۔" وہ کہہ کر پلٹ گیا تھا۔ دوسری سائیڈ سے جا کر ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھ گیا اور ابھی گاڑی اسٹارٹ کر ہی رہا تھا کہ ماورا پھر گاڑی کے قریب آ گئی تھی۔ تیمور نے تیزی سے فرنٹ سیٹ کا شیشہ نیچے کیا۔

"یہ آپ کے لیے۔۔۔!" اس نے ایک بیگ سیٹ پہ رکھ دیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" تیمور کو خیال ہی نہ رہا۔

"گفٹ۔۔۔!" اس کا جواب یک لفظی تھا۔

"مگر کس لیے۔۔۔؟" تیمور نا سمجھی سے بولا۔

"یہ نہیں بتا سکتی۔" اس نے تیمور کے الفاظ اسے لوٹا دیے تھے۔

"یعنی مجھے خود ہی سمجھ جانا چاہیے۔" وہ بے انتہا خوش ہوا تھا۔

"خدا حافظ!" وہ کہہ کر پلٹ گئی تھی۔

اور تیمور نے وہی گرے شرٹ اپنے لیے دیکھتے ہوئے بے اختیار بڑی سرشاری سے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے آگے بڑھا دی تھی آج اس کا اتوار بہت خوب صورت ثابت ہوا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نبیلہ عزیز



ماورا مرتضیٰ ٬عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

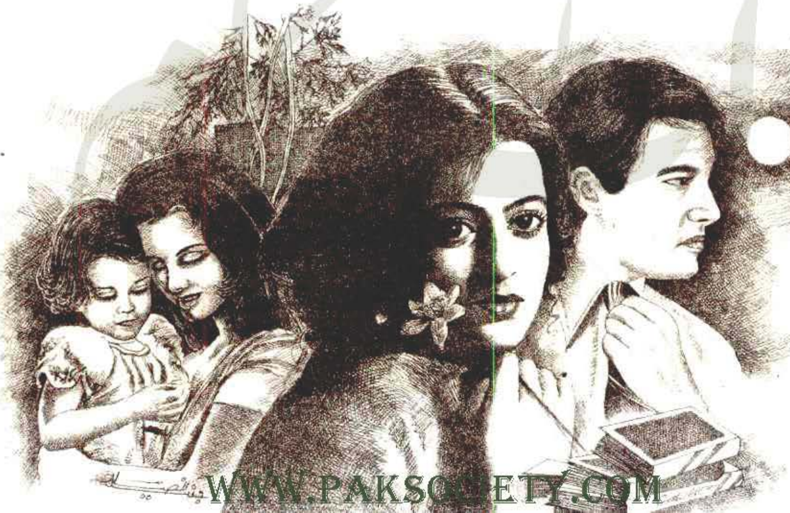
فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایر پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً ”ساشا کو جانا پڑتا ہے۔ وہ آفاق کی بدتہذیبی پر خفا ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

منزہ ٬ثمینہ اور نیرہ کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شان دار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹینس حائل نہیں ہے۔ نیرہ کے بیٹے سے فارہ کی بہن حمنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید انجان بن جاتا ہے۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق یزدانی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثمینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔

اشتیاق یزدانی ٬آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ عزت ٬تیمور کے موبائل سے ولید کا نمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس





کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ رضا حیدر، تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی تاریخ میں ماورا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ ماورا، عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہوجاتی ہے۔ عزت اپنے دل کی کیفیات ساشا سے بیان کردیتی ہے۔ ماورا بی گل کو بتاتی ہے کہ وہ رضا حیدر کے بیٹے تیمور حیدر سے ملی ہے۔ بی گل دم بخود رہ جاتی ہیں۔

شادی میں تیمور حیدر، ماورا کے قریب آنے کی کافی کوشش کرتا ہے مگر ماورا کا سخت اور کھردرا رویہ ہربار اسے ناکام کردیتا۔ تیمور، ماورا سے رضا حیدر کو ملواتا ہے۔ رضا حیدر اسے دیکھ کر چونک جاتے ہیں مگر باوجود کوشش کہ وہ سمجھ نہیں پاتے۔ فارہ کی ہی شادی میں عزت کی ملاقات قیام مرزا کے بیٹے مونس مرزا سے ہوتی ہے۔ وہ سخت بیزار ہوتی ہے جبکہ مونس خوب دلچسپی لیتا ہے۔

آفاق آدھی رات کو غائب ہوجاتا ہے۔ فارہ پریشان ہوتی ہے۔ وہ صبح آکر بتاتا ہے کہ اس کے دوست کے ساتھ کوئی ایمرجنسی ہوگئی تھی۔ اس لیے اس کے آرام کا خیال کرتے ہوئے وہ بغیر بتائے چلا گیا تھا۔ مگر فارہ اس کی بات پہ یقین نہیں کرتی۔ تیمور، فارہ کے ذریعے ماورا کو اپنے آفس میں ایک شاندار پیکج پر جاب کی پیشکش کرتا ہے جسے ماورا کافی حیل حجت کرنے کے بعد قبول کرلیتی ہے۔

—۱۵—
پندرہویں قسط

وہ ابھی ڈور بیل پہ ہاتھ رکھنے ہی والی تھی کہ چوکیدار نے یک دم خود ہی گیٹ کھول دیا تھا۔

"آیئے میڈم! چھوٹی بیگم صاحبہ آپ کا ہی انتظار کررہی ہیں۔" چوکیدار نے انتہائی احترام سے کہتے ہوئے اسے اندر آنے کی دعوت دی تھی۔

گیٹ کے اندر داخل ہوئی تھی، لیکن سامنے ہی انتہائی آف موڈ کے ساتھ ٹہلتی فارہ کو دیکھ کر اس کے قدم ٹھٹک گئے تھے۔

اور وہ فوراً" سے پیشتر سمجھ گئی تھی کہ اس کا موڈ کیوں آف ہے؟ اسی لیے قدم آگے بڑھا دیے تھے۔

"السلام علیکم!" اس نے قریب آکر سلام کیا۔ لیکن فارہ نے فوراً" کوئی جواب نہیں دیا۔

"کیسی ہو؟" اس نے جواب نہ ملنے کے باوجود اگلا سوال کردیا۔ مگر ریپانس ندارد۔

"اوکے۔ مت جواب دو، میں باقی گھر والوں سے مل لیتی ہوں۔"

ماورا کندھے اچکا کر لاپروائی سے کہتے ہوئے اس کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ گئی اور اسے یوں لاپروائی سے اندر جاتے دیکھ کر فارہ تلملا کر پاؤں پٹختی ہوئی اس کے پیچھے چلی آئی تھی۔

"اب بھی نہ آتیں۔" ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی فارہ پھٹ پڑی تھی۔

"مجبوری تھی۔ وعدہ کر بیٹھی تھی۔" ماورا بے چارگی سے کہتے ہوئے شاپنگ بیگز صوفے پہ رکھنے لگی، جبکہ فارہ کی تلملاہٹ میں اور بھی اضافہ ہوا تھا۔

"اچھا۔ تو تم مجبور بھی ہوتی ہو؟" فارہ نے ایک کھلا طنز کیا۔

"ہاں۔ کبھی کبھی۔" وہ سکون سے کہتے ہوئے خود بھی صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔

"کبھی کبھی کیوں۔ وہ بھی نہ ہوا کرو۔" فارہ نے دانت پیسے تھے۔

"میرے بس میں ہو تو یہ بھی نہ ہو۔ لیکن کیا کروں؟ کبھی کبھی مجبور ہونا بھی ایک مجبوری ہے۔ بندہ نہ بھی چاہے تب بھی ہونا پڑتا ہے۔" اس کی لاپروائی ہنوز تھی۔

"کیوں ہونا پڑتا ہے؟"

"کیونکہ کچھ لوگوں کے ساتھ رشتہ ہی کچھ ایسا بن جاتا ہے کہ انسان ان کی خاطر نہ چاہتے ہوئے بھی مجبور ہو جاتا ہے۔ نہیں، نہیں کرنے کے باوجود۔" ماورا کا لہجہ بے ساختہ ہی سنجیدگی کے دائرے میں چلا گیا تھا اور فارہ کچھ اور ہی سمجھ بیٹھی تھی۔

"اور تمہارے ان "کچھ لوگوں" میں کون کون شمار ہوتا ہے۔" اس کا سوال اور انداز خاصا معنی خیز تھا۔

"میرے ان "کچھ لوگوں" میں صرف دو انسان ہی شمار ہوتے ہیں۔" ماورا نے اس کے سوال اور اس کے انداز کا کچھ خاص نوٹس نہیں لیا تھا' اسی لیے اس کا جواب لاپروائی لیے ہوئے تھا۔

"کون دو انسان۔" فارہ نجانے کیا سننا چاہتی تھی اور کیا امید لگا بیٹھی تھی۔

"تم اور پی گل۔۔۔" اس کا جواب دوٹوک اور مختصر سا تھا۔ جبکہ فارہ سن کر حیران رہ گئی تھی' کیونکہ اسے اس جواب کی توقع جو نہیں تھی۔

"میں اور پی گل۔۔۔" اس نے حیرانی سے دہرایا۔

"کیوں۔۔۔ اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے بھلا۔" ماورا نے تعجب کا اظہار کیا۔

"میں تو کچھ اور سمجھی تھی۔" فارہ نے معصومیت سے کہا۔

"کچھ اور۔۔۔ مطلب۔۔۔" ماورا نے چونک کر اس کے چہرے کی سمت دیکھا اور پھر ساری بات خود بخود ہی سمجھ گئی تھی۔

"ہونہہ۔۔۔! خوش فہمی بھی بس کبھی کبھی ہی اچھی ہوتی ہے۔ مائی ڈیر فارہ آفاق!"

"لیکن ماورا۔۔۔! میں نے ابھی ابھی خود تمہیں ان کے ساتھ آتے دیکھا ہے اور وہ بھی اتنے اچھے موڈ میں۔۔۔ میری خوش فہمی تو اک لازمی امر ہے۔" فارہ نے خوش فہمی کا جواز پیش کیا۔

"اس کے ساتھ آنا میری مجبوری نہیں تھی۔ میری اپنی مرضی تھی۔ ورنہ میں انکار بھی کر سکتی تھی اور تمہیں نہیں پتا شاید۔۔۔ اس کے ساتھ ایک ایک قدم اٹھاتے ہوئے میں اپنا فائدہ سوچتی ہوں۔ اپنا مطلب سوچتی ہوں۔ اپنا مفاد سوچتی ہوں۔"

ماورا نے بڑے بے دھڑک انداز میں اپنی مفاد پرستی کا اعلان کیا تھا۔

اور اس کے اس اعلان پہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے تیمور حیدر کی ساری خوشی اور ساری خوش فہمی وہیں کی وہیں ملیامیٹ ہو گئی تھی اور وہ پتھر کا ہو کے رہ گیا تھا۔ کیونکہ وہ فارہ کی بات بھی سن چکا تھا اور ماورا کی بھی۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے ماورا' مگر احساس بھی تو کوئی چیز ہے۔۔۔ کسی کے ساتھ رہتے ہوئے ہمیشہ مفاد ہی تو نہیں دیکھا جاتا۔۔۔ بلکہ کبھی کبھی تو مفاد بہت پیچھے رہ۔۔۔"

بات کرتے کرتے اچانک فارہ کی نظر ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے کی سمت اٹھی اور اس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

کیونکہ ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے میں تیمور حیدر کی موجودگی اور اس کے چہرے کے تاثرات کی سنجیدگی بتا رہی تھی کہ بات کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی ہے۔

"تیمور بھائی۔۔۔ آ۔۔۔ آپ!" فارہ کے لفظ بے ربط سے ہو گئے تھے۔ وہ اپنے آپ کو سنبھال نہیں پائی تھی' جبکہ اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ اور اس کی متغیر رنگت پہ ماورا نے بھی یک دم چونک کر گردن موڑ کر دیکھا تھا اور تیمور حیدر کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر اس کے اپنے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا تھا۔

"سوری۔۔۔ آپ کا یہ بیگ گاڑی میں ہی رہ گیا تھا۔" تیمور بڑی مشکل سے اپنے تاثرات اور اپنے اعصاب، کنٹرول کرتے ہوئے دو قدم آگے بڑھا اور ہاتھ میں پکڑا شاپنگ بیگ ماورا کے سامنے والی ٹیبل پہ رکھ کے پلٹا اور یک دم ڈرائنگ روم سے نکلتا چلا گیا تھا۔

"تیمور بھائی پلیز۔۔۔ رکیں۔" فارہ یک دم حواسوں میں آتے ہی اس کے پیچھے لپکی۔ "پلیز تیمور بھائی۔۔۔ میری بات تو سنیں۔۔۔ پلیز۔" فارہ کے پکارنے کے باوجود وہ رکا نہیں تھا اور وہاں سے ذہنی انتشار لیے گاڑی نکال لے گیا تھا۔

اور فارہ مایوس اور پریشان سی بے دلی سے قدم اٹھاتی واپس اندر آگئی تھی جہاں ماورا بھی پریشان اور خاموش بیٹھی نظر آ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" ماورا نے فارہ کو اندر آتے دیکھ کر پوچھا۔

"وہ نہیں رکے ماورا۔۔۔ وہ چلے گئے۔" فارہ کا پریشانی کے مارے برا حال تھا۔

"ہوں۔۔۔ یعنی اس نے ہماری باتیں سن لی ہیں۔" ماورا کا لہجہ پرسوچ سا تھا۔

"ہاں۔۔۔ انہوں نے ہماری باتیں سن لی ہیں۔ لیکن یہ اچھا نہیں ہوا ماورا۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ کیا سوچ رہے ہوں گے۔" فارہ کو اپنی طرف سے بھی ٹینشن ہو رہی تھی کیونکہ تیمور اس کا بہت اچھا کزن تھا اور وہ اسی کے حوالے سے اپنی دوست کے ساتھ مل کر ایسی باتیں کر رہی تھی جن کو سن کر یقیناً" تیمور کو صدمہ تو ہوا ہی ہو گا۔

"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ جو کچھ بھی سوچے گا۔۔۔ میرے بارے میں ہی سوچے گا۔۔۔ اسے تمہارے بارے میں سوچنے کی فرصت نہیں ملے گی۔"

ماورا نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی، مگر یہ اتنی چھوٹی سی بات بھی نہیں تھی کہ اتنی جلدی ذہن سے اتر جاتی۔ کیونکہ بے شک ماورا ظاہر نہ کرتی، مگر ٹینشن تو اسے بھی ہو چکی تھی کہ اب کیا ہو گا۔

اور تیمور حیدر کیسا ری ایکشن دے گا۔

اور اس کے اسی ممکنہ ری ایکشن کے بارے میں سوچتے سوچتے سارا ٹائم گزر گیا تھا۔ فارہ کی ساری خوشی غارت ہو چکی تھی کیونکہ وہ دونوں ہی ذہنی طور پر ڈسٹرب ہو چکی تھیں۔



اس کی گاڑی اک جھٹکے سے آ کر اپنے گھر کی ڈرائیووے پہ رکی تھی۔

اور وہ فرنٹ سیٹ پہ رکھا ماورا مرتضیٰ کا دیا ہوا گفٹ اٹھا کر گاڑی سے نیچے اتر آیا تھا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ اندر سیڑھیوں تک پہنچا ہی تھا کہ رابعہ بیگم نے پکار لیا۔

"کہاں چلے گئے تھے تم۔۔۔" تمہارے پاپا ناشتے پہ تمہارا انتظار کر کر کے چلے گئے۔۔۔ فون بھی تم گھر پہ ہی چھوڑ گئے تھے۔ رابعہ بیگم کہتے ہوئے قریب آگئی تھیں۔

"سوری! ایک کام سے چلا گیا تھا۔" وہ مختصراً" کہہ کر ان کی طرف دیکھے بغیر اوپر اپنے بیڈ روم میں آگیا تھا اور آتے ہی اس نے ہاتھوں میں پکڑا ماورا کا وہ گفٹ انتہائی زور سے سامنے دیوار پہ دے مارا تھا۔

"مفاد۔۔۔" وہ یک دم زوردار آواز سے بڑبڑایا تھا۔ "وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ میرے ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے۔۔۔ اپنا فائدہ سوچتی ہے۔۔۔ اپنا مطلب سوچتی ہے۔۔۔ اپنا مفاد سوچتی ہے۔ اس سے آگے اور کچھ بھی نہیں۔۔۔ یعنی۔۔۔ میں۔۔۔ میری محبت۔۔۔ میرے جذبات۔۔۔ کو کچھ بھی معنی نہیں رکھتے؟ میں۔۔۔ میں۔۔۔ جو اندھوں کی طرح۔۔۔ بے وقوفوں

کی طرح۔۔۔ اور پاگلوں کی طرح ہر اونچ نیچ سے بے نیاز ہو کر صرف اس کی چاہ اور صرف اس کی محبت میں دیوانہ ہوا پھر رہا ہوں تو کس لیے؟ بے کار میں۔۔۔ فضول میں۔۔۔ اپنے مطلب۔۔۔ اپنے مفاد۔۔۔ اور اپنے فائدے میں اسے میری محبت۔۔۔ میرے جذبات اور میرے احساسات بھی نظر نہیں آتے۔ کیا اسے میں بھی نظر نہیں آتا۔ حالانکہ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ جانتی بھی ہے کہ میں۔۔۔ میں تیمور حیدر اس سے محبت کرتا ہوں۔۔۔ پھر بھی۔۔۔ پھر بھی۔۔۔ وہ ایسی باتیں کررہی تھی۔" تیمور بیڈ پہ بیٹھا اپنا سر دونوں ہاتھوں میں جکڑے یہی سب کچھ سوچے جارہا تھا۔

"خوش فہمی بھی بس کبھی کبھی ہی اچھی ہوتی ہے۔ مائی ڈیر فارہ آفاق۔۔۔ اس کے ساتھ آنا میری مجبوری نہیں تھی۔ میری اپنی مرضی تھی۔ ورنہ میں انکار بھی کرسکتی تھی۔"

ماورا کی لاپروا سی باتیں اب بھی اس کے دماغ میں گونج رہی تھیں اور وہ لحہ بہ لحہ بے چین ہوتا جارہا تھا۔ اس کے اندر ہول اٹھ رہے تھے۔ ماورا کی باتیں اس کے دماغ پہ ہتھوڑے برسا رہی تھیں۔۔۔ فائدہ۔۔۔ مطلب۔۔۔ مفاد۔۔۔ یہ تین لفظ تھے جو اس کے ذہن سے چپک کے رہ گئے تھے۔

"کیسا فائدہ۔۔۔ کیسا مطلب۔۔۔ اور۔۔۔ اور کیسا مفاد۔۔۔؟ کیا سوچتی ہے وہ۔۔۔ آخر کیا ارادہ ہے اس کا۔" یہ ایک آخری سوچ تھی جس پہ آکر تیمور کا ابلتا ہوا دماغ یک دم رک گیا تھا۔

یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ آخر ایسا کیوں سوچتی ہے؟ کیا مطلب اور کیا مفاد ہے اس کا؟ کیا ارادہ اور کیا مقصد ہے اس کے اندر۔

"ہوں۔۔۔ تو اب مجھے یہ جاننا چاہیے کہ وجہ کیا ہے؟" اس نے سوچتے ہوئے اک گہری سانس خارج کی تھی اور پھر اپنے تنے ہوئے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے یک دم اٹھ کھڑا ہوا تھا اور شاور لینے کی غرض سے باتھ روم کا رخ کیا تھا۔



"دیکھو ولید۔۔۔ اس رپورٹ کو رہنے دو۔ اس سے تمہیں نقصان ہوگا۔" ولید کے ایک کولیگ ضمیر انصاری نے ولید کی ایک انتہائی اہم رپورٹ پہ اس کی سرگرمی دیکھتے ہوئے اسے ایک مخلصانہ مشورہ دیا تھا۔

اور ولید نے چونک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ "یہ تم کہہ رہے ہو؟ ایک جرنلسٹ ہو کر یہ مشورہ دے رہے ہو۔" ولید کے چہرے پہ تعجب تھا۔

"ہاں۔۔۔ ایک جرنلسٹ ہوں' اسی لیے تو یہ مشورہ دے رہا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سینئر ہوں اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس فیلڈ میں کیا' کیا نقصانات اٹھانا پڑتے ہیں۔ جبکہ تم ابھی نئے ہو' اس لیے تمہیں یہ سب مہنگا پڑ سکتا ہے اور میں نہیں چاہتا' تم کسی مشکل میں پھنسو۔"

ضمیر انصاری ان کے چینل کا ایک بہت ہی اچھا اور ایمان دار صحافی تھا اور اس کا اسی چینل پہ ایک ٹاک شو بھی آتا تھا جس کی اچھی خاصی دھوم تھی۔ کیونکہ وہ کافی منہ پھٹ صحافی تھا اور اس وقت وہی منہ پھٹ صحافی اسے چپ رہنے کا مشورہ دے رہا تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ میں اس فیلڈ میں نیا ہوں۔ لیکن اس فیلڈ میں پرانا ہونے کے لیے ہی تو یہ سب کر رہا ہوں۔" ولید قدرے لاپروا سا ہو رہا تھا۔

"کرو۔۔۔ ضرور۔۔۔ مگر تب۔۔۔ جب تم سارے داؤ پیچ جان جاؤ۔۔۔ ابھی صرف گزارا کرو۔۔۔ تاکہ تمہاری ذات پہ برے اثرات نہ پڑیں۔۔۔ ورنہ کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہو گے۔" ضمیر انصاری نے اس کا کندھا تھپکا۔

"کیوں۔۔۔ ضمیر! کیوں۔۔۔ اگر ہم بھی ڈر کے پیچھے ہٹ جائیں گے تو معصوم لوگوں کا دفاع کون کرے گا؟ عوام کی آنکھوں پہ بندھی پٹی کون ہٹائے گا۔ یہ بڑے بڑے محلوں میں بیٹھے چہرے بے نقاب کیسے ہوں گے؟" ولید تڑپ گیا تھا۔

"دیکھو ولید۔۔۔! تمہاری اس ایک رپورٹ سے اور کچھ ہو یا نہ ہو' لیکن تم پہ گرفت ضرور ہو جائے گی اور تمہیں میرا یہ مشورہ بھی ضرور یاد آئے گا۔"

"تو کیا کروں؟ چھوڑ دوں یہ سب کچھ۔" ولید تلخ ہونے لگا۔ اس کے اندر کا انتشار اب باہر آنے لگا تھا۔ جس کو وہ ضبط بھی نہیں کر پا رہا تھا۔

"میں نے کہا نا۔۔۔ مت چھوڑو۔۔۔ کرو۔۔۔ ضرور کرو۔۔۔ مگر فی الحال مت کرو۔۔۔ ابھی اپنے پیر جماؤ۔" ضمیر انصاری اسے ہر طریقے سے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ولید رحمان باز آنے والا نہیں ہے۔

"اور میرے پیر جمانے تک وہ اپنا پنجہ جما جائے گا۔۔۔ ہونہہ۔۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔ میں اس کے عزائم پہلے سے ہی منظر عام پہ لے آنا چاہتا ہوں۔" ولید نے اپنی ضد پہ ڈٹے رہنے کا اعلان کیا تھا اور ضمیر انصاری کندھے اچکاتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"میں جانتا ہوں نئے لوگوں کا خون اسی طرح گرم ہوتا ہے۔ اینی وے۔۔۔ از یو وش۔۔۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔۔۔ بیسٹ آف لک۔"

ضمیر انصاری اسے اس کے حال پہ چھوڑتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور ولید سر ہلا کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔



عزت ڈرائنگ روم میں بیٹھے بیٹھے بور ہو رہی تھی کہ یوں ہی ڈھیلے ڈھالے انداز میں اٹھ کر ٹی وی لاؤنج میں

آگئی تھی اور ٹیبل پر پڑا ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر دیا تھا۔
نو بجے کا ٹائم ہو رہا تھا' مختلف چینلز پہ ڈرامے تقریباً" اختتام کو پہنچ رہے تھے اور نیوز چینلز پہ ہیڈ لائنز آنا شروع ہو گئی تھیں۔
جن کو وہ کافی بوریت سے دیکھ رہی تھی اور ابھی وہ چینل بدلنے ہی والی تھی کہ سامنے ہی نیوز بریک کے دوران ولید رحمان کے پروگرام کا پرومو آنا شروع ہو گیا۔
"ایک سچ' ایک شام۔ اینکر پرسن ولید رحمان۔۔۔ عزت اس کی تصویر اور اس کا نام دیکھ کر حیرت زدہ سی بس دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔
"کیا دیکھ رہی ہو؟ کوئی اسپیشل نیوز ہے کیا۔" تیمور سیڑھیوں کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گیا۔
اور عزت تیمور کی آواز پہ چونک گئی تھی۔ اس نے تیمور کو حیران کن نظروں سے دیکھا تھا۔
"ارے۔۔۔ کیا بات ہے تم اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو۔" تیمور کو اب کی بار اچھی خاصی تشویش ہوئی تھی۔
"آپ بیٹھیں۔۔۔ آپ خود دیکھ لیجئے گا۔" اس نے تیمور کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔
"مگر کچھ بتاؤ تو سہی؟" تیمور الجھن کا شکار ہو رہا تھا۔
"یہ بتانے کی نہیں دیکھنے کی چیز ہے' بس چند منٹ ویٹ کریں' نیوز ختم ہو رہی ہیں۔" عزت نے اسے انتظار کرنے کو کہا تھا اور تیمور تحمل سے کام لیتے ہوئے خاموش ہو کر بیٹھ گیا تھا۔
لیکن جیسے ہی نیوز بلیٹن ختم ہونے کے بعد ایک سچ ایک شام پروگرام آن ایر ہوا۔ تیمور صوفے پہ بیٹھے بیٹھے اچھل پڑا تھا۔
"واٹ۔۔۔ ولید لائیو شو کر رہا ہے۔" تیمور کو پتا تھا کہ نیوز چینلز پہ آج کل کتنے کڑوے سچ آن ایر آرہے ہیں اور ان کے نتائج کیا نکلتے ہیں' یہ بھی اسے اچھی طرح معلوم تھا۔
"او مائی گاڈ۔۔۔ یہ کیا پاگل پن ہے۔ یہ کیوں اپنا اور اپنے گھر والوں کا دشمن بنا ہوا ہے" تیمور نے اپنا سر تھام لیا تھا۔
"ولید رحمٰن آپ کا دوست ہے۔۔۔ تو کیا آپ کو نہیں پتا کہ وہ آج کل کیا کر رہا ہے؟" عزت نے تیمور کے رد عمل پر الٹا تیمور کو حیرت اور تعجب کا نشانہ بنایا تھا۔
"مجھے کسی کا پتا نہیں ہے کہ کون کیا کر رہا ہے؟"
تیمور کا دماغ پھٹنے کے قریب تھا۔ اسے ایک دھچکا مادرا کی طرف سے لگا تھا اور اب ایک دھچکا ولید کی طرف سے۔
"کیوں۔۔۔ اتنے آدم بے زاد کیوں ہو رہے ہیں؟" عزت کو مزید تعجب ہوا تھا۔
"کچھ نہیں۔" تیمور نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ولید کے پروگرام کا ٹاپک سنا۔
اور پھر ٹاپک کے ساتھ ساتھ جیسے ہی اس کا پروگرام سے اسٹارٹ ہوا' تیمور کا پریشانی کے مارے رنگ ہی بدل گیا تھا۔
اور ایسا ہی کچھ حال عزت کا بھی تھا' مگر مجبوری یہ تھی کہ وہ ظاہر نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے چپ چاپ اور لاپروا سی بیٹھی رہی تھی۔ مگر تیمور چپ نہیں رہ سکا تھا۔ اس کا پروگرام ختم ہوتے ہی اس کے نمبر پہ پہلی کال تیمور حیدر کی ہی گئی تھی۔
"ارے واہ۔۔۔ تمہیں بھی پروگرام دیکھنے کا ٹائم مل گیا؟ حالانکہ مجھے امید نہیں تھی۔" ولید نے اس کی کال ریسیو کرتے ہی بڑی ایکسائٹمنٹ کا اظہار کیا تھا' یہاں تک کہ دعا سلام کا موقع بھی نہیں دیا تھا۔

"اس پروگرام سے تو بہتر تھا کہ تم خودکشی کر لیتے۔" تیمور کا غصہ اس کے لہجے اور اس کے الفاظ سے ہی ظاہر ہو رہا تھا۔

"ہاہاہا.... سمجھ لو کہ یہی کیا ہے۔" ولید قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"یہ وہ خودکشی ہے جس میں تمہیں خود بھی پتا نہیں ہوگا کہ تم نے کب مرنا ہے۔ جبکہ خود کو گولی مار لیتے تو تمہیں یقینا" علم ہوتا کہ تم نے ابھی اور آج ہی مرنا ہے۔"

جس طرح ولید کے اندر غبار اور انتشار ہلکورے لے رہا تھا۔ اسی طرح تیمور کے اندر بھی اک لاوا سا پک رہا تھا۔ جس کو نکلنے کے لیے کوئی راستہ چاہیے تھا۔

"جب انسان کو علم ہو جائے کہ اس نے آج اور ابھی مرنا ہے تو وہ اس مرنے سے پہلے بھی کئی بار مرتا ہے.... جبکہ لاعلمی کی موت اذیت نہیں دیتی.... بس موت ہی دیتی ہے۔ اک جھٹکے میں سب کچھ فنش...." ولید نے جیسے بڑے لطف اندوز ہونے والے انداز میں کہا تھا اور تیمور کے دماغ کی پھرکی گھوم کے رہ گئی تھی۔

"ٹھیک ہے.... تم مرنا چاہتے ہو تو مرو.... مجھے روکنے کی اور سمجھانے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔"

تیمور نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور اپنا موبائل وہیں ٹی وی لاؤنج کے صوفے پہ اچھال کر غصے سے تلملاتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

اور عزت وہیں بیٹھی تیمور کا ردعمل دیکھتی رہ گئی تھی۔



"ولید.... ولید رحمان....!" ماورا ٹی وی کے سامنے بیٹھی پروگرام ایک سچ ایک شام کے اینکر ولید رحمان کے متعلق سوچ رہی تھی۔ جہاں تک اسے یاد پڑتا تھا وہ اس سے مل چکی تھی.... کیونکہ اس کی شکل اسے دیکھی بھالی سی لگ رہی تھی۔ اور اسے یاد آگیا تھا کہ ولید رحمان، تیمور حیدر کا دوست ہے اور اس کی اس سے ملاقات فارہ اور آفاق کی شادی میں ہوئی تھی۔

"ہوں.... تو یہ تیمور حیدر کا دوست ہے۔" ماورا پر سوچ سے لہجے میں کہتی ہوئی ٹی وی آف کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ماورا!" وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں جا رہی تھی، جب ڈرائنگ روم سے عافیہ بیگم کی آواز سنائی دی تھی اور اس کے قدم ٹھہر گئے تھے۔

"جی امی!" وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی، وہ جائے نماز پہ بیٹھی تھیں۔ شاید ابھی ابھی نماز سے فارغ ہوئی تھیں۔

"ادھر بیٹھو میرے پاس۔" انہوں نے اسے اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

اور ماورا ان کے اشارے پہ اندر ہی اندر حیران ہوتی ان کے قریب ہی نیچے قالین پہ بیٹھ گئی تھی اور ان کے سفید چادر کے ہالے میں لپٹے ہوئے چہرے کی طرف کافی گہری اور سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"تم پریشان ہو؟" اس کی سوالیہ نظروں کا جواب بھی اک سوال کی صورت ہی سامنے آیا تھا اور ماورا ان کے سوال پہ چونک گئی تھی۔

"میں.... پریشان.... نن.... نہیں تو...." ماورا کو پہلی بار ان کے سامنے اس طرح کسی چیز سے انکار کرتے ہوئے اپنے آپ کو سنبھالنا پڑا تھا۔

"تمہارے چہرے پہ لکھا ہے کہ تم پریشان ہو۔" عافیہ بیگم کے لہجے میں یقین تھا۔

"غلط فہمی ہوئی ہے آپ کو..... میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھے بھلا کیا پریشانی ہوگی۔" اس نے لاپروائی کا خول چڑھاتے ہوئے فوراً کندھے اچکائے تھے۔

"ماؤں کو کبھی غلط فہمی نہیں ہوتی۔ ہاں اولاد ماں باپ کو غلط قرار دے دے..... یہ الگ بات ہے۔" عافیہ بیگم بڑے عجیب سے لہجے میں بولی تھیں۔

ماورا کو اس لمحے اپنے رب اور اپنی ماں کے سامنے بے پناہ شرمندگی محسوس ہوئی تھی۔

"ایم سوری امی۔ ایسی کوئی خاص پریشانی نہیں ہے۔ بس آفس کے کام کی طرف سے تھوڑی ڈسٹرب ہو رہی تھی۔" اس نے ان کی تسلی کے لیے کچھ نہ کچھ کہہ ہی دیا تھا۔

"تھوڑی نہیں..... بہت زیادہ کہو۔ اگر تم تھوڑی ڈسٹرب ہوتیں تو تمہیں پتا ہوتا کہ بی گل کہاں ہیں؟" عافیہ بیگم نے کہتے ہوئے جائے نماز پہ رکھی تسبیح اٹھالی تھی۔

جبکہ ان کی بات پہ ماورا کو یک دم کرنٹ لگا تھا اور اس نے چونک کر تشویش بھری نظروں سے بے ساختہ ادھر ادھر دیکھا تھا۔

"واٹ بی گل! کہاں ہیں وہ؟"

"جب سے تم واپس آئی ہو..... تمہیں نہیں پتا کہ بی گل کہاں ہیں۔ اور وہ نظر کیوں نہیں آرہیں۔" عافیہ بیگم کے انداز میں اب خفگی اتر آئی تھی۔

"پلیز امی..... اس بات کو چھوڑیں..... بتائیں کہ بی گل کہاں ہیں۔" ماورا کی تو جیسے بی گل میں جان تھی' اسے لگتا تھا کہ بی گل کے سوا کوئی ہے ہی نہیں جو اسے سمجھ سکتا ہو اور ان کے بغیر تو وہ کچھ بھی نہیں تھی۔

"اپنے کمرے میں ہیں۔" عافیہ بیگم نے کہہ کر تسبیح شروع کرلی تھی اور ماورا ایک دم اٹھ کر ان کے کمرے کی طرف لپکی تھی۔

"بی گل.....!" دروازہ کھولتے ہی اس نے ان کو پکارا تھا۔ وہ سامنے ہی بستر پہ بے سدھ پڑی تھیں۔ انہیں صبح سے بخار تھا اور وہ صبح سے ہی اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی تھیں۔ عافیہ بیگم نے ماورا کی بے دھیانی' لاپروائی اور پریشان سی صورت دیکھ کر اسے نہیں بتایا تھا' ورنہ وہ کھانا پینا چھوڑ کر ان کے سرہانے بیٹھ جاتی۔

"بی گل..... بی گل۔" وہ ان کو پکارتی ہوئی ان کے بیڈ کے قریب آئی اور ان کا ہاتھ پکڑ کر چیک کیا تھا' مگر بخار کی شدت ایسی تھی کہ ماورا کا دماغ گھوم گیا تھا۔ اوہ مائی گاڈ..... اتنا تیز بخار..... اور..... اور مجھے خبر ہی نہیں ہے۔ وہ خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑاتی ہوئی ان کی پیشانی چھو کر دیکھنے لگی۔ "بی گل..... ادھر دیکھیں نا میری طرف..... کیا ہوا ہے آپ کو..... یوں اچانک اتنا بخار کیسے ہو گیا؟" ماورا ان کا چہرہ تھپکتے ہوئے سچ مچ روہانسی سی ہو گئی تھی اور بے ساختہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر چومنے لگی تھی۔

"ما..... و..... را....." اس کے ہاتھوں کا اور ہونٹوں کا لمس اپنے ہاتھوں پہ محسوس کرتے ہی بی گل نے غنودگی کے باوجود بے ربط سے الفاظ میں اس کا نام لیا تھا۔ ماورا ایک دم گھبرا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"امی..... امی..... آپ جلدی اٹھیں..... ہم ابھی بی گل کو ہاسپٹل لے کر جا رہے ہیں۔"

"ابھی..... مگر کیسے..... ٹائم دیکھا ہے تم نے۔ اور ہمیں تو یہاں کے ہاسپٹلز اور ڈاکٹرز کا بھی نہیں پتا۔" عافیہ بیگم اٹھ کر جائے نماز سمیٹ رہی تھیں۔

"کس سے کہوں؟ کس سے ہیلپ لوں۔" ماورا نے اس وقت ہیلپ کے لیے ہر طرف ذہن دوڑایا تھا اور پہلا خیال نجانے کیوں تیمور حیدر کی طرف ہی گیا تھا۔ "نہیں..... اس سے تو بہتر ہے کہ میں فارہ سے کہہ دوں۔ وہ گاڑی بھیج دے۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑائی تھی۔

"ماورا... کیا کر رہی ہو' کیا کرنا ہے اب۔" عافیہ بیگم ذرا خفگی سے بولی تھیں۔
"بس... جسٹس فائیو منٹس... ابھی آ رہی ہوں۔" ماورا اب انہیں کیا کہتی کہ ابھی تک تو کسی سے رابطہ ہی نہیں ہوا۔
"اس وقت کس کو ڈسٹرب کرو گی' ابھی رہنے دو' ابھی میرا خیال ہے کہ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں بھگو کر رکھتی ہوں' صبح ہوتے ہی ہاسپٹل لے جائیں گے۔"
عافیہ بیگم اس وقت گھر سے نکلنے سے کترا رہی تھیں۔ ان کے اندر کے وہم و وسوسے اب بھی مکمل طور پہ ختم نہیں ہوئے تھے۔
"پلیز امی... آپ پریشان نہ ہوں۔ کچھ نہیں ہوا۔ بی گل اتنا شدید بخار نہیں سہ سکیں گی' ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھنے سے بخار کم ہو گا۔ ان کی ویک نیس نہیں... انہیں پورے ٹریٹ منٹ کی ضرورت ہے۔" ماورا انہیں تسلی دینے والے اور سمجھانے والے انداز میں کہتی اپنے موبائل سمیت کمرے سے نکل آئی تھی۔
لیکن فارہ کا نمبر ڈائل کرتے کرتے رک گئی تھی کہ اس کے ساتھ ساتھ رات کے اس پہر آفاق بھی ڈسٹرب ہو گا اور ویسے بھی رات کے اس پہر کسی کو پریشان کرنا۔
"ماورا... بی گل کی طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے۔ جلدی آؤ۔" عافیہ بیگم بی گل کے پاس جاتے ہی گھبرا گئی تھیں اور انہوں نے کافی گھبرائے ہوئے انداز میں ماورا کو آواز دی تھی۔ جس پہ ماورا لپک کے دوبارہ ان کے کمرے میں آئی تھی۔
بی گل کا جسم ہلکے ہلکے کانپ رہا تھا اور ان کے منہ سے عجیب سی آواز نکل رہی تھی۔ ان کی سفید رنگت اس وقت بخار کی حدت سے سرخی مائل ہو رہی تھی۔
اور ان کا یہ حال دیکھتے ہوئے ماورا سے رہا نہیں گیا تھا اور اس نے تیمور حیدر کی نیند میں بڑے بے دھڑک انداز میں خلل ڈال دیا تھا۔



تیمور کو سوئے ہوئے ابھی آدھا گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ اس کے سیل فون پہ یک دم وائبریشن کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ سیل فون بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھا ہوا تھا۔ اس لیے وائبریشن زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ جس کے باعث وہ کچی نیند سے ہڑبڑا کر بیدار ہوا تھا اور یوں ہی جاگے سوئے سے ذہن کے ساتھ ملگجے سے اندھیرے میں سائیڈ ٹیبل کو ٹٹولتے ہوئے موبائل اٹھا لیا تھا' لیکن اس کے اٹھانے تک کال مس ہو گئی تھی۔
اس نے نیند سے بوجھل آنکھوں کو بمشکل کھولتے ہوئے نمبر چیک کیا اور نمبر چیک کرتے ہی اس کی آنکھیں پٹ سے کھل گئی تھیں۔
"ماورا..." تیمور نے زیر لب اس کا نام دہرایا۔
"اس وقت... اس کی کال..." تیمور کی پریشانی ایک فطری عمل تھا۔ جس کے تحت اس نے لیمپ آن کرتے ہوئے بے اختیار وال کلاک کی سمت دیکھا جہاں گھڑی اس وقت ایک بجا رہی تھی۔
"کیا مسئلہ ہے؟ وہ مجھے کال کیوں کر رہی ہے۔" وہ پریشان ہوا تھا۔
"کرتی ہے تو کرنے دو... تمہیں کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ بس چپکے بیٹھے رہو۔" دل تو پہلے ہی جلا بھنا بیٹھا تھا۔ فوراً" تلملاہٹ کا اظہار کیا تھا۔
"لیکن... کوئی پریشانی... کوئی مسئلہ بھی تو ہو سکتا ہے نا۔" دماغ اپنی سمجھ داری کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔

"ہوتا ہے تو کسی اور سے کہے... تم سے کیوں؟" دل کی بے رخی اور بے مروتی انتہا پہ تھی۔
"اس کا اور کون ہے یہاں۔" دماغ پورا پورا دفاع کر رہا تھا۔
"اچھا... تم سمجھتے ہو کہ تم ہو اس کے۔" دل نے مذاق اڑایا۔
"نہیں... ایسا سمجھنا چھوڑ دیا ہے۔" دماغ حقیقت قبول کر چکا تھا۔
"تو پھر اسے بھی چھوڑ دو... اور سو جاؤ۔" دل' دماغ پہ حاوی ہو رہا تھا اور تیمور ان دونوں کی بحث و تکرار کے باعث سر جھٹکتے ہوئے دوبارہ تکیے پہ سر رکھ کے لیٹ گیا تھا۔ مگر ابھی ایک منٹ ہی گزرا تھا کہ ماورا کی کال دوبارہ آ گئی تھی۔
اور تیمور کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ یقیناً" کسی پرابلم میں ہے۔ اس لیے ہر چیز کو کچھ دیر کے لیے دل و دماغ سے الگ کر کے رکھتے ہوئے اس کی کال ریسیو کر لی تھی۔
"السلام علیکم!" تیمور نے بڑے نپے تلے سے لہجے میں سلام کیا۔
"وعلیکم السلام سر! ایم سوری... میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔" اس نے چھوٹتے ہی معذرت کی۔
"خیریت..." وہ اس کے لہجے کی عجلت سے پریشان ہوا تھا۔
"جی... وہ دراصل بی گل بہت بیمار ہیں' ان کو ہاسٹل لے کر جانا بہت ضروری ہے۔" ماورا بڑی عجلت میں بول رہی تھی۔
"ہوں... تو میں کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی۔" تیمور کا لہجہ اور انداز حد درجہ نپے تلے سے ہو رہے تھے۔ وہ چاہ کر بھی نارمل نہیں ہو پایا تھا۔
"پلیز... ڈرائیور بھیج دیں... گاڑی بھیج دیں۔ کچھ بھی کریں... مگر پلیز میری ہیلپ کریں۔ میری بی گل بہت تکلیف میں ہیں۔ ان کی زندگی کا سوال ہے۔" ماورا نے آج اپنی انا پرستی کے خول کو اتار کر ایک اس شخص سے ہیلپ کی التجا کی تھی' جس سے وہ خود بھی مر جاتی تو کبھی بھی ہیلپ نہ مانگتی' مگر بی گل کی خاطر وہ یہ بھی کر گزری تھی۔
اور تیمور حیدر اپنے دل و دماغ پہ اپنے جذبات کے مجروح ہونے کا داغ لیے بے اختیار اپنے بستر سے اٹھ بیٹھا تھا۔
"آپ پریشان نہ ہوں۔ میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔" تیمور نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بیڈ سے کھڑا ہو گیا تھا۔
"ہونہہ... پھر وہی سلسلہ۔" دل نے طنز کا تیر چھوڑا۔
"نہیں... یہ محض انسانیت کے ناتے کرنے جا رہا ہوں۔ ورنہ اس کے سود اور میرے زیاں کا قصہ وہیں کا وہیں ہے۔ وہ حساب کتاب کسی فرصت کے لیے اٹھا رکھا ہے۔" وہ اپنے دل کو سمجھاتا' شرٹ پہن کر اپنا موبائل اور والٹ وغیرہ لے کر کمرے سے نکل آیا تھا۔



ٹھیک دس منٹ بعد جیسے ہی ان کی ڈور بیل بجی تھی ماورا نے تیزی سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا تھا اور اپنے سامنے انتہائی لاپروا' گھریلو اور عام سے حلیے میں کھڑی ماورا مرتضیٰ کو دیکھ کر تیمور نے بے اختیار نظروں کا زاویہ بدل دیا تھا۔
"السلام علیکم! کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔" وہ باہر کھڑا اجازت طلب کر رہا تھا۔
"ج... جی... آیئے۔" وہ فوراً" پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"آپ کی بی گل کہاں ہیں۔" اس نے اندر داخل ہوتے ہی سوال کیا تھا۔
"ادھر کمرے میں ہیں۔" ماورا نے دائیں سائیڈ کی طرف اشارہ کیا تھا اور تیمور اس کی ہمراہی میں چٹتابی گل کے بیڈ روم تک آیا تھا۔
جہاں عافیہ بیگم بی گل کے سرہانے بیٹھی رو رہی تھیں۔
"امی!" ماورا کے پکارنے پہ انہوں نے چونک کر دروازے کی سمت دیکھا تھا اور ماورا کے عین برابر کھڑے تیمور حیدر کو دیکھ کر بس دیکھتی رہ گئی تھیں۔
اگر ان کی ماورا خوب صورت اور پرکشش تھی تو اس کی پرسنالٹی بھی لاکھوں میں ایک تھی..... دونوں ایک ساتھ کھڑے ان کے احساسات کو چونکا گئے تھے۔
"یہ میرے باس ہیں۔" اس نے آدھا ادھورا سا تعارف کروایا تھا' کیونکہ وہ کچھ دیر پہلے ہی ان کو بتا چکی تھی کہ اس پریشانی کے عالم میں اس کے پاس اپنی کمپنی کے باس کو کال کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔
"السلام علیکم آنٹی۔" تیمور نے احتراماً" سلام کیا۔
"وعلیکم السلام۔" عافیہ بیگم اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھیں۔
"ماورا! آپ میرے ساتھ نیچے چل کر گاڑی کا دروازہ کھولیں' میں بی گل کو لے کر آرہا ہوں۔ آنٹی! آپ گھر لاک کر کے آجائیں۔" تیمور مزید کچھ بھی کہے بغیر بی گل کی طرف بڑھا تھا اور پھر انہیں خود اٹھا کر نیچے گاڑی تک لے کر آیا تھا۔
عافیہ بیگم ماورا کا بیگ' موبائل' اپنی چادر وغیرہ لے کر گھر کو اچھی طرح لاک کر کے نیچے آگئی تھیں اور ان کے آتے ہی تیمور نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔
اور پھر گھر سے لے کر ہاسپٹل تک سارے کام اور سارے انتظام تیمور نے خود ہی نپٹائے تھے۔
ماورا تو بس بی گل کے ساتھ ساتھ تھی۔



فجر کی نماز ادا کر کے جیسے ہی اس نے سلام پھیرا اس کی نظریں ایک ہی جگہ پہ ٹکی رہ گئی تھیں۔
تیمور حیدر بائیں دیوار کے ساتھ لگے صوفے پہ بیٹھے بیٹھے سو گیا تھا اور اس کی یہ غفلت بھری نیند دیکھ کر ماورا کو احساس ہوا تھا کہ اس نے ان لوگوں کی وجہ سے یہ رات ان کے ساتھ بھاگ دوڑ کرتے ہوئے گزار دی تھی اور نیند آئی بھی تو کب.....
جب صبح ہونے کو تھی۔
وہ بی گل کے لیے دعا مانگنے کے بعد اٹھ کر دھیمے قدم اٹھاتی' سیدھی اس کے قریب آئی تھی۔
"ہیلو..... سر....." اس نے آہستگی سے اسے پکارنے کی اور جگانے کی کوشش کی تھی۔
"ہیلو....." اسے ساتھ ساتھ یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں ابھی ابھی سوئی عافیہ بیگم ہی نہ اٹھ جائیں۔ آخر وہ بھی رات بھر جاگتی رہی تھیں۔ ماورا نے ضد کر کے انہیں آرام کرنے کے لیے بیڈ پہ لٹایا تھا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سو گئی تھیں۔
"ہیلو سر.....!" ماورا کے دو' تین بار پکارنے کے باوجود وہ نیند سے بیدار نہیں ہوا تھا۔ اس لیے ماورا نے ادھر ادھر دیکھا۔ دوسرے صوفے پہ اس کی اپنی چادر رکھی ہوئی تھی۔ وہ یوں ہی دبے قدموں گئی اور اپنی چادر تہ کر کے لے آئی تھی۔

اور تیمور کے صوفے کی پشت پہ دائیں طرف لڑھکے ہوئے سر کے نیچے اپنی چادر کا تکیہ سا بنا کے رکھ دیا تھا اور اس کے سر کو اک آرام دہ پوزیشن میں ٹکا کر پیچھے ہٹتے ہوئے ابھی وہ اپنا ہاتھ کھینچ ہی رہی تھی کہ تیمور کی کسی نرم سے احساس کے تحت بے ساختہ آنکھ کھل گئی تھی۔

اور صوفے پہ اس طرح اپنے بے حد قریب جھکی ماورا کو دیکھ کر اس کی ساری نیند ہوا ہو گئی تھی۔ وہ بری طرح چونکا تھا۔

جس کو محسوس کرتے ہوئے وہ یک دم پیچھے ہٹ گئی تھی، لیکن تیمور تو جیسے جوں کا توں بیٹھا رہ گیا تھا۔ اس کی تو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا تھا کہ وہ پہلے سو رہا تھا یا اب۔

"ایم سوری سر... میں کافی دیر سے آپ کو جگانے کی کوشش کر رہی تھی، مگر آپ شاید گہری نیند سو رہے تھے۔ اس لیے میں نے آپ کے سر کے نیچے..."

ماورا کو وضاحت دیتے ہوئے اندر سے اچھی خاصی خفت ہوئی تھی۔

جبکہ تیمور نے اپنے دماغ کو نیند سے بیدار کرتے ہوئے آس پاس کی سچویشن کو سمجھنے کی کوشش کی تھی اور پھر اپنے سر کی دائیں سائیڈ پہ رکھی اس کی چادر کا تکیہ دیکھ کر چپ ہو گیا تھا۔ گویا وہ اس کے آرام کا خیال کر رہی تھی؟

"اٹس اوکے... بیٹھے بیٹھے پتا ہی نہیں چلا کہ کب نیند آ گئی؟" تیمور نے اپنے دونوں ہاتھ چہرے پہ پھیرتے ہوئے اپنے اعصاب ٹھکانے پہ لانے چاہے تھے۔

"ایم سوری! ہماری وجہ سے آپ رات بھر ڈسٹرب ہوئے ہیں، لیکن اب اللہ کا کرم ہے، بی گل کی طبیعت سنبھل چکی ہے۔ اسی لیے میں آپ کو جگا رہی تھی کہ صبح ہونے ہی والی ہے، آپ گھر چلے جائیں اور تھوڑی دیر آرام کر لیں۔" ماورا نے اسے جگانے کی وجہ بھی بیان کر ڈالی تھی۔

"ڈاکٹر یا کسی نرس نے وزٹ کیا۔" تیمور اک گہری سانس کھینچتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"نہیں... اب وہ صبح آٹھ بجے ہی وزٹ کریں گے اور ویسے بھی بی گل کا بخار پہلے سے کافی کم ہو چکا ہے۔" ماورا نے کہتے ہوئے بیڈ کی طرف دیکھا، جہاں بی گل دوائیوں کے زیر اثر غنودگی میں گم تھیں۔

"اور وہ ڈرپ؟" تیمور ساری تفصیل معلوم کرنا چاہ رہا تھا۔

"وہ صبح لگے گی۔" وہ بڑے سکون سے جواب دے رہی تھی۔

"ہوں... ٹھیک ہے... میں چلتا ہوں اب... آدھے گھنٹے تک آپ لوگوں کا ناشتا پہنچ جائے گا۔" تیمور کچھ لیے دیے سے انداز میں کہتا دروازے کی سمت بڑھ گیا۔

"مگر سر! ناشتے کی کیا ضرورت۔" اس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

"ناشتا میں اس لیے نہیں بھیج رہا کہ آپ میرے لیے کچھ اسپیشل ہیں... بلکہ آپ کی جگہ اس وقت کوئی اور بھی ہوتا تو میں اتنا خیال تو ضرور ہی کرتا۔ خاص طور پہ خواتین کے لیے۔"

دروازے میں جا کر پلٹتے ہوئے وہ ایسا جواب دے کر گیا تھا کہ ماورا کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں رہی تھی۔ تیمور حیدر کے دل کی جلن اس کے الفاظ میں بھی محسوس ہو رہی تھی۔

اور اس کے جانے کے بعد ماورا کو احساس ہوا تھا کہ مرد عورت کے لیے کتنا بڑا تحفظ اور کتنا بڑا سہارا ہے؟ اس کے جانے کے بعد پھر سے وہ تینوں خواتین اکیلی اور بے سہارا لگنے لگی تھیں۔ جن کو اپنے لیے، جو بھی کرنا تھا، خود ہی کرنا تھا۔

وہ ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے وہیں بیٹھ گئی تھی جہاں سے وہ اٹھ کر گیا تھا۔



ولید کو رات سے ہی طرح طرح کی فون کالز موصول ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ لیکن وہ اتنا لاپروا اور بے نیاز تھا کہ اسے کسی کی بھی کال کی کوئی ٹینشن نہیں تھی۔ ہاں البتہ ایک تیمور حیدر تھا جس کی کوئی بھی چیز وہ نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اپنے کام کے دوران بھی اس کا دھیان تیمور کی کال کی طرف ہی رہا تھا۔

کیونکہ اسے پتا تھا کہ تیمور اس کی وجہ سے اندر ہی اندر جلتا کڑھتا رہے گا اور طرح طرح کی ٹینشن سوار کیے رکھے گا۔ اس لیے صبح ہوتے ہی اپنے چند اہم کام نپٹا کر وہ سیدھا اس کے آفس گیا تھا۔ وہاں اس کی سیکریٹری سے پتا چلا کہ سر کی شاید طبیعت خراب ہے۔ اس لیے وہ ابھی تک آفس نہیں آئے۔

''اوہ... طبیعت کیوں خراب ہو گئی۔'' ولید سوچتے ہوئے واپس اپنی بائیک تک آگیا۔ ''کال کروں تب بھی وہ ریسیو نہیں کرے گا۔ اس لیے بہتر ہے کہ اس سے گھر پہ ہی جا کر مل لوں۔'' بائیک کو کک لگاتے ہوئے اس نے سوچا اور بائیک کا رخ تیمور کے گھر کی طرف ہی موڑ دیا تھا۔

''لیکن عزت بھی وہیں ہوگی۔'' اک اور سوچ کے آتے ہی اس نے بائیک کی اسپیڈ کم کر دی تھی۔

''نہیں... اس وقت وہ یونیورسٹی میں ہوگی ـــ میں تب تک تیمور سے مل کر واپس آجاؤں گا۔ ہمارے لیے یہی بہتر ہے کہ ہمارا ایک دوسرے سے سامنا نہ ہو۔''

ولید کچھ دیر بعد ان کے گھر کے گیٹ کے سامنے پہنچ ہی گیا تھا۔

''ہیلو... تیمور گھر پہ ہے۔'' اس نے بریک لگاتے ہوئے پوچھا۔

''جی صاحب جی... تیمور صاحب گھر پہ ہی ہیں... آئیے آپ اندر آجائیے۔'' چوکیدار نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے گیٹ کھول دیا اور ولید بائیک اندر لے آیا تھا۔

''آئیے صاحب جی...'' ملازمہ اسے ساتھ لیے اندر آگئی تھی۔

''آپ بیٹھیں... چھوٹی بیگم صاحبہ بھی اندر ہی ہیں۔ میں تیمور صاحب کو اطلاع کرتی ہوں۔'' ملازمہ اسے ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے میں چھوڑ کر آگے بڑھ گئی تھی۔ جبکہ ولید چھوٹی بیگم صاحبہ کا نام سن کر ٹھٹک گیا تھا۔ لیکن اب وہ نہ آگے بڑھ سکتا تھا اور نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا۔ مگر اندر سے آنے والی اپنی آواز سن کر اسے یک دم اندر کی طرف دیکھنا ہی پڑا تھا۔ جہاں عزت حیدر صوفے پہ نیم دراز اپنی گود میں لیپ ٹاپ رکھے ولید کے پروگرام کو بار بار دیکھ رہی تھی اور ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے میں کھڑا ولید اسے دیکھنے پہ مجبور ہو گیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

نبیلہ عزیز



مادرا مرتضیٰ' عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ مادرا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

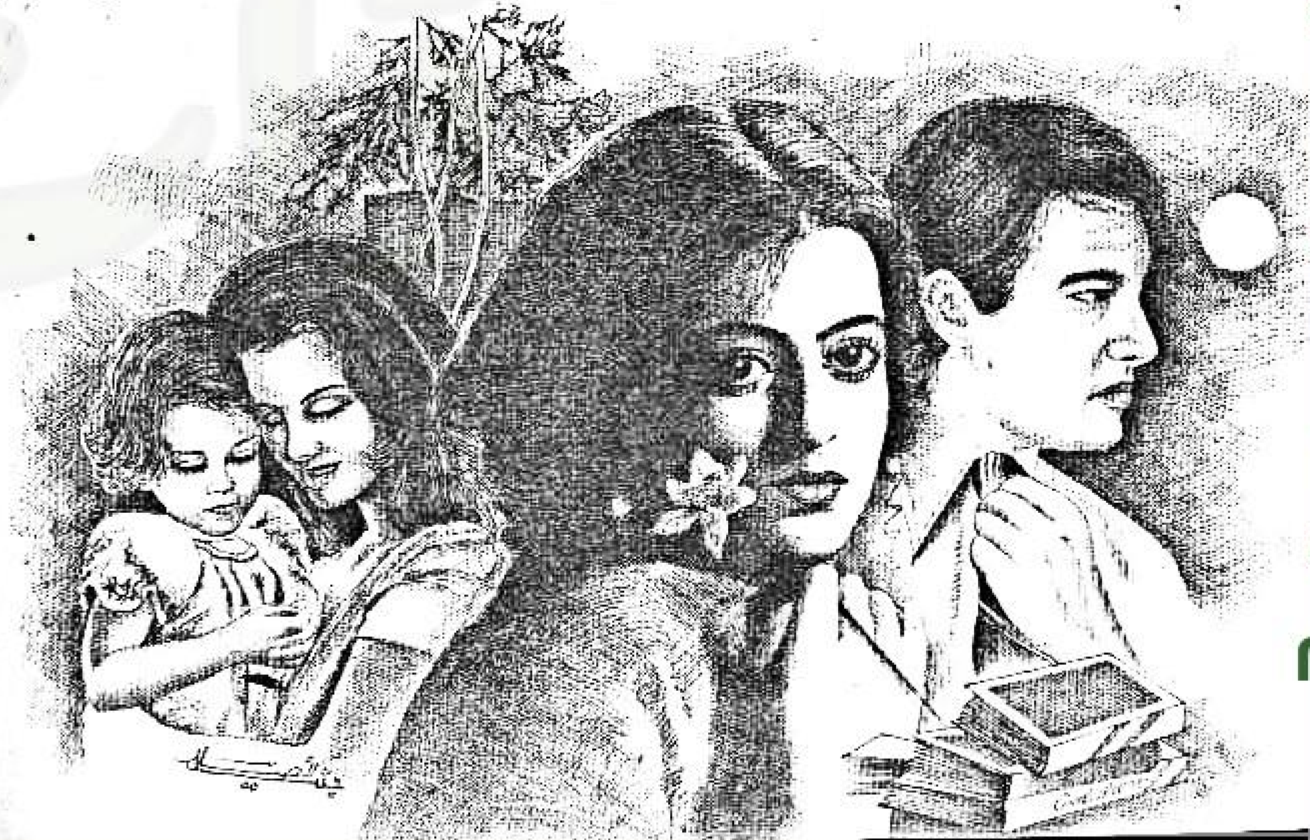
فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایئر پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "ساشا" کو جانا پڑتا ہے۔ وہ آفاق کی بدتہذیبی پر خفا ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

منزہ ثمینہ اور نیرہ کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شان دار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیرہ کے بیٹے سے فارہ کی بہن حمنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اُسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید انجان بن جاتا ہے۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق یزدانی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثمینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔

اشتیاق یزدانی' آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ عزت' تیمور کے موبائل سے ولید کا نمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس



کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ رضا حیدر، تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی تاریخ میں ماورا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ ماورا، عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ عزت اپنے دل کی کیفیات ساشا سے بیان کر دیتی ہے۔ ماورا بی گل کو بتاتی ہے کہ وہ رضا حیدر کے بیٹے تیمور حیدر سے ملی ہے۔ بی گل دم بخود رہ جاتی ہیں۔

شادی میں تیمور حیدر، ماورا کے قریب آنے کی کافی کوشش کرتا ہے مگر ماورا کا سخت اور کھردرا رویہ ہر بار اسے ناکام کر دیتا۔ تیمور، ماورا سے رضا حیدر کو ملواتا ہے۔ رضا حیدر اسے دیکھ کر چونک جاتے ہیں مگر باوجود کوشش کے وہ سمجھ نہیں پاتے۔ فارہ کی ہی شادی میں عزت کی ملاقات تیام مرزا کے بیٹے مونس مرزا سے ہوتی ہے۔ وہ سخت بیزار ہوتی ہے جبکہ مونس خوب دلچسپی لیتا ہے۔

آفاق آدھی رات کو غائب ہو جاتا ہے۔ فارہ پریشان ہوتی ہے۔ وہ صبح آکر بتاتا ہے کہ اس کے دوست کے ساتھ کوئی ایمرجنسی ہو گئی تھی۔ اس لیے اس کے آرام کا خیال کرتے ہوئے وہ بغیر بتائے چلا گیا تھا۔ مگر فارہ اس کی بات پہ یقین نہیں کرتی۔ تیمور، فارہ کے ذریعے ماورا کو اپنے آفس میں ایک شاندار پیکج پر جاب کی پیشکش کرتا ہے جسے ماورا کافی حیل حجت کرنے کے بعد قبول کر لیتی ہے۔

سولہویں قسط ۱۶

اس کی نظریں عزت کے چہرے کے گرد طواف کرنے لگی تھیں۔

کیونکہ لیپ ٹاپ کی روشنی نے اس کے چہرے کے اردگرد اک عجیب سحر انگیز سا احاطہ باندھ رکھا تھا، جس کا اثر اس کے چہرے سے ولید کے دل تک محسوس ہو رہا تھا اور وہ مسمرائز سا اسے نہ دیکھنے کا اور اس کا سامنا نہ کرنے کا عہد بھول گیا تھا۔

"صاحب۔۔۔! آپ بیٹھیے۔ تیمور صاحب تھوڑی دیر میں فریش ہو کر آرہے ہیں۔" اس کے چہرے اور ولید کے دل کا طلسم ملازمہ کی آواز نے توڑا تھا، جس پہ عزت نے بھی یکدم چونک کر ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے کی طرف دیکھا۔۔۔ اور دیکھتے ہی ٹھٹک گئی۔

"السلام علیکم۔۔۔!" آنے والا ولید تھا۔ اس لیے سلام میں پہل کرنا اس کا فرض تھا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔!" عزت سنبھلتے ہوئے سیدھی ہو بیٹھی اور لیپ ٹاپ گود سے اٹھا کر ٹیبل پر رکھ دیا۔

"وہ۔۔۔ مجھے دراصل تیمور سے ملنا تھا۔ اگر وہ فری نہیں ہے تو میں دوبارہ آجاؤں گا۔ چلتا ہوں۔" ولید جو ابھی ابھی عزت کے سامنے اسکرین پہ دھواں دھار گفتگو کر رہا تھا۔ یوں اچانک سامنا ہو جانے پہ بات کرنے کے لیے الفاظ ڈھونڈنے لگا تھا۔

"میری وجہ سے جا رہے ہیں تو مت جائیں۔۔۔ میں چلی جاتی ہوں۔" عزت کی آواز پہ اس کے پلٹتے قدم رک گئے۔

"آپ کیوں جائیں گی۔۔۔ یہ آپ کا گھر ہے۔ میں تو مہمان ہوں، میں نے تو جانا ہی ہے؟" ولید کے لہجے کا طنز چھپا ہوا نہیں رہ سکا تھا۔ مونس مرزا والی ضرب اس کے دل پہ اب بھی تازہ تھی۔

"اسی لیے تو جا رہی ہوں کہ میرے گھر آپ جیسا مہمان بنا رکے محض آکر چلا جائے مجھے گوارا نہیں؟" وہ کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کبھی کبھی بہت کچھ گوارا کرنا پڑ جاتا ہے مس عزت حیدر۔۔۔!" ولید کا اشارہ اپنی ناگواریت کی طرف تھا۔

"کر تو رہی ہوں۔۔۔" وہ اپنی بات کر رہی تھی اور وہ اپنی بات کر رہا تھا۔ کیونکہ چوٹ زدہ دونوں ہی تھے۔

"مونس مرزا کے ساتھ جانا گوارا تھا؟" ولید کے دل کی جلن زبان کی کڑواہٹ بن کے لفظوں میں ڈھل گئی تھی۔

عزت اس کے منہ سے ایسا طنز بھرا اور کاٹ دار سوال سن کر چونک گئی تھی کہ کیا اسے یہ بھی خبر ہے کہ وہ مونس مرزا کے ساتھ گئی تھی؟

"بتائیے ناں مس عزت حیدر۔۔۔ مونس مرزا کے ساتھ جانا گوارا تھا۔۔۔؟"

اس نے عزت کی طرف مڑتے ہوئے اس کے چہرے پہ نظریں جماتے ہوئے پوچھا تھا۔۔۔

"میں مونس مرزا کے ساتھ جاؤں۔۔۔ یا کسی اور کے ساتھ۔۔۔ یہ میرا پرسنل میٹر ہے۔۔۔ اس سے آپ کا کیا تعلق؟"

اس نے تو جیسے ولید کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ یکدم تڑپ ہی تو گیا تھا۔

"اس سے میرا ہی تو تعلق ہے اور میں یہ برداشت نہیں۔" ولید کے منہ سے غصے اور تلملاہٹ میں آکر نکلا ہوا یہ آدھا ادھورا سا جملہ عزت حیدر کو پوری طرح سرشار اور مطمئن کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس کا دل خوشی کے مارے قہقہے لگاتا ہوا قلابازیاں کھانے لگا تھا۔ جبکہ ولید اپنے منہ سے نکلے تیر کو قابو کرنے کی کوشش میں چپ کا چپ رہ گیا تھا۔

"میرا خیال ہے میں اب چلتی ہوں۔۔۔ تیمور بھائی آرہے ہوں گے۔" وہ بڑے اطمینان سے کہتے ہوئے اپنا لیپ ٹاپ بند کرنے کے لیے پلٹ گئی تھی۔

"ویسے جاتے جاتے آپ کو بتاتی جاؤں کہ مونس مرزا کے ساتھ جانا۔۔۔ گوارا کرنا ہی تھا۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ آپ سے ہٹ کے بھی کوئی مجھے گوارا ہو سکتا ہے یا نہیں۔۔۔ مگر افسوس کہ نہیں ہوا۔ وہ ناگوار کا ناگوار ہی رہا۔" وہ اس کے قریب سے گزر کر باہر جاتے جاتے اسے بتا ہی گئی تھی۔

"عزت۔۔۔! بات سنو۔" ولید نے بے ساختہ اسے پکارا۔

"ضرور سنوں گی مگر ابھی نہیں۔" وہ اپنی مسکراہٹ دبا کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

اس کے جانے کے فوراً بعد ہی تیمور بھی آگیا تھا۔

"السلام علیکم۔۔۔!" تیمور نے اندر داخل ہوتے ہی بڑے نپے تلے سے انداز میں سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔!" ولید اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"بیٹھیے تشریف رکھیے۔!" تیمور اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود اس کے سامنے والے صوفے کی طرف بڑھ گیا تھا۔۔۔ جبکہ ولید اس کے طرز تخاطب سے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ ہنوز اسی موڈ میں ہے۔

"کیسے ہو۔۔۔؟" ولید نے خود ہی حال احوال پوچھنے میں پہل کی تھی۔

"ٹھیک ٹھاک۔۔۔ مجھے کیا ہو گا بھلا۔۔۔؟" اس نے کندھے اچکائے۔

"نظر تو نہیں آرہا کہ تم ٹھیک ٹھاک ہو۔۔۔" ولید چھیڑنے والی شرارتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"رات سو نہیں سکا۔ نیند پوری نہیں ہوئی اس لیے۔" تیمور کا سر درد سے بوجھل ہو رہا تھا اور آواز بھی گمبھیر سی لگ رہی تھی۔

"کیوں رات بھر سو کیوں نہیں سکے۔۔۔ ابھی تو تمہاری شادی بھی نہیں ہوئی۔۔۔ پھر نیند پوری نہ ہونے کا مطلب؟" ولید جان بوجھ کر بات کو ادھر ادھر گھما رہا تھا۔

"پلیز! میں کوئی بھی الٹی سیدھی بات کے موڈ میں نہیں ہوں۔" تیمور نے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے اسے ٹوکنے کی کوشش کی تھی۔

"تو پھر کس موڈ میں ہو...؟" ولید پھر بھی باز نہیں آیا تھا۔

"ولید پلیز...! میں پہلے ہی رات بھر کا تھکا ہوا ہوں، مجھے مزید ڈسٹرب مت کرو۔" تیمور نے اپنی کنپٹی کو سہلایا تھا۔

"تیمور...! میں وہی تم سے پوچھ رہا ہوں خیریت تو ہے ناں؟" ولید کا لہجہ بھی بدل گیا تھا کیونکہ اسے محسوس ہو چکا تھا کہ تیمور کچھ پریشان بھی ہے اور ست بھی۔

"ہوں! خیریت ہے... بس رات کو کہیں جانا پڑ گیا تھا۔" تیمور کے لہجے اور آواز دونوں سے ہی تھکن جھلک رہی تھی۔

"کہاں...؟" ولید کی تشویش ہنوز تھی۔

"ہاسپٹل...!" وہ بہت مختصر سی بات کر رہا تھا جس پہ ولید مطمئن ہونے والا نہیں تھا۔

"ہاسپٹل... مگر کیوں...؟"

"وہ ماورا مرتضیٰ نے بلایا تھا..." تیمور کا سر درد سے برا حال تھا۔ اسی لیے عجیب بے ربط سے انداز میں جواب دے رہا تھا۔

"واٹ نان سینس یار...! کوئی بات بتانی ہے تو سیدھی طرح بتاؤ۔ یہ کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو؟ ماورا مرتضیٰ نے ہاسپٹل بلایا تھا کس لیے بلایا تھا۔" ولید کو اچھی خاصی خفگی ہوئی تھی اسی لیے ذرا جھنجھلا کے بولا تھا۔

"اس کی بی گل بیمار تھیں۔ ان کو لے کر ہاسپٹل جانا تھا۔ وہ اپنی امی کے ساتھ اکیلی تھی۔ اس لیے اس نے مجھے کال کی... اور مجھے جانا پڑا... رات بھر وہیں رہا ہوں... ابھی صبح ہی آیا ہوں۔" تیمور بتاتے ہوئے بھی اپنی کنپٹی مسل رہا تھا۔

"ہوں...! یہ بی گل کون ہیں... اس کی نانی اماں یا دادی اماں؟" ولید نے وہ سوال اٹھایا تھا جو خود تیمور کے ذہن میں بھی نہیں آیا تھا۔

"یہ تو مجھے بھی نہیں پتا... لیکن ماورا اور اس کی امی انہیں بی گل ہی کہتی ہیں۔" تیمور نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

"یعنی کہ ان کی بی گل کے ساتھ کوئی اور ہی رشتہ ہے...؟" ولید نے پرسوچ سے انداز میں کہا۔

"ہو گا...!" تیمور کی لاتعلقی بتا رہی تھی کہ اسے تھکن کے علاوہ کوئی اور بھی مسئلہ ہے لیکن وہ کھل کے بتا نہیں رہا۔

"ہو گا؟ یعنی تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ تمہاری بلا سے؟" ولید نے پھر کریدنے کی کوشش کی تھی۔

"یہی سمجھ لو..." تیمور نے کندھے اچکائے۔

"ماورا سے کوئی بات ہو گئی ہے...؟" اب کی بار ولید کے استفسار پہ وہ یکدم غصے سے پھٹ پڑا۔

"ہاں... ہوگئی ہے بات... ہوگئی ہے۔ اس لیے مجھے اب اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ کوئی مطلب نہیں ہے تم سے بھی نہیں۔ تم بھی اور وہ بھی... سب ایک جیسے ہو... بے وفا، دھوکے باز، انا پرست اور خود غرض... تم لوگوں کو بس اپنے آپ سے مطلب ہے، کسی دوسرے سے نہیں... کوئی دوسرا تم لوگوں کے لیے مرے چاہے جیے تمہاری بلا سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

تیمور کہتے کہتے ذرا دیر کے لیے رکا اور پھر کچھ توقف کے بعد دوبارہ شروع ہو گیا۔

"مگر اب... اب میں نے بھی اپنے دل کے ساتھ یہ عہد کر لیا ہے کہ... اب مجھے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ نہ تم سے نہ اس سے۔"

تیمور نے بڑی آسانی سے انہیں اپنی ذات سے پرے جھٹک دینے کی کوشش کی تھی جو کہ ایک ناکام سی کوشش تھی... ولید اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے اس طرح جھٹک دینے سے تعلق ختم تو نہیں ہو سکتا۔ یہ تو محض اس کے غصے کی حالت تھی۔

"اچھا...؟ وہ اگر اتنی ہی بے وفا، دھوکے باز، انا پرست اور خود غرض ہے تو اس کی خاطر رات جاگ کر کیوں گزار دی؟ اور اگر میں اتنا ہی بے وفا، دھوکے باز، انا پرست، اور خود غرض ہوں تو میرے لیے اٹھ کر کیوں آ گئے ہو؟ کیوں بے آرام اور بے سکون ہوتے ہو ہمارے لیے؟" ولید نے اس کا دل جلانے والا نکتہ اٹھایا تھا۔

"کیونکہ مجھے تم لوگوں کی پروا ہے۔ تم لوگوں کو نہیں ہے۔" تیمور حد درجہ بدگمان اور متنفر نظر آ رہا تھا۔

"کون کہتا ہے کہ ہمیں تمہاری پروا نہیں ہے...؟" ولید کے سوال پہ تیمور کا خیال بے اختیار ماورا کی طرف چلا گیا تھا۔ جب وہ صبح فجر کے وقت اس کے بے حد قریب جھکی اس کے سر کے نیچے اپنی چادر کا تکیہ بنا کے رکھ رہی تھی۔

"میں کسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔" تیمور نے سر جھٹک دیا۔

"بحث میں نہیں پڑنا چاہتے... لیکن بدگمانی میں فوراً" پڑ جاتے ہو...؟" ولید نے کہتے ہوئے اسے طنزیہ اور تمسخرانہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"یہ بدگمانی نہیں حقیقت ہے۔" تیمور نے بے حد مضبوط لہجے میں اپنی بات پہ زور دیا تھا۔

"اتنے یقین سے کہو گے تو مجھے بھی حقیقت ہی لگے گا... جبکہ لگنے میں اور ہونے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔" ولید اسے سمجھانے کی سعی کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے... جو بھی ہے میرا مسئلہ ہے اور میں اپنے مسئلے کا حل نکال لوں گا۔" تیمور نے ایک بار پھر لاتعلقی کا مظاہرہ کیا۔

"یہ صرف تمہارا مسئلہ نہیں ہے کیونکہ اس میں ہم بھی انوالو ہو رہے ہیں اور وہ بھی بے گناہ اور بے وجہ..." ولید کی اس بات نے بھی اسے چیخنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

"بے گناہ اور بے وجہ...؟"

"او کے... او کے! میں تو چلو مان لیتا ہوں کہ میں گناہ گار ہوں، قصور وار ہوں، لیکن ماورا مرتضیٰ وہ بے چاری... اس کا کیا قصور ہے بھلا؟"

ولید نے کافی تاسف کا اظہار کیا تھا۔

"وہ بے چاری نہیں ہے... سارا قصور ہی اس کا ہے... وہ بے حس ہے، بے مروت ہے۔ میرے دل سے کھیل رہی ہے۔" تیمور چیخ کر بولا۔

"اس طرح دل دو گے تو وہ تو کھیلے گی ہی ناں؟" ولید دل ہی دل میں بڑبڑایا۔

"ایسا بھی کیا قصور ہو گیا ہے اس سے؟ کیا کہہ دیا اس نے؟" ولید اس سے اصل بات اگلوانا چاہتا تھا۔

اور تیمور اس قدر ڈپریشن کا شکار تھا کہ بے دھیانی میں سب کہہ گیا تھا۔

"وہ میرے ساتھ فیئر نہیں ہے... وہ ڈبل پرسنالٹی کی مالک ہے... میں اس کا چہرہ دیکھ رہا ہوں۔ اس کا باطن کیا ہے، یہ مجھ سے پوشیدہ ہے لیکن اب میں اس کا باطن دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس کو اندر سے جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کیا

چاہتی ہے؟" تیمور کی سوچ اب بھی وہی تھی۔
"حالانکہ یہ بات تمہیں پہلے سوچنا چاہیے تھی۔" ولید نے سرزنش کی۔
"اب تو سوچ لی ہے ناں۔۔۔؟" تیمور کی خفگی اور بیزاریت عروج پہ تھی۔
"اچھی بات ہے اگر سوچ لیا ہے تو اس پہ عمل کرنے کے لیے اپنے رویے اور اپنے طرز عمل کو بدلو۔۔۔ ورنہ اس طرح غصے اور خفگی سے تمہیں کسی چیز کا کچھ پتا نہیں چلے گا۔ کیونکہ سیانے کہتے ہیں کہ کسی کے اندر کا حال جاننے کے لیے اس کے اندر اترنا پڑتا ہے۔۔۔ سمندر کی گہرائی کنارے پہ کھڑے رہنے سے کبھی بھی معلوم نہیں ہو سکتی۔۔۔ تم اگر ماورا مرتضیٰ کے اندر کی گہرائی جاننا چاہتے ہو تو تمہیں اس کے قریب جانا ہوگا۔۔۔ اس طرح دور دور سے کچھ بھی آشکار نہیں ہوگا۔" ولید کے اک نئے مشورے نے اسے مزید چونکا دیا تھا مگر اس نے جواباً" کہا کچھ بھی نہیں۔
"کیا بات ہے۔۔۔ چپ کیوں ہو گئے ہو؟" ولید کو اس کے موڈ پہ الجھن اور تشویش ہو رہی تھی۔ تیمور نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔
"نہیں۔۔۔ کچھ نہیں ہے۔"
"ٹھیک ہے۔۔۔ میں اب چلتا ہوں۔۔۔ دوبارہ ملاقات ہوگی۔" ولید اٹھ کھڑا ہوا تھا اور تیمور نے بھی اپنے ذہنی تناؤ کی وجہ سے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔۔۔ ولید اور تیمور کے بیچ کا غصہ اور ناراضی بیچ میں ہی رہ گئے تھے۔۔۔ نہ ولید نے اس قصے کو چھیڑا تھا اور نہ تیمور نے۔۔۔!



آفاق ابھی آفس پہنچا ہی تھا کہ فارہ کی کال آ گئی تھی۔

"ہیلو۔۔۔؟" اس نے فوراً" کال ریسیو کی۔
"آپ کہاں ہیں۔۔۔؟" فارہ کی آواز تھوڑی پریشان سی لگ رہی تھی' آفاق بھی پریشان ہو گیا تھا۔
"آفس۔۔۔ اور کہاں۔۔۔؟" وہ بریف کیس رکھتے ہوئے بولا۔
"اوہ۔۔۔!" فارہ کا انداز مایوس سا ہو گیا۔
"کیوں' کیا ہوا؟ خیریت۔۔۔؟" آفاق کو فکر لگ گئی۔
"وہ دراصل ماورا کی بی گل بیمار ہیں۔۔۔ رات سے ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں۔۔۔ ان کے پاس ہاسپٹل جانا تھا۔" فارہ نے وجہ بتائی۔
"اوہ۔۔۔ تو اس میں اتنا پریشان ہونے والی کیا بات ہے؟ ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ۔" آفاق نے بڑی لاپروائی سے جواب دیا تھا جبکہ فارہ کا مدعا کچھ اور تھا۔
"ڈرائیور کے ساتھ تو چلی جاؤں لیکن میں چاہ رہی تھی کہ آپ بھی اگر آجاتے تو اچھا ہوتا۔۔۔ وہ دراصل ماورا اور اس کی امی اکیلی ہیں۔ کوئی مرد بھی نہیں ہے۔ آپ کے آجانے سے ان کی کچھ ہیلپ ہو سکتی تھی۔۔۔" فارہ نے مدعا کھل کے بیان کیا تھا۔
"ہوں تو یہ بات ہے۔۔۔ اوکے ابھی تم جاؤ۔۔۔ میں ایک دو گھنٹے میں کام نپٹا کر دہیں ہاسپٹل آجاؤں گا۔۔۔ اور آنے سے پہلے تمہیں کال بھی کر دوں گا۔" آفاق نے ہامی بھر لی تھی' جس پہ فارہ فوراً" ہی خوش بھی ہو گئی تھی۔
"اوکے تھینک یو۔۔۔! میں ابھی تھوڑی دیر میں جا رہی ہوں۔"

اس نے خوشی خوشی کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ جانے سے پہلے وہ ثمینہ یزدانی کو بتا کر اور ان کی اجازت لے کر گئی تھی۔



دروازے پہ دستک کے بعد ابھرنے والی تیمور حیدر کی آواز نے فارہ اور ماورا دونوں کو ہی چونکا دیا تھا۔
"وعلیکم السلام۔۔۔!" ماورا اسے دیکھتے ہی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ شاور وغیرہ لینے کے بعد نک سک سے تیار مردانہ کلون کی خوشبوؤں سے مہکتا ہوا جتنا فریش لگ رہا تھا' اتنا ہی لاتعلق بھی نظر آ رہا تھا۔ کیونکہ اس کی نظریں ماورا کے بجائے بی گل کی طرف تھیں۔ پھر وہ ان ہی کی طرف بڑھ گیا۔
"السلام علیکم بی گل! کیسی ہیں آپ؟" اس نے یوں ان کو مخاطب کرتے ہوئے ان کا حال احوال پوچھا تھا جیسے صدیوں سے شناسائی اور بے تکلفی چلی آ رہی ہو۔۔۔
"وعلیکم السلام۔۔۔ جیتے رہو بیٹا! اللہ کا بڑا کرم ہے۔۔۔ اور تمہارا بھی بہت احسان ہے ہم پہ۔ ساری رات خوار ہوتے رہے۔" ماورا نے بی گل کو ہوش میں آتے ہی سب کچھ بتا دیا تھا۔
"اٹس اوکے۔۔۔! میری جگہ کوئی اور بھی ہوتا' یقیناً" ایسا ہی کرتا۔۔۔ کیونکہ مشکل وقت میں کوئی بھی ہیلپ مانگے تو بندے سے انکار نہیں ہو سکتا۔"
تیمور بات تو بی گل سے کر رہا تھا لیکن جس کو سنانا تھا' اسے سنا دیا تھا۔ اور وہ سن کر سمجھ بھی گئی تھی۔
"ہاں بیٹا۔۔۔! یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن کچھ لوگ لاپروائی کر جاتے ہیں۔۔۔ لیکن تم تو پوری رات۔۔۔"
"پلیز بی گل! میں نے کوئی اتنا بڑا کام بھی نہیں کیا۔ اس لیے پلیز بار بار شرمندہ مت کریں۔ آئندہ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتا دیجیے گا۔۔۔ میں ان شاء اللہ حاضر ملوں گا۔" اس نے بڑے مخلصانہ انداز میں کہا تھا اور بی گل اس کے اتنے اچھے لب و لہجے پہ اسے دیکھتی اور سوچتی رہ گئی تھیں کہ یہ رضا حیدر کا بیٹا ہے۔۔۔ اتنا اچھا۔۔۔؟

"کیا دیکھ رہی ہیں۔۔۔؟" تیمور ان کے یوں یک ٹک دیکھنے پہ مسکرایا۔
"دیکھ رہی ہوں ماشاء اللہ بہت خوب صورت ہو۔۔۔ اللہ عمر دراز کرے اور نظر بد سے بچائے۔" بی گل نے قریب کھڑے تیمور کا ہاتھ پکڑ کر بہت اپنائیت سے تھپکا تھا۔ تیمور ان کی دعا پہ چپ ہو کے رہ گیا۔ "خوب صورت ہوں یا نہیں' یہ مجھے نہیں پتا۔ میری عمر دراز ہے یا نہیں ہے' یہ بھی مجھے نہیں پتا۔ البتہ یہ ضرور پتا ہے کہ نظر بد سے نہیں بچ سکا۔۔۔ جو لگنی تھی وہ لگ گئی۔"
اس نے تمسخرانہ سے انداز میں کہتے ہوئے جیسے اپنے آپ کا مذاق اڑایا تھا۔
"کہاں سے لگ گئی۔ ماشاء اللہ ٹھیک ٹھاک تو ہو۔۔۔؟" بی گل نے اسے سرتاپا دیکھا تھا۔
"یہی تو حیرت ہے کہ پھر بھی ٹھیک ٹھاک ہوں۔۔۔" اس نے سر جھٹکا۔
اس کی بات پہ ماورا نے بے ساختہ فارہ کی طرف دیکھا تھا۔
جبکہ فارہ خود نظریں جھکا کے رہ گئی تھی۔
کیونکہ ماورا کے ساتھ ساتھ وہ بھی تیمور کی نظروں میں اپنے آپ کو چور محسوس کرنے لگی تھی۔
"ارے نہیں بیٹا! ایسی باتیں نہیں کرتے۔ اور تم کھڑے کیوں ہو۔ ماورا! کہاں دھیان ہے تمہارا؟" بی گل نے ماورا کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اسے سرزنش کی تھی۔
"سوری بی گل! آپ لوگ بات کر رہے تھے تو میں نے ڈسٹرب نہیں کیا۔ آئیے تشریف رکھیے۔" ماورا نے ذرا

سائیڈ پہ رکھی کرسی کھینچ کر اسے بیٹھنے کا کہا تھا۔

"نو تھینکس! مجھے ڈاکٹرز کا نے کال کی تھی۔ بتا رہے تھے کہ شام کو بی گل کو ڈسچارج کر دیا جائے گا اس لیے میں نے سوچا کہ میں ایک بار خود تسلی کر لوں۔"

اس نے اپنے آنے کی وجہ بتائی۔

"تھینک یو سر! آپ نے دوبارہ زحمت کی۔ بی گل واقعی پہلے سے کافی بہتر ہیں۔"

"اوکے! میں بات کرتا ہوں ڈاکٹر سے۔" تیمور نے اثبات میں سر ہلایا۔

"لیکن سر! ابھی تو امی کسی کام سے گھر گئی ہوئی ہیں' وہ آجائیں تو پھر۔" ماورا نے اسے روکا۔ وہ قدم اٹھاتے اٹھاتے رک گیا تھا۔

"ڈسچارج ابھی نہیں کیا جا رہا۔ شام کو ہوں گی۔" تیمور نے اپنی بات پہ زور دیا۔

ان کے بلز بھی سیٹلڈ ہو جائیں گے۔ ڈونٹ وری!"

"مگر سر! مجھے یہ اچھا نہیں لگتا۔" ماورا دبے لفظوں میں بولی۔

"آپ کو تو میں بھی۔" تیمور کا ادھورا مگر برجستہ جواب تھا۔

جس کے بعد ماورا بھی چپ ہو گئی تھی اور تیمور بھی۔

البتہ فارہ اور بی گل کے سامنے دونوں کا ہی کچھ بھرم رہ گیا تھا' کیونکہ وہ دونوں آپس میں محو گفتگو تھیں۔

"چلتا ہوں!" وہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا اور ماورا پھر وہیں کھڑی دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

فارہ نے پورا دن آفاق کا انتظار کیا تھا۔

مگر ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ وعدے سے مکر گیا تھا۔

فارہ نے دو تین بار اس کے نمبر پہ کال بھی کی تھی مگر اس کا نمبر بند جا رہا تھا' پھر اس نے آفس کے نمبر پر کال کی۔

وہاں سے پتا چلا کہ وہ دن بارہ بجے ہی آفس سے اٹھ گئے تھے۔ "آفاق!" فارہ مٹھیاں بھینچ کے رہ گئی تھی۔

"فارہ! کیا بات ہے۔ کچھ پریشان ہو تم۔" ماورا نے اسپتال سے نکلتے ہوئے استفسار کیا۔

"نن۔ نہیں۔! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس صبح سے بیٹھے بیٹھے تھک گئی ہوں۔" فارہ نے تھکن کا بہانہ بنا دیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم گھر جا کر آرام کرو۔ ہم بھی نکلتے ہیں۔" ماورا گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔

"اوکے! کوئی پرابلم' کوئی مسئلہ ہو تو مجھے فون کر دینا۔ جھجکنے کی ضرورت نہیں ہے۔" فارہ اسے تاکید کرتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

ماورا نے پلٹ کر تیمور کی گاڑی کی طرف دیکھا تھا۔ وہ ماورا کے گاڑی میں بیٹھنے کا انتظار کر رہا تھا' کیونکہ وہ ان لوگوں کو اپنی نگرانی میں گھر چھوڑنے کی ذمہ داری پوری کرنا چاہتا تھا۔

فارہ کی گاڑی نکلتے ہی ماورا بھی بی گل کے ساتھ اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی اور ان کے بیٹھتے ہی تیمور نے بھی اپنی گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

☼ ☼ ☼

گاڑی مین روڈ پہ آتے ہی فارہ کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا تھا۔ اور اس کے آنسو اس کے رخساروں پہ بہہ نکلے تھے' اسے آفاق کے نہ آنے کا دکھ شدت سے رلا گیا تھا۔ وہ بے اختیار دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو پڑی تھی۔ اور پھر گھر آنے تک اس کی ہچکیوں کا اور آنسوؤں کا سلسلہ جاری رہا تھا۔

اس کے آنسو اور ہچکیاں رکنے میں نہیں آرہے تھے' جبکہ گاڑی گھر کے پورچ میں آرکی تھی۔ ڈرائیور نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا پھر اسے ڈسٹرب کیے بغیر گاڑی سے نیچے اتر گیا تھا۔

اس کے فون پہ بجنے والی رنگ ٹون نے اسے سنبھلنے پہ مجبور کیا۔ اس نے آہستگی سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے موبائل نکال کر دیکھا تھا۔ ثمینہ یزدانی اسے کال کر رہی تھیں۔ وہ ان کی کال ڈس کنیکٹ کرتے گاڑی سے نیچے اتر آئی تھی اور اپنے آپ کو کنٹرول کرتے ہوئے اندر آگئی تھی۔

"السلام علیکم آنٹی!" فارہ ان کا سامنا تو نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اب وہ اس کے لیے پریشان تھیں تو ان سے بات کرنا تو ضروری تھا۔

"وعلیکم السلام! اتنی دیر کر دی تم نے؟ میں پریشان ہو رہی تھی۔"

وہ فوراً" لپک کے اس کے قریب آئی تھیں۔

"سوری آنٹی! وہ ماورا کی بی گل ابھی اسپتال سے ڈسچارج ہوئی ہیں' وہ اکیلی تھیں تو میں بھی زیادہ دیر رک گئی۔" فارہ نے نظریں جھکاتے ہوئے معذرت کی تھی۔

"کیوں؟ آفاق نہیں آیا کیا؟" انہیں مزید تشویش ہوئی تھی کیونکہ وہ کافی دیر سے آفاق کے نمبر پہ بھی ٹرائی کر رہی تھیں' مگر نمبر بند جا رہا تھا اور وہ سمجھ رہی تھیں کہ شاید آفاق بھی اسپتال ہی چلا گیا ہو گا۔

"نہیں!" فارہ نے کہتے ہوئے چہرہ جھکا لیا تھا۔

"لیکن اس نے تمہیں کہا تو تھا کہ وہ آجائے گا؟" ثمینہ یزدانی کی پریشانی حد سے سوا ہو گئی تھی۔

"وہ صرف کہتے ہیں۔ کرتے نہیں ہیں۔" فارہ روہانسی آواز میں کہتی ہوئی یک دم اک جھٹکے سے پلٹ کر اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔

اور ثمینہ یزدانی کو اک نئی ٹینشن لگ گئی تھی۔

"اف! یہ لڑکا اب بھی اپنی لاپروائیوں سے باز نہیں آرہا؟ میں کیا کروں اس کا۔" ثمینہ یزدانی بے چینی کے مارے ڈرائنگ روم میں ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی تھیں۔

انہیں بار بار فارہ کی سرخ روئی روئی آنکھوں اور بھرائی ہوئی آواز کا خیال آرہا تھا۔ جب سے ان کی شادی ہوئی تھی۔ انہوں نے ایک بار بھی فارہ کو خوش باش اور کھلکھلاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس کی تو مسکراہٹ بھی انہیں زبردستی کی مسکراہٹ لگتی تھی۔ اسی چیز کو سوچ سوچ کر ان کا دماغ شل ہوتا رہتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آفاق! کہاں جا رہے ہو تم؟" زوبیہ اسے بیڈ سے اٹھتے دیکھ کر یکدم اس کے پاس آئی تھی۔

"گھر۔ اور کہاں؟" آفاق اپنے بوٹوں کے تسمے باندھنے لگا۔

"لیکن آفاق! تمہیں پتا ہے اس طرح۔" زوبیہ نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر آفاق نے اسے ٹوک دیا تھا۔

"مجھے پتا ہے۔ لیکن پہلے ہی بہت لیٹ ہو چکا ہوں۔ میری زوجہ اور میری والدہ مجھ پہ فاتحہ پڑھ چکی ہوں گی۔" وہ کہتا ہوا بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"اف! اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو۔ کیسی باتیں کرتے ہو۔" زوبیہ نے خفگی کا اظہار کیا۔
"کیا ہو رہا ہے بھئی؟" زوبیہ کے والد شاہ نواز نے کمرے میں آتے ہوئے استفسار کیا تھا۔
"ہو تو کچھ نہیں رہا۔ بس آپ اپنی بیٹی کو سمجھادیں کہ میرے لیے اتنی کانشس نہ ہوا کرے۔ ورنہ میرے دل کو کچھ ہونے لگتا ہے۔" آفاق کہتے ہوئے مسکرایا تھا۔ جس پہ وہ دونوں باپ بیٹی بھی ہنس پڑے تھے۔
"تم بھی کمال کے ہو اور تمہارا دل بھی کمال کا ہے۔ پل میں کچھ ہونے لگتا ہے۔" وہ دونوں باپ بیٹی خاصے لطف اندوز ہوئے تھے۔
"ہاں جی! آپ لوگوں کو پورا حق ہے کہ آپ ہمارا مذاق اڑاؤ۔ بہرحال اتنی خاطر تواضع کا بہت بہت شکریہ۔ میں ابھی چلتا ہوں۔ گھر جاکر بھی بہت کچھ فیس کرنا ہے۔"
وہ بھی جواباً مسکرایا تھا اور پھر ان لوگوں سے اجازت لے کر وہاں سے نکل آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ثمینہ یزدانی اس کے انتظار میں ابھی تک ڈرائنگ روم میں ٹہل رہی تھیں۔ ان کو اس طرح پریشانی اور فکر مندی کے عالم میں اپنے انتظار میں ٹہلتے دیکھ کر آفاق بے اختیار شرمندہ ہوا۔
"السلام علیکم مام!" آفاق کی آواز اور لہجہ شرمندگی کے مارے دھیما ہو گیا تھا۔
"کہاں تھے تم؟" ثمینہ یزدانی نے بے لچک انداز میں پوچھا۔
"اپنے ایک دوست کے ساتھ تھا۔" اسے یقین تھا کہ آج وہ اس کا یقین نہیں کریں گی۔
"جھوٹ مت بولو آفاق! مجھے سچ سچ بتاؤ' کہاں تھے تم؟ کہاں سے آ رہے ہو؟" ثمینہ یزدانی کا غم و غصے سے برا حال تھا۔
"ایم سوری مام! میری طبیعت خراب۔"
"شٹ اپ! شٹ اپ آفاق! مجھے تمہاری بکواس نہیں سننی۔ جھوٹ پہ جھوٹ۔ جھوٹ پہ جھوٹ۔ سن سن کر تھک گئی ہوں میں۔ شادی ہو چکی ہے تمہاری۔ اب بدل جاؤ۔ پہلے والی لاپروائیاں اور کوتاہیاں چھوڑ دو۔ ہمارا نہ سہی' اس کا ہی خیال کر لو جو اپنے ماں باپ' گھر بار' اور شہر تک چھوڑ آئی ہے تمہاری خاطر۔ اور تم اس کی خاطر اپنی عادتیں نہیں چھوڑ سکتے؟"

ثمینہ یزدانی یک دم پھٹ پڑی تھیں اور آفاق کا سر جھک گیا تھا۔ وہ اس کی کوئی بھی بات سننے کو تیار نہیں تھیں۔
"میں آخری بار کہہ رہی ہوں۔ اپنی عادتیں بدل لو آفاق! ورنہ مجھے فارہ کے لیے کوئی انتہائی فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔ یہ نہ ہو کہ بعد میں تم کو پچھتانا پڑے۔"
ثمینہ یزدانی بپھرے ہوئے انداز میں کہہ کر اس کے پاس سے گزر کے چلی گئی تھیں اور آفاق گہری سانس خارج کرتے ہوئے پلٹ کر ڈھیلے ڈھالے قدم اٹھاتا اوپر آ گیا تھا۔ دروازہ کھول کے اندر داخل ہوا ہی تھا کہ قدم ایک بار پھر ٹھٹک گئے تھے۔
سامنے ہی فارہ کھڑکی کے دونوں پٹ کھولے' کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔
اس نے دروازے کی آہٹ پہ بھی پلٹ کر پیچھے نہیں دیکھا تھا وہ دروازہ بند کر کے آہستہ قدموں سے چلتا اس کے قریب آیا۔
"ایم سوری فارہ! ایم رئیلی سوری!" اس نے آہستگی سے معذرت کی۔ "مجھے پتا تھا تمہیں بہت انتظار رہا ہوگا۔ تم نے

فون بھی ٹرائی کیا ہوگا' لیکن پھر بھی۔" آفاق کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اس کے سامنے کون سا بہانہ کرے؟ کہ وہ مان جائے۔ ثمینہ یزدانی تو اس پہ اپنا غبار نکال کر چلی گئی تھیں۔
"فارہ! وہ دراصل۔۔۔" اس نے اس کے عقب میں کھڑے کھڑے اس کے کندھوں پہ دونوں ہاتھ رکھے تھے اور فارہ بدک کر دور ہٹ گئی تھی۔
"ڈونٹ ٹچ می آفاق یزدانی! ڈونٹ ٹچ می!" وہ غصے سے پھنکار اٹھی تھی۔
"فارہ!" اس نے پھر کچھ کہنا چاہا تھا۔
"بس۔ اب اور نہیں۔ اب اور برداشت نہیں ہے مجھ میں۔ انگیج منٹ سے لے کر اب تک بہت سہہ لیا میں نے۔ بہت دیکھا' بہت سوچا' بہت چاہا۔ مگر وہ حاصل نہ ہوا جس کے آپ نے دعوے کیے تھے اور جس کے آپ نے وعدے کیے تھے۔ سب بے کار ہے۔ میں بھی اور میری محبت بھی۔ کوئی قدر نہیں' کوئی ویلیو نہیں ہے آپ کی نظروں میں۔ اور جہاں انسان کی کوئی اہمیت نہ ہو وہاں وہ پاؤں کی جوتی کے برابر ہوتا ہے۔ ضرورت کے وقت پہن لینا۔ پھر اتار پھینکنا۔"
فارہ نے اس کے سامنے کبھی اس طرح سخت لہجے اور سخت الفاظ استعمال نہیں کیے تھے۔ مگر آج برداشت جواب دے گئی تھی۔
آج اس کی ماورا کے سامنے سبکی ہوئی تھی۔ کل کو کسی اور کے سامنے بھی ہو سکتی تھی۔ آج اس کا اپنی دوست کے سامنے مان ٹوٹا تھا' کل کو اپنے گھر والوں کے سامنے بھی ٹوٹ سکتا تھا' جبکہ وہ ٹھہری ایک نرم اور حساس لڑکی۔ اس سے یہ سب سہنا مشکل ہی نہیں بلکہ بہت ہی مشکل تھا۔
"صرف اس بار معاف کر دو فارہ! آئندہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" آفاق نے پھر ایک کوشش کی۔
"ایک شرط پر معاف کر سکتی ہوں۔!" فارہ نے روئی روئی متورم آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا مگر بہت سرد و سپاٹ سے انداز میں۔
"کیا؟" آفاق نے فوراً پوچھا۔
"مجھے طلاق دے دیں!" فارہ نے جیسے بم پھوڑ دیا تھا۔
چٹاخ۔۔۔! دوسرے ہی لمحے آفاق کا ہاتھ اٹھا اور ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کا نشان فارہ کے چہرے پر نقش کر گیا تھا۔
"آئندہ تمہاری زبان نے اس لفظ کو چھوا بھی تو مجھ سے برا کوئی بھی نہیں ہوگا۔" آفاق کا چہرہ غصے سے تپ اٹھا تھا' اس کے لہجے اور آواز کی نرمی' تلخی میں بدل گئی تھی۔
فارہ کے آنسو چھلک آئے تھے۔
"میری بیوی بننے کے بعد تم صرف بیوہ ہو سکتی ہو' طلاق یافتہ نہیں۔ آزاد ہونا چاہتی ہو تو میرے مرنے کی دعا کرو۔"
فارہ روتی بلکتی وہیں بیڈ پہ ڈھیر ہو گئی تھی۔
ان دونوں کی رات یونہی جلتے سلگتے اور کڑھتے ہوئے گزر گئی تھی۔

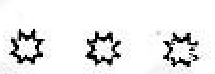
☼ ☼ ☼

"مجھ سے ملو۔" عزت کے نمبر پہ ولید کا یہ لا بے چین سا اور لو دیتا ہوا میسج موصول ہوا تھا اور عزت نیند سے

اٹھتے ہی جیسے دن بھر کے لیے سیراب ہوگئی تھی۔
"کیسے؟" اس نے بڑی شرارت سے پوچھا۔
"ملوگی تو بتاؤں گا کہ کیسے۔" فوراً جواب آیا۔
"ابھی بتادو۔" اس نے بچوں کی طرح ضد کی۔
"ابھی مل لو۔" وہ بھی اسی کے سے انداز میں کہہ رہا تھا۔
"اتنی بے چینی کیوں۔"
"میرا دل کہہ رہا ہے۔ جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ اور اس ہونے سے پہلے کچھ اور ہوجائے' بس یہی دل چاہ رہا ہے۔" ولید کا میسج دیکھ کر عزت کا دل دہل گیا تھا۔
"صبح صبح ایسی باتیں؟" وہ خفا ہوئی۔
"صبح صبح دل چاہ رہا تھا کہ آنکھ کھلے اور نظروں کے سامنے تمہاری صورت ہو۔ لیکن افسوس۔"
"افسوس بعد میں کرنا۔ ابھی ناشتا کرو۔" عزت بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
"پھر ملوگی؟" اگلا میسج آیا۔
"نہیں! پھر یونیورسٹی جانا ہے۔" جواب بھی تیار تھا۔
"پھر اس کے بعد ملوگی؟" پھر استفسار۔
"نہیں! پھر گھر آنا ہے۔" پھر انکار۔
"عزت!" اس کی التجا اک لفظ سے ہی نظر آرہی تھی۔
"جی ولید!" اس کی شرارتوں کو عروج مل رہا تھا۔
"میری محبت' میرے اظہار' میری بے چینی اور میرے قرار کا پہلا دن ہے آج۔ ستاؤ مت۔ ساتھ دو۔ حوصلہ افزائی کرو۔ دل بہت دھڑک رہا ہے۔"
ولید کا یہ میسج پڑھ کر تو عزت کے منہ سے یکدم ایک کھلکھلاتا ہوا قہقہہ پھوٹ نکلا تھا۔ اور اس قہقہے سے اس کے کمرے کے درودیوار گونج اٹھے تھے۔
"ارے واہ! یہ اکیلے اکیلے پھول کیوں بکھیرے جارہے ہیں۔؟" رضا حیدر اس کے بیڈ روم کے سامنے سے گزرتے گزرتے ٹھہر گئے تھے اور پھر دروازہ کھول کر اندر بھی آگئے تھے۔
"کچھ نہیں بابا! ایک دوست کا میسج پڑھ کر ہنسی آگئی۔" عزت آگے بڑھ کے ان کے کندھے سے لگ گئی تھی۔

"ہوں گڈ! خوش رہو۔ ہمیشہ ہنستی رہو میری جان۔" رضا حیدر نے اس کا ماتھا چوم کر اس کا سر تھپکا تھا۔
"تھینک یو بابا! دعا کریں میری زندگی کی ہر صبح ایسی ہی ہو' تازہ' امنگوں اور محبتوں کے احساس سے بھری ہوئی۔" عزت نے بڑی چاہ سے کہا تھا اور رضا حیدر مسکرا اٹھے تھے۔
"ان شاءاللہ!"
"تھینکس اگین بابا!" وہ آج بات بے بات چہک رہی تھی۔
"پگلی۔! اب جاؤ اور فریش ہوکر نیچے آجاؤ۔ ناشتا تیار ہوچکا ہے۔" وہ اس سے کہتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے تھے اور عزت ابھی آنے کا کہہ کر پھر سے موبائل کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔
"سوری! بابا آگئے تھے۔ لیکن تم نے بتایا نہیں دل کیوں دھڑک رہا ہے؟"

وہ اس سے سننا چاہتی تھی۔
"سب بتاؤں گا۔ تم ایک بار ملو تو سہی۔" وہ جیسے زچ ہوگیا تھا۔
"اوکے سوچتی ہوں۔" وہ بھاؤ کھانے لگی۔
"کس بارے میں؟" اسے تعجب ہوا۔
"یہی تم سے ملنے کے بارے میں۔" وہ اترا کے لکھ رہی تھی۔
"ہاں ہاں۔ تمہارا حق بنتا ہے کہ تم بدلہ چکاؤ۔ ٹھیک ہے۔ میں صبر سے انتظار کرتا ہوں۔" "شاباش۔ گڈبائے۔" عزت نے آخری میسج لکھنے کے ساتھ ہی واش روم کا رخ کیا تھا کیونکہ وہ لیٹ ہورہی تھی اور اسے یونیورسٹی کے لیے تیار بھی ہونا تھا ابھی۔



"مس سحرش! مس ماورا مرتضیٰ کہاں ہیں۔" تیمور اس کی خالی سیٹ دیکھ کر اپنی پی اے کی طرف پلٹا تھا۔
"سوری سر! ماورا مرتضیٰ تو آج بھی نہیں آئیں۔" اس کی پی اے نے نفی میں سرہلاتے ہوئے تیمور کو ٹھٹکنے پر مجبور کردیا تھا۔
"واٹ! وہ مسلسل تین دن سے غیر حاضر ہیں کیوں۔؟" تیمور کو خفگی اور الجھن ہوئی تھی۔ "آپ نے کانٹیکٹ کیا ان سے؟" اس نے سحرش زمان سے کنفرم کروانا چاہا تھا۔
"جی سر! ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی کانٹیکٹ کیا ہے۔ ان کی شاید دادی اماں بیمار ہیں' اس لیے ان کی تیمارداری کی وجہ سے نہیں آرہیں۔" سحرش زمان سے جو کہا گیا تھا۔ اس نے بتادیا تھا۔
"وہ جانتی ہیں ان کا پروجیکٹ کتنا لیٹ ہورہا ہے۔ اس کی وجہ سے ہمارے کام پہ کتنا برا اثر پڑے گا' اور کتنا نقصان ہوگا ہمیں۔" تیمور کو غصہ آیا تھا۔
"سر! وہ کہتی ہیں کہ وہ کور کرلیں گی۔"
"کیسے؟ تین چار دن کا کام کیسے کور ہوگا۔؟" وہ مسلسل جھنجلا رہا تھا۔
"سر! انہوں نے اپنی فائل گھر پہ ہی تیار کرلی ہے' اور آج ڈرائیور کے ہاتھ آفس بھجوادیں گی۔ اس لیے پروجیکٹ لیٹ نہیں ہوگا اور نہ ہی کام میں کوئی رکاوٹ آئے گی۔"
ماورا مرتضیٰ اس سے بھی دو ہاتھ آگے ثابت ہوئی تھی۔ اس نے تیمور کے اعتراض والا پیج ہی نہیں اگنے دیا تھا۔ سر اٹھاتے ہی ختم کردیا تھا۔
"ہوں۔ تو یہ بات ہے۔" (یعنی وہ آفس سے کترا رہی ہے۔) وہ اب اس کی اصل رمز سمجھ گیا تھا اسی لیے سحرش زمان سے مزید استفسار نہیں کیے تھے۔
"اوکے۔ ٹھیک ہے!" وہ کہہ کر اپنے روم میں آگیا تھا' مگر اسے بھلا چین کب آسکتا تھا؟ اس نے کچھ دیر بعد ماورا کا نمبر ڈائل کرلیا تھا۔
"ہیلو۔!" ماورا کی بہت بھری ہوئی سی آواز سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔
"تیمور حیدر بات کررہا ہوں۔" اس نے جان بوجھ کر تعارف کروایا۔
"میرے سیل کی اسکرین فی الحال ٹھیک کام کررہی ہے۔ نام اور نمبر با آسانی دیکھ لیے جاتے ہیں۔"
"لیکن آپ کے ذہن کی اسکرین کے سسٹم میں شاید کوئی گڑبڑ ہے۔ آپ کو بھول چکا ہے کہ تین چھٹیوں سے

زیادہ کی اجازت نہیں ہے۔ اور یہ اس آفس کے رولز میں ہے۔ آپ یہ رولز نہیں توڑ سکتیں۔" تیمور کا دماغ اور ہی ہو رہا تھا۔

"لیکن سر! آپ اگر اپنے ذہنی سسٹم سے کام لے کر غور کریں تو آپ کو پتا چلے گا کہ میں نے آپ کے آفس کے رولز بالکل نہیں توڑے۔ آج میری تیسری چھٹی ہے۔ چوتھی نہیں۔ آپ کو یہ کال کل کرنی چاہیے تھی۔ وہ بھی تب، جب میں آفس نہ آتی۔"

وہ اس کی بات پر بے ساختہ چونکا تھا اور پھر اس کی ذہانت پہ سر جھٹک کر رہ گیا تھا۔

"یہی بات انفارم کرنے کے لیے کال کی ہے کہ مزید چھٹی کی گنجائش نہیں ہے، پلیز اب احتیاط کریں۔" تیمور بھی پینترا بدل گیا تھا۔

"اگر میں اس جاب سے ہی احتیاط کرنا چاہوں تو؟" ماورا کی بات پہ اس کا ماتھا ٹھنکا۔

"کیا مطلب؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"مطلب یہ کہ اگر میں یہ جاب چھوڑ دوں تو؟" ماورا جو اتنے دنوں سے سوچ رہی تھی کہہ ہی گئی تھی مگر تیمور حیدر کو حیرتوں کے سمندر میں دھکیل گئی تھی۔

"یہ جاب چھوڑ دیں مگر۔" تیمور کچھ کہتے کہتے رک گیا تھا۔

"کیا مگر؟ آپ جو کہنا چاہتے ہیں کھل کے کہیں پلیز۔" ماورا نے اسے بولنے پہ اکسایا تھا۔

"کچھ نہیں! آپ کل آفس آئیں پھر آپ سے بات ہوگی۔" اس نے فون بند کرنا چاہا تھا۔

"اس سے کیا فرق پڑے گا بھلا؟" وہ لاپروائی سے بولی۔

"آپ چاہتی کیا ہیں آخر۔" تیمور کا دماغ ماؤف ہونے کو تھا اور وہ لڑکی ہے یا بھول بھلیاں۔ اس کی ذات کا اس کی بات اس کی ملاقات کا کوئی سرا ہی ہاتھ نہیں آرہا تھا۔

"میں جو چاہتی ہوں وہ آپ کے اختیار سے باہر ہے۔" ماورا کا استہزا تیمور کو کھا گیا تھا۔

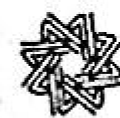
"ایسا کیا ہے آخر؟" وہ زچ ہونے کو تھا۔

"آپ کے لیے شاید کچھ بھی نہ ہو۔ مگر میرے لیے بہت کچھ ہے۔ اس لیے میں یہ جاب چھوڑ کر کہیں اور قسمت آزمانا چاہتی ہوں۔ مجھے اپنی قسمت پر پورا بھروسا ہے۔" وہ بڑے پرسکون اور تحمل آمیز لہجے میں بات کر رہی تھی۔

"دیکھیں مس ماورا مرتضیٰ! آپ کل آفس آرہی ہیں اور میری آپ سے بات اب آفس میں ہی ہوگی اور جو بھی بات ہوگی وہ زندگی کی فیصلہ کن اور آخری بات ہوگی۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔ تیمور حیدر کا وعدہ۔ یعنی ایک مرد کا وعدہ۔ اللہ حافظ۔"

تیمور نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور کچھ دیر کے لیے دونوں طرف سناٹا چھا گیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)









نبیلہ عزیز



ماورا مرتضیٰ' عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایئر پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "ساشا کو جانا پڑتا ہے۔ وہ آفاق کی بدتہذیبی پر خفا ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

منزہ ثمینہ اور نیرو کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شاندار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیرو کے بیٹے سے فارہ کی بہن حمنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید انجان بن جاتا ہے۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق یزدانی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثمینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔

اشتیاق یزدانی' آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ عزت' تیمور کے موبائل سے ولید کا نمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ رضا حیدر' تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی تاریخ میں ماورا کو





بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ ماورا عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ عزت اپنے دل کی کیفیات ساشا سے بیان کر دیتی ہے۔ ماورا بی گل کو بتاتی ہے کہ وہ رضا حیدر کے بیٹے تیمور حیدر سے ملی ہے۔ بی گل دم بخود رہ جاتی ہیں۔

شادی میں تیمور حیدر، ماورا کے قریب آنے کی کافی کوشش کرتا ہے مگر ماورا کا سخت اور کھردرا رویہ ہر بار اسے ناکام کر دیتا۔ تیمور، ماورا سے رضا حیدر کو ملواتا ہے۔ رضا حیدر اسے دیکھ کر چونک جاتے ہیں مگر باوجود کوشش کے وہ سمجھ نہیں پاتے۔ فارہ کی ہی شادی میں عزت کی ملاقات قیام مرزا کے بیٹے مونس مرزا سے ہوتی ہے۔ وہ سخت بیزار ہوتی ہے جبکہ مونس خوب دلچسپی لیتا ہے۔

آفاق آدھی رات کو غائب ہو جاتا ہے۔ فارہ پریشان ہوتی ہے۔ وہ صبح آ کر بتاتا ہے کہ اس کے دوست کے ساتھ کوئی ایمرجنسی ہو گئی تھی۔ اس لیے اس کے آرام کا خیال کرتے ہوئے وہ بغیر بتائے چلا گیا تھا۔ مگر فارہ اس کی بات پہ یقین نہیں کرتی۔ تیمور، فارہ کے ذریعے ماورا کو اپنے آفس میں ایک شاندار پیکج پر جاب کی پیشکش کرتا ہے جسے ماورا کافی حیل حجت کرنے کے بعد قبول کر لیتی ہے۔

۱۷
سترہویں قسط

ماورا لب بھینچ کے رہ گئی تھی۔

اور ہاتھ میں پکڑا موبائل صوفے پہ اچھال دیا تھا اور پھر دونوں ہاتھوں میں سر تھامتے ہوئے خود بھی صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔

"تم اچھا نہیں کر رہے تیمور حیدر! تم اچھا نہیں کر رہے.... تم کھیل رہے ہو اپنے آپ سے.... اپنے جذبات سے، تمہیں ماورا مرتضیٰ سے کچھ حاصل نہیں ہو گا.... کچھ بھی نہیں.... میں نے بارہا چاہا اور بارہا سوچا ہے کہ تمہیں اپنے مفاد کے لیے استعمال نہ کروں.... کئی بار روکا ہے اپنے آپ کو.... میں اپنے عہد اور ارادوں سے نہ پھرنے والی لڑکی، صرف تمہاری وجہ سے کئی بار پھر چکی ہوں۔ ڈبل مائنڈڈ ہو کر رہ گئی ہوں.... سوچتی کچھ ہوں.... کرتی کچھ ہوں.... اور.... اور ہوتا کچھ ہے.... صرف تمہاری ذات کی اچھائی کی وجہ سے.... مگر تم ہو کہ خودکشی پہ تلے بیٹھے ہو.... میرے بتانے کے باوجود.... سب کچھ نظر آنے کے باوجود خودکشی پہ بضد ہو....؟ پلیز تیمور حیدر مت کروایسا.... پلیز مت کروایسا.... تمہاری تکلیف پہ تکلیف ہو گی مجھے.... دکھ ہو گا مجھے۔"

وہ سوچتے سوچتے تھک گئی تھی اور گہری سانس لیتے ہوئے یک دم اپنے سر سے اپنے ہاتھ پیچھے ہٹا لیے تھے اور اک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی....



"کیا بات ہے بڑی خوش نظر آ رہی ہو....؟" ساشا نے یونیورسٹی کی سیڑھیاں اترتے ہوئے عزت کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا....

اور عزت اس کے سوال پہ بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔

"خوش نظر نہیں آ رہی.... بلکہ خوش ہوں...." اس نے اپنے خوش ہونے پہ زور دیا تھا جس پہ ساشا نے اسے مزید غور سے دیکھا تھا۔

"اچھا....؟ میں سمجھی کہ نظر آ رہی ہو.... خیر.... وجہ بھی بتا دو؟" اس نے ایک اور استفسار کیا....

"وجہ۔۔۔ ولید رحمان کے علاوہ۔۔۔ اور کیا ہو سکتی ہے۔۔۔؟" دونوں ایک ساتھ چلتی لان میں آ گئی تھیں۔

"ولید رحمان۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔؟" ساشا کو اچنبھا ہوا تھا۔

"مطلب کہ اب کچھ بھی یک طرفہ نہیں ہے۔۔۔ اب وہ بھی اسی راہ کا مسافر ہے۔ جس کی میں ہوں۔۔۔ اس کی محبت کے اظہار کا پیالا لبالب بھرا پڑا ہے اور چھلکنے کو بے تاب ہے۔" وہ کتابیں اور بیگ گھاس پہ رکھتے ہوئے خود بھی بیٹھ گئی تھی اور ساشا بھی۔

"پھر۔۔۔؟" ساشا نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پھر یہ کہ میں ہی میسر نہیں ہو رہی۔" اس نے لاپروائی سے کہتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔

"کیوں۔۔۔؟ تم کیوں میسر نہیں ہو رہی ہو؟ اب کیا مسئلہ ہے۔۔۔؟"

"اب مسئلہ نہیں ہے۔۔۔ مشغلہ ہے۔۔۔ بس اسے تھوڑا ستا کر مزا آ رہا ہے۔۔۔ وہ میرے لیے بے قرار ہو رہا ہے۔۔۔ اور مجھے جیسے سکون آ رہا ہے۔۔۔ میری بے قراریوں کو قرار آ رہا ہے۔۔۔" عزت بڑے سکون سے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی تھی اور ساشا نے اس کے چہرے کو ایک بار پھر دیکھا تھا۔

"اور وہ مونس مرزا۔۔۔ اس کا قصہ کیا ہوا بھلا۔۔۔؟" ساشا جیسے سارے سوال آج ہی پوچھ لینا چاہتی تھی۔

"وہ بھی اس کو ہی ستانے کا اک طریقہ تھا مگر اس طریقے کو آزمانے کے لیے مجھے اپنی برداشت آزمانا پڑ سکتی تھی۔۔۔ اس لیے مونس مرزا کو اسی روز کہہ دیا تھا کہ میں مزید آگے نہیں جا سکتی۔۔۔ مجھے راستے میں ہی ڈراپ کر دے۔۔۔"

"تو اس نے ڈراپ کر دیا تمہیں۔۔۔؟" ساشا کا سوال عجیب معنی لیے ہوئے تھا کیونکہ مونس مرزا کے متعلق وہ بھی کافی کچھ سن چکی تھی۔

"آف کورس۔۔۔!" اس کی لاپروائی ہنوز تھی۔

"مگر عزت۔۔۔ وہ ڈراپ کر دینے والوں میں سے نہیں ہے۔۔۔ تم اس کی ریپوٹیشن اور اس کی نیچر کو نہیں جانتیں۔" ساشا نے اسے بتانا چاہا تھا۔

"وہ بھی میری ریپوٹیشن اور نیچر کو نہیں جانتا۔۔۔" عزت نے اپنی بات پہ زور دیا تھا۔

"تم اسے راستے میں چھوڑ کر پلٹی ہو۔۔۔ وہ کبھی بھولے گا نہیں۔۔۔ بلکہ تمہارا اپنی منزل پہ پہنچنا مشکل کر دے گا۔"

"پلیز ساشا۔۔۔! میں بہت اچھے موڈ میں ہوں۔۔۔ میرا موڈ خراب مت کرو۔" عزت کوفت سے بولی تھی۔

"تم نے بھی اس کا اچھا موڈ خراب کیا ہے۔۔۔ اسی لیے وہ انتظام کر رہا ہے۔" ساشا بڑبڑائی تھی۔

"کیا مطلب۔۔۔ انتظام۔۔۔؟" عزت چونکی۔

"کچھ نہیں۔۔۔ تمہارا موڈ خراب ہو گا۔۔۔ فی الحال تم انجوائے کرو۔" اب کی بار ساشا نے لاپروائی دکھائی تھی اور عزت نا سمجھی سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔



"عزت۔۔۔!" وہ یونیورسٹی کی پارکنگ سے گاڑی نکال رہی تھی جب اسے ولید کا میسج موصول ہوا تھا اور اس کا میسج دیکھ کر عزت کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"ہوں۔۔۔؟" اس نے یک لفظی جواب دیا تھا۔

"انتظار...!" ولید کا جواب بھی فوراً آیا تھا۔

"کس کا...؟" عزت نے بڑے اطمینان سے پوچھا۔

"عزت کا...!" اگلا جواب۔

"وہ تو گھر جا رہی ہے...؟" لاپروائی سے میسج سینڈ کیا تھا۔

"اور ولید یہاں ٹیبل ریزرو کروائے بیٹھا ہے..." ولید نے جیسے دہائی دی تھی...

"کہاں...؟" عزت بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

"وہیں... جہاں ملاقات ادھوری رہ گئی تھی..." اس کا جواب فوری تھا۔

"اوہ...!" عزت سوچ میں پڑ گئی تھی اور پھر یوٹرن لیتے ہوئے گاڑی کا رخ بدل دیا تھا...!



صبح آفاق کی آنکھ خاصی دیر سے کھلی تھی اور آنکھ کھلتے ہی اس نے فوراً اپنے بیڈ کی برابر والی سائیڈ کی طرف دیکھا تھا... سائیڈ خالی تھی۔

"فارہ...!" وہ زیر لب اس کا نام لیتے ہوئے کہنی کے بل سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

اس کے ذہن میں وہی رات والا منظر گھوم رہا تھا' جب فارہ کے جذباتی پن پہ اس نے اس کے چہرے پہ تھپڑ دے مارا تھا... اور اس تھپڑ کا خیال آتے ہی اس کے دل میں پچھتاوے کی ایک لہر سی دوڑ گئی تھی اور وہ فارہ کو دیکھنے اور اس سے بات کرنے کے لیے بے چین ہو گیا تھا۔

"فارہ...!" وہ اسے آواز دیتے ہوئے کمبل ہٹا کر بستر سے اٹھ گیا تھا۔

"فارہ...!" وہ اسے بیڈ روم اور واش روم میں کہیں بھی نظر نہ آئی تو وہ کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

"فارہ... فارہ...! امی... فارہ کہاں ہے...؟" فارہ کو آوازیں دیتے وہ ثمینہ یزدانی کو دیکھ کر رک گیا تھا۔

"تمہیں بہتر پتا ہو گا..." ان کا لہجہ سرد تھا مگر آفاق نے نوٹ نہیں کیا تھا۔

"میں ابھی سو کر اٹھا ہوں... مجھے نہیں پتا... آپ اسے بیڈ روم میں بھیج دیں مجھے بات کرنی ہے اس سے..." آفاق لاپروائی سے کہتا پلٹ گیا تھا۔

"فارہ یہاں نہیں ہے...؟" ثمینہ یزدانی کے سرد و سپاٹ سے لہجے پہ آفاق کے آگے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔

"فارہ یہاں نہیں ہے... کیا مطلب...؟" وہ ٹھٹک کر دوبارہ ان کی طرف پلٹا تھا۔

"وہ چلی گئی ہے..." ان کا انداز ہنوز تھا۔

"چلی گئی ہے...؟ مگر کہاں...؟" آفاق ناسمجھی سے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"فیصل آباد..." ان کا جواب انتہائی سرد اور مختصر تھا مگر آفاق کے لیے کسی زوردار دھماکے سے کم نہیں تھا...

"واٹ... فارہ فیصل آباد چلی گئی...؟ مم... مگر کیوں...؟" آفاق کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کا دل کھینچ کے نکال لیا ہو...

"اسی لیے تو کہا ہے کہ تمہیں بہتر پتا ہو گا..." ثمینہ یزدانی کہہ کر پلٹ گئی تھیں۔

"مگر مجھے نہیں پتا امی... وہ' وہ مجھے بتائے بغیر گئی ہے... اس نے مجھے بتایا بھی نہیں۔" آفاق اس وقت صدمے کی حالت میں تھا اس سے کچھ کہا ہی نہیں جا رہا تھا۔

”تم بھی تو اکثر اسے بتائے بغیر ہی جاتے ہو۔۔۔اسے پتا بھی نہیں ہوتا؟“ ثمینہ یزدانی تلخی سے کہتی ہوئی چلی گئی تھیں اور آفاق جہاں کا تہاں کھڑا رہ گیا تھا۔۔۔!



”ہیلو۔۔۔“ ولید اپنے دھیان میں بیٹھا دوسری طرف میں دیکھ رہا تھا‘ جب اچانک عزت کی آواز پہ چونک کر دیکھنا پڑا تھا۔۔۔وہ عین اس کے سامنے کھڑی تھی۔۔۔ولید یکدم گڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”ہائے۔۔۔!“ اس نے فوراً ”اپنے آپ کو سنبھالا کیا تھا۔

”ہاؤ آر یو۔۔۔؟“ عزت نے بڑے کھنکتے لہجے میں پوچھا تھا۔

”فائن۔۔۔! پلیز۔۔۔“ اس نے کہتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا اور عزت مسکراتی ہوئی سر ہلا کر بیٹھ گئی تھی۔

”تھینک یو۔۔۔“ ساتھ ہی اس کا شکریہ بھی ادا کیا تھا۔ اور ولید اس کے مقابل کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بے ساختہ ہنس دیا تھا۔

”وجہ۔۔۔؟“ عزت نے اس کے ہنسنے پہ ذرا تعجب کا اظہار کیا تھا۔

”یہی کہ ہم اگر اس طرح تھینکس وغیرہ سے ملاقات کا آغاز کریں گے تو ملاقات بہت ہی پرتکلف ملاقات ہو گی۔۔۔“ اس نے ہنسنے کی وجہ بیان کی۔

”تو۔۔۔؟“ عزت نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے بھنویں اچکائیں۔

”تو یہ کہ۔۔۔“ ولید بات ادھوری چھوڑتے ہوئے سر کھجانے لگا تھا اور اس کے ہونٹوں تلے دبی مسکراہٹ

صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"کہ....؟" عزت کی نظریں سوالیہ تھیں۔

"میں پر تکلف ملاقات نہیں چاہتا...." لہجہ معنی خیز سا ہو رہا تھا۔

"کیوں....؟" عزت کی نظریں ہنوز سوالیہ تھیں۔

"کیوں کہ میں بے تکلف ملاقات چاہتا ہوں.... ایسی ملاقات.... جس سے روٹھی ہوئی گزشتہ ملاقاتیں بھی مسکرا اٹھیں.... اور آئندہ کی ملاقات اس ملاقات کے تصور سے ہی مہک جائیں...." ولید کا لہجہ مسکرا رہا تھا اور مہک بھی رہا تھا، جس سے عزت کا دل بیٹھے بیٹھے بے طرح دھڑکا تھا.... اور اتنا دھڑکا تھا کہ اس جیسی انتہائی بولڈ لڑکی کے رخساروں پہ بھی خفیف سی سرخی دوڑ گئی تھی۔

"میں گھر جا رہی تھی.... راستے سے پلٹی ہوں۔" اس نے بات بدل دی۔

"میں بھی راستے سے ہی پلٹا ہوں...." اس کا مفہوم اور تھا۔

"کوئی ضروری کام....؟" عزت اس کی ہر بات سے کترانے کی کوشش کر رہی تھی، کیوں کہ اس کی ہر بات ہی آج کچھ معنی لیے ہوئے تھی۔

"اس سے ضروری کام اور کوئی نہیں ہے عزت.... پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے.... زندگی بہت مختصر ہے.... اور بکھیڑے ہزاروں...." ولید کی بات پہ عزت نے یکدم تڑپ کر دیکھا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو ولید....؟"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں.... اور میں اپنے بکھیڑوں سے ڈرتا تھا.... بے بسی اچھے بھلے انسان کو بے بس کر دیتی ہے.... خصوصاً" اس وقت جب مجھ جیسا شخص تم جیسی لڑکی سے محبت کی جرات اور جرات کے بعد اعتراف کر لیتا ہے۔" ولید بے حد گھرے لہجے میں بولا تھا اور عزت اس کی بات پہ الجھ الجھ گئی تھی۔

"مجھ جیسا شخص....؟" عزت نے دہرایا۔

"ہاں مجھ جیسا.... جو اپنی اوقات نہیں دیکھتا.... اور عزت حیدر جیسے چاند کی تمنا کر بیٹھتا ہے.... جسے پتا بھی ہے کہ چاند کی تمنا.... لاحاصل ہے.... چاند کسی کو نہیں ملتا.... اور نہ ملے گا...." ولید کافی حقیقت پسندی کا مظاہرہ کر رہا تھا اور عزت نے بڑے اطمینان سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اپنی اوقات عزت حیدر سے پوچھو...." عزت کا لہجہ حد درجہ مضبوط تھا۔

"وہی تو پوچھنے آیا ہوں...." ولید کا لہجہ بھی بدل چکا تھا۔

"کیا کیا بتاؤں....؟" عزت نے ڈائریکٹ اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"صرف یہ.... کہ میں جو ہوں.... جیسا ہوں.... وہی کافی ہوں۔ یا مجھے اپنا آپ اور اپنی اوقات بدلنی ہوگی....؟ دولت کے پیچھے بھاگنا پڑے گا.... یا گزارا ہو جائے گا....؟" ولید نے عزت کے چہرے پہ نظروں کا لمس ثبت کیا تھا اور عزت کے چہرے کو اک دلفریب مسکراہٹ چھو گئی تھی۔

"گزارا ہو جائے گا...." عزت کا لہجہ بہت شریر تھا، ولید نے بمشکل دل کو سنبھالا دیا۔

"سوچ لو عزت.... مفلسی اور بے روزگاری آئے روز میرے گھر کی مہمان بنی رہتی ہیں۔ آج یہ جاب ہے.... کل نہیں ہوگی.... گزارا کیسے ہوگا....؟" ولید اسے ہر قسم کی مشکل سچویشن سے آگاہ کرنا چاہ رہا تھا۔

"جاب نہ ہوئی.... نہ سہی.... تم تو ہو گے ناں....؟ اور گزارے کے لیے تم کافی ہو میرے لیے.... جاب سے بھلا کیا ہوتا ہے.... جو ہوتا ہے.... وہ تو جناب سے ہوتا ہے۔" عزت کا اشارہ ولید کی طرف تھا اور ولید اس کے اشارے پہ بے ساختہ ٹھہر گیا تھا۔

"کیا اس جناب سے آپ کے گھر والوں کا بھی گزارا ہو جائے گا۔۔۔" اس نے بھی مسکرا کر پوچھا۔
"میرا ہو جائے گا۔۔۔ گھر والوں کا نہ بھی ہوا تو چلے گا۔۔۔" وہ بھی بڑی لاپروائی سے بولی تھی اور اب کی بار ولید قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔
"رضا حیدر۔۔۔ آپ کے فادر محترم بڑے کاروباری آدمی ہیں' اتنا گھاٹے کا سودا نہیں کریں گے۔۔۔"
"کاروباری آدمی تو میرے برادر محترم بھی ہیں۔۔۔؟" عزت نے تیمور کا ذکر کیا۔
"فکر ناٹ۔۔۔ بی کاز۔۔۔ وہ اپنا فرینڈ محترم بھی ہے۔۔۔ یہ سودا ہنس کے قبول کرے گا۔۔۔" ولید کو تیمور پہ یقین تھا اور عزت کو بھی۔۔۔ اسی لیے اس نے بھی اثبات میں سر ہلایا تھا۔
"تو پھر اب مطلب کی بات کریں۔۔۔؟ سوری۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ محبت کی بات کریں۔۔۔؟" ولید نے جان بوجھ کر کہتے ہوئے تصحیح کی تھی اور عزت بھی ہنس پڑی تھی۔



ماورا آج بالآخر آفس آ ہی گئی تھی۔۔۔
"ہیلو مس ماورا۔۔۔" تیمور کی پی اے سحرش زمان نے اسے دیکھتے ہی خوشگواریت کا اظہار کیا تھا۔
"ہیلو۔۔۔!" ماورا سنجیدگی سے جواب دیتی اس کے پاس سے گزر کے اپنے کیبن میں چلی گئی تھی۔۔۔ اور سحرش زمان راہداری میں کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی تھی اسے کبھی کبھی ماورا مرتضٰی بڑی عجیب و غریب سی پرسنالٹی لگتی تھی۔۔۔ کبھی بہت ہی سمجھ دار اور سلجھی ہوئی۔۔۔ اور کبھی بہت ہی بدتمیز اور بددماغ سی نظر آتی تھی۔
"مس سحرش۔۔۔؟" تیمور حیدر کی آواز پہ سحرش زمان یکدم چونک کر متوجہ ہوئی تھی۔
"گڈ مارننگ سر۔۔۔!" سحرش زمان سٹپٹا کر بھی وش کرنا نہیں بھولی تھی۔
"گڈ مارننگ۔۔۔" تیمور نے آہستگی سے سر ہلا کر جواب دیا۔
"آر یو آل رائٹ مس سحرش۔۔۔؟" تیمور نے اسے راستے کے بیچوں بیچ کھڑے دیکھ کر سوال کیا تھا۔
"اوہ سوری سر۔۔۔!" سحرش اس کے سوال کا مفہوم سمجھتے ہی یکدم سامنے سے ہٹ گئی تھی اور تیمور آگے بڑھتے بڑھتے بے ساختہ رک گیا تھا۔
"مس ماورا مرتضٰی آئیں۔۔۔؟" اس نے پلٹ کر سحرش کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
"جی سر۔۔۔ اپنے کیبن میں ہیں۔" سحرش نے اشارہ کیا۔
"انہیں میرے روم میں بھیجیے۔۔۔" تیمور سنجیدگی سے کہتا پلٹ کر اپنے روم میں چلا گیا تھا اور سحرش زمان اس کے بھی تیور دیکھتی رہ گئی تھی۔



"مے آئی کم ان سر۔۔۔؟" وہ گلاس ونڈو کے پاس کھڑا باہر کے مناظر دیکھ رہا تھا جب ماورا مرتضٰی کی پرسکون اور پُراعتماد سی آواز سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔
"یس کم ان۔۔۔!" تیمور نے بھی انتہائی سکون سے پلٹتے ہوئے اجازت دی تھی۔
اتنے میں وہ بھی اس کی ٹیبل کے قریب آ چکی تھی۔
"تشریف رکھیے۔۔۔!" تیمور نے اپنی نشست کی طرف بڑھتے ہوئے اشارہ کیا۔
"تھینکس۔۔۔!" ماورا بڑے لیے دیے انداز سے کہتی کرسی پہ بیٹھ گئی تھی۔۔۔ اور تیمور نے بھی اپنی کرسی سنبھال لی تھی۔

"بی گل کیسی ہیں؟" تیمور نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

"ٹھیک ہیں۔" مختصر سا جواب آیا۔

"اور آپ...؟" تیمور نے اس کے چہرے پہ نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"آپ نے بلایا تھا...؟" وہ بڑے احسن طریقے سے بات بدل گئی تھی اور تیمور اس کے اس انداز پہ دونوں ہاتھوں کو آپس میں الجھائے لب بھینچ کر چند لمحوں کے لیے سر جھکا کر جیسے کسی سوچ میں پڑ گیا تھا پھر کچھ توقف کے بعد کہنے لگا۔

"کیا میں امید کر سکتا ہوں کہ میں آج جو بھی سوال کروں گا... آپ مجھے اس کا صاف اور سچ سچ جواب دیں گی؟"

تیمور کا لہجہ 'انداز' الفاظ اور چہرے کے تمام تاثرات سب فیصلہ کن سے ہو رہے تھے، اسی لیے ماورا مرتضیٰ کی طرف بھی سنجیدگی کسی دیوار کی مانند کھڑی نظر آرہی تھی۔

"ہوں... کر سکتے ہیں..." اس کا دوٹوک جواب اثبات میں تھا۔

"دیکھیں مس ماورا مرتضیٰ... یوں سمجھیں کہ میں نے آپ سے کچھ کہنا ہے تو آج ہی کہنا ہے... اور آپ نے کچھ سننا ہے تو آج ہی سننا ہے۔ یوں سمجھیں آج فیصلہ ہوگا۔" تیمور نے ایک تمہید باندھی تھی... دوٹوک تمہید...!

"ہوں... سن رہی ہوں۔" وہ اس کے سامنے بڑے اعتماد سے بیٹھی جواب دے رہی تھی۔

"میں نے پہلی بار آپ کو گاڑی میں دیکھا... آپ کو فالو کیا... کیا آپ کو پتا تھا...؟" اس نے پہلے روز سے حساب کتاب کا کھاتا کھولا...

"ہاں...!" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"دوسری بار آپ کو فارہ کے گھر دیکھا... آپ سے تعارف ہوا... آپ نے مجھے پہچانا... کیسا فیل ہوا آپ کو...؟"

"غصہ آیا تھا... اور حیرت ہوئی تھی کہ آپ رضا حیدر کے بیٹے ہیں..." اس نے صاف صاف جواب دیا۔

"غصہ کیوں آیا تھا...؟" تیمور کے سوالات کا سلسلہ جاری ہو چکا تھا۔

"کیوں کہ آپ نے مجھے فالو کیا تھا... اور مجھے آپ کو دیکھ کر آپ کی حرکت پہ حیرت ہوئی تھی..."

"پھر فارہ کے گھر پہ اور بھی ملاقاتیں ہوئیں... کیسا لگا آپ کو...؟" اگلا سوال...

"اے ڈیسینٹ پرسنالٹی..." جواب امید افزا تھا۔

"میں نے پھر آپ کو فالو کیا..." اس نے بات بڑھائی۔

"مجھے پھر غصہ آیا..." وہ بھی لگی لپٹی نہیں رکھنے آئی تھی۔

"اور مجھے آپ کا غصہ پسند آگیا... آپ کے غصے کے باوجود میں اپنے آپ کو روک نہیں پایا..." وہ اصل بات کی طرف آگیا۔

"یہ میرا مسئلہ نہیں تھا..." اس کے پاس لاپروائی اور لاتعلقی کے سوا اور کچھ نہیں تھا...

"میں نے آپ کو جاب آفر کی آپ نے انکار کر دیا... کیوں...؟"

"کیوں کہ آپ کی جاب میری منزل نہیں تھی... میری منزل اور تھی... میرے ارادے اور تھے... میرا عہد اور تھا۔" ماورا کا لہجہ اب بھی ہنوز تھا۔

"پھر آپ نے یہ آفر قبول کر لی... وجہ؟" وہ بھی بڑے تحمل سے پوچھ رہا تھا۔

"کیونکہ کراچی آنا میرا مقصد تھا... اور کچھ نہ سہی وقتی طور پہ میرا یہ مقصد تو پورا ہو گیا ناں...؟"

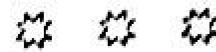
"پھر آپ یہ جاب کیوں چھوڑ رہی ہیں۔۔۔؟" سوال پہ سوال جاری تھا۔
"اس لیے کہ مقصد وقتی طور پہ پورا ہوا ہے۔۔۔ ورنہ یہ جاب مجھے کچھ نہیں دے سکتی۔" وہ مایوس ہوئی۔
"آپ کو کیا چاہیے۔۔۔؟" تیمور مزید سنجیدہ ہوا تھا۔
"آپ کی سوچ اور آپ کے اختیار سے بہت زیادہ۔۔۔" اس کا لہجہ گہرا تھا۔
"میری محبت سے بھی زیادہ۔۔۔؟" تیمور نے بے اختیار پوچھا۔
"محبت سے کچھ حاصل نہیں ہوتا سوائے دکھ کے۔۔۔" ماورا نے سر جھٹکا۔
"لیکن مس ماورا۔ محبت۔" اس نے کچھ کہنا چاہا۔
"محبت' محبت' محبت! مجھے ضرورت نہیں ہے محبت کی۔۔۔ مجھے کامیابی کی ضرورت ہے' مجھے دولت کی ضرورت ہے۔۔۔ مجھے پیسے کی ضرورت ہے۔ مجھے آسائشوں کی ضرورت ہے۔۔۔ میرا بچپن ایک چھوٹے سے گھر میں گزرا ہے میری ماں نے دن رات ایک ایک پائی جمع کر کے مجھے پالا پوسا' مجھے تعلیم دلوائی ہے۔ انہیں امیدیں ہیں مجھ سے۔۔۔ میں محبتوں کے چکر میں پڑ جاؤں۔۔۔ اپنے آپ کا سوچنے لگ جاؤں اپنے عزم اور عہد سے ہٹ جاؤں تو ان کی امیدیں کون پوری کرے گا بھلا۔۔۔؟ کون۔۔۔؟" ماورا یکدم اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی اور تیمور اس کے اس طرح اچانک پھٹ جانے پہ دنگ رہ گیا تھا۔

وہ اچھا ہے تو اچھا ہے ' برا ہے تو بھی اچھا ہے
مزاج عشق میں عیب یار نہیں دیکھے جاتے

تیمور حیدر کے آفس روم میں خاموشی چھائی ہوئی۔ اب ماورا صوفے پہ بیٹھی تھی اور سر جھکا ہوا تھا' جبکہ تیمور اس کے سامنے والے صوفے پہ بیٹھا کسی فیصلے پہ پہنچنے کے آخری مراحل میں تھا۔
اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا اس کا موبائل بجنے لگا تھا اور ان دونوں کے درمیان خاموشی کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا۔۔۔ نمبر ولید کا تھا۔۔۔ تیمور نے کاٹ دیا۔۔۔ اور پھر اک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بالآخر ڈٹ جانے کا اعلان کر دیا۔
"شادی کریں گی مجھ سے۔۔۔؟" تیمور نے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے اور تحمل آمیز لہجے میں اتنا اہم سوال کر لیا تھا کہ ماورا نے یکدم سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔
"شادی۔۔۔؟" ماورا کے ہونٹ ذرا سے کپکپائے تھے۔
"ہاں شادی۔۔۔؟ کیوں کہ اس طرح آپ کے تمام عہد اور تمام ارادے پورے ہو جائیں گے۔" تیمور کا لہجہ مضبوط تھا۔
"لیکن میرے عہد اور ارادوں کو پورا کرنے کے لیے شادی کافی نہیں ہے اس کے لیے مجھے۔۔۔"
"میں اپنا سب کچھ آپ کے نام لکھ دوں گا۔۔۔ اپنا بینک بیلنس' اپنا گھر' اپنا بزنس' اپنے تمام اثاثے۔۔۔ یہاں تک کہ اپنا آپ بھی۔۔۔" تیمور کی محبت آج انتہا کو جا پہنچی تھی اور وہ ماورا کے نام پہ سب کچھ وار دینے کو تیار ہو گیا تھا۔۔۔ جبکہ ماورا چند لمحوں کے لیے دم بخود سی رہ گئی تھی کیوں کہ اس نے فیصلہ ہی ایسا سنایا تھا کہ۔۔۔!
"مگر۔۔۔!" اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن تیمور نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔
"اگر مگر کی گنجائش نہیں ہے مس ماورا۔۔۔ آپ کی ہاں کی ضرورت ہے۔ بس۔۔۔ باقی میں نے جو کہا ہے میں اس پہ قائم ہوں۔۔۔ آج بھی اور کل بھی۔۔۔ میرے پاس جو کچھ بھی ہے۔۔۔ اس میں سے ایک پائی بھی اپنے پاس نہیں رکھوں گا۔۔۔ البتہ میرے بابا ماما اور میری سسٹر کے اکاؤنٹس میں کیا کچھ ہے۔۔۔ اس کا مجھے کچھ پتا نہیں ہے۔۔۔ مگر یہ بات طے ہے کہ ان سب سے زیادہ ملکیت میرے پاس ہے' اپنی جائیداد کے تمام اثاثے میرے نام ہیں' بابا نے میرے بزنس سنبھالتے ہی سب کچھ میرے نام کر دیا تھا۔۔۔ اس لیے اب جو کچھ میرے پاس ہے میں آپ کے نام

کروں گا۔ کیوں کہ مجھے اس دولت سے اس جائیداد سے محبت نہیں ہے۔۔۔ مجھے ماورا مرتضٰی سے محبت ہے۔۔۔ اور اس محبت کے سامنے یہ سب کوئی معنی نہیں رکھتا۔۔۔" تیمور کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا تھا اور ماورا کچھ بھی کہنے سننے کی پوزیشن میں نہیں رہی تھی۔

"آپ جا سکتی ہیں۔۔۔ میں آپ کے جواب کا انتظار کروں گا۔۔۔ آپ سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لیجیے۔۔۔ یہ آپ کی زندگی کا سوال ہے۔۔۔" تیمور نے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنساتے ہوئے کہا تھا۔۔۔ اور پھر اس کی طرف دیکھے بغیر یکدم پلٹ کر اپنے کمرے سے نکل گیا تھا۔ لیکن پیچھے ماورا مرتضٰی کے لیے سوچوں کا اک جہان چھوڑ گیا تھا۔۔۔ کیونکہ اب جو بھی کرنا تھا۔۔۔ ماورا مرتضٰی نے کرنا تھا۔۔۔ اس کے تمام عزم اور ارادے۔۔۔ اس کے تمام مقصد اور مفاد اس کی ایک ہاں کے فاصلے پہ کھڑے تھے۔۔۔ صرف ایک ہاں کے فاصلے پہ۔۔۔!



تیمور گاڑی سے اترتے ہی پورچ میں چند اور گاڑیاں دیکھ کر چونک گیا۔

اس کا مطلب تھا کہ گھر پہ مہمان آئے ہوئے ہیں اور تیمور مہمانوں کا سوچ کر ہی کوفت میں مبتلا ہو گیا تھا وہ اس وقت تنہائی اور آرام چاہتا تھا۔۔۔ مگر۔۔۔!

"تیمور۔۔۔!" وہ راہداری سے گزر کے آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ رضا حیدر نے پکار لیا تھا اور تیمور کے قدم رک گئے تھے اُسے مجبوراً ڈرائنگ روم میں داخل ہونا پڑا تھا۔۔۔ جہاں قیام مرزا کی فیملی براجمان تھی۔

"السلام علیکم۔۔۔!" اس نے اونچی آواز میں سب کو سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔! کیسے ہو تیمور بیٹا۔۔۔؟" قیام مرزا اور مونس مرزا اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔۔۔

"آئی ایم فائن۔۔۔ انکل! آپ پلیز تشریف رکھیے۔۔۔" تیمور نے فوراً انہیں بیٹھنے کا کہا تھا اور مونس مرزا سے ہاتھ ملاتے ہوئے خود بھی اس کے برابر ہی بیٹھ گیا تھا۔

"کیا بات ہے، بہت تھکے ہوئے سے لگ رہے ہو۔۔۔؟ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔۔۔؟" رضا حیدر کو بیٹے کے موڈ سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی ٹینشن ضرور ہے۔

"جی بس آج کام زیادہ تھا۔۔۔" اس نے لاپروائی سے سر جھٹکا۔

"ہوں۔۔۔! تو پھر تم جا کر آرام کرو۔۔۔" رضا حیدر نے اسے بیٹھنے پہ مجبور نہیں کیا تھا۔

"نو۔۔۔ اٹس او کے۔۔۔ مام پلیز ایک کپ چائے منگوا دیں۔۔۔" تیمور نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے رابعہ بیگم کی طرف دیکھا تھا اور وہ فوراً ملازمہ کو آرڈر دینے کے لیے کھڑی ہو گئی تھیں۔

"اور سناؤ بیٹا۔۔۔ بزنس کیسا چل رہا ہے آج کل؟" قیام مرزا کا رخ تیمور کی طرف ہو چکا تھا۔۔۔

"ہمیشہ کی طرح فنٹاسٹک جا رہا ہے اللہ کی مہربانی سے۔" اس نے بڑے ٹھہرے ہوئے انداز سے جواب دیا تھا۔

"یہ تو ہے۔۔۔ تمہارے بزنس اور تمہارے کام کا چرچا تو پورے شہر میں ہوتا ہے۔۔۔ رضا حیدر کے کاروبار کو چار چاند لگا دیے ہیں تم نے۔۔۔ اور ادھر ہم ہیں کہ اپنے بیٹوں سے ابھی تک فضول امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔۔۔" قیام مرزا نے تاسف سے کہتے ہوئے پہلے رضا حیدر کو اور پھر مونس مرزا کو دیکھا تھا جس پہ مونس مرزا مصنوعی خفگی سے پہلو بدل کر رہ گیا تھا اور رضا حیدر اس کی حرکت پہ بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔

"اب یہ تو نہ کہو قیام مرزا۔۔۔ ابھی سب کچھ تمہارے اختیار میں ہے۔۔۔ تم خود سنبھال رہے ہو۔۔۔ جب اس کے اختیار میں ہو گا۔۔۔ وہ بھی سنبھال لے گا۔۔۔ رضا حیدر نے مونس مرزا کی طرف داری کی تھی اور مونس مرزا کو قدرے ڈھارس مل گئی۔

"تھینک یو انکل۔۔۔ ڈیس پوائنٹ۔" مونس مرزا کو شہہ ملی تھی۔
"میرے اختیار میں اس لیے ہے کہ مجھے پتا ہے یہ اکیلا ہینڈل نہیں کر سکے گا۔۔۔ جبکہ تمہارا بیٹا تو ماشاء اللہ سو پہ بھاری ہے۔۔۔ اس سے کوئی جیت نہیں سکتا۔" قیام مرزا نے تیمور کو سراہا تھا۔
لیکن انکل! آپ کو کیا پتا کہ میں ایک لڑکی کے سامنے ہار چکا ہوں۔۔۔ میں اس سے جیت نہیں سکتا۔" تیمور نے دل ہی دل میں کہتے ہوئے جیسے اپنا مذاق اڑایا تھا۔
"لیکن بھائی صاحب۔۔۔! ہمارا بیٹا جیسا بھی ہے۔۔۔ ہم اسے لے کر آپ کے در پہ جھولی پھیلانے آئے ہیں۔۔۔ اسے بھی اپنا بیٹا بنا لیں۔۔۔" مسز مرزا نے بات کرنے کے لیے موقع مناسب سمجھا تھا۔
"میں سمجھا نہیں بھابھی۔۔۔؟" رضا حیدر صاف بات سننا چاہتے تھے۔
"میں سمجھا دیتا ہوں۔۔۔ ہم دراصل آج عزت بٹی کے لیے سوالی بن کر آئے ہیں۔۔۔ اور پلیز انکار مت کرنا۔۔۔ تمہاری بٹی میری بہو بن جائے۔۔۔ اس سے بڑی خوشی میرے لیے اور کیا ہوگی بھلا۔۔۔؟" قیام مرزا نے بالآخر اپنے مطلب کی بات کہہ دی تھی جبکہ تیمور بری طرح چونک گیا تھا۔
"عزت کے لیے۔۔۔؟" اس نے بے ساختہ زیر لب دہرایا تھا۔



"امی۔۔۔! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" رات کا کھانا کھانے کے بعد اس نے ٹیبل سے اٹھتے ہوئے کہا تھا اور عافیہ بیگم ٹھٹک گئی تھیں انہوں نے بے ساختہ بی گل کی طرف دیکھا تھا بی گل نظریں چرا گئی تھیں۔
"ہوں۔۔۔ آ رہی ہوں۔۔۔" وہ سر ہلا کر کہتے ہوئے برتن سمیٹنے لگیں۔
اور بی گل دل ہی دل میں درود شریف کا ورد کرتی ہوئی اٹھ کر لاؤنج میں آ گئی تھیں۔۔۔ کیوں کہ بی گل کو اندازہ تھا کہ تھوڑی دیر میں یہاں قیامت برپا ہونے والی ہے اور اسی قیامت کو سوچ کر ان کے دل میں ہول اٹھ رہے تھے جس کے خوف کی وجہ سے بی گل کثرت سے درود شریف پڑھ رہی تھیں۔ اتنے میں عافیہ بیگم بھی وہیں آ گئی تھیں۔
"خیریت بی گل۔۔۔؟ ماورا کیا کہنا چاہتی ہے۔۔۔؟ سب ٹھیک تو ہے نا۔۔۔؟" عافیہ بیگم کو بھی بے چینی ہو رہی تھی اسی لیے ماورا کے کہنے سے پہلے ہی بات جان لینا چاہتی تھیں۔
"اسی کو پتا ہوگا۔۔۔ لو آ گئی ہے وہ بھی۔۔۔" انہوں نے ماورا کو دیکھ کر شکر ادا کیا تھا کہ وہ آ گئی ہے اور انہیں زیادہ ٹال مٹول سے کام نہیں لینا پڑا۔
ماورا آ کر عافیہ بیگم کے مقابل صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔
"دیکھیں امی۔۔۔! آج میں بھی آپ سے زندگی کی آخری بات کرنے والی ہوں۔ ایسی آخری بات جس میں آپ نے مجھے انڈر اسٹینڈ کرنا ہے اور میرا ساتھ دینا ہے۔۔۔ اگر آپ آج میرا ساتھ نہیں دیں گی تو مجھے ساری زندگی آپ کے ساتھ کی ضرورت نہیں رہے گی۔۔۔ میں یہی سمجھوں گی کہ میں اکیلی رہ گئی ہوں۔" ماورا نے آج بھی ہمیشہ کی طرح عافیہ بیگم سے بات کرنے کے لیے پہلے تمہید باندھنا شروع کی تھی۔
"تم بات کرو۔۔۔" عافیہ بیگم سنجیدگی سے بولیں۔
"امی آپ کو صبر سے اور ہمت سے کام لینا ہوگا۔" اس نے پھر سمجھانے کی کوشش کی۔
"میں نے کہا ناں تم بات کرو۔۔۔ میں کھانا کھانے کے بعد ایک گلاس پانی بھی لے کر آئی ہوں۔۔۔ تمہاری بات سن کر گروں گی نہیں۔۔۔ سہہ لوں گی۔۔۔ برداشت کرنے کی عادت ڈال رہی ہوں۔۔۔ آخر تمہاری طرف سے روز کچھ

نہ کچھ نیا سننے کو ملے گا۔۔۔" عافیہ بیگم کے انداز میں تلخی تھی۔
"لیکن آج آپ کو آخری بار سننے کو ملے گا۔۔۔" وہ بھی فیصلہ کن انداز سے بول رہی تھی۔
"سناؤ۔۔۔ سن رہی ہوں۔۔۔؟" انہوں نے ہمت مجتمع کر رکھی تھی۔
"میں رضا حیدر کے بیٹے سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔۔۔ اس نے مجھے پرپوز کیا ہے۔" ماورا کے اس ایک جملے نے عافیہ بیگم کے سر پہ اس پوری عمارت کا ملبہ گرا دیا تھا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے "اف" کرنے کے قابل بھی نہیں رہی تھیں۔ چند ثانیے یونہی گزر گئے تھے۔ خاموشی اور سناٹے کے بیچ۔۔۔ یہاں تک کہ ان کے دل کی دھڑکنوں کی آواز سنائی دینے لگی تھی اور بی گل کے درود شریف کی سرگوشیاں۔۔۔!
"امی۔۔۔! آپ چپ کیوں ہو گئیں۔۔۔؟ کچھ بولیں ناں۔۔۔؟" اس خاموشی اور سناٹے کو ماورا کے سوا اور کوئی بھی توڑنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔
"ہوں۔۔۔!" عافیہ بیگم نے ماورا اور بی گل کو خالی خالی نظروں سے دیکھا تھا۔
"دیکھیں امی۔۔۔! یہ شادی کس بنیاد پہ اور کن شرائط پہ ہو رہی ہے۔۔۔ میں وہ سب آپ کو تفصیل سے بتاتی ہوں۔۔۔ تاکہ آپ کی تسلی ہو جائے۔۔۔ تیمور رضا حیدر کا اکلوتا بیٹا ہے۔۔۔ وہ مجھے پسند کرتا ہے۔۔۔ محبت کرتا ہے مجھ سے۔۔۔ مجھے اس کی محبت پہ پہلے بھی کوئی شک نہیں تھا۔۔۔ مگر آج تو یقین اور بھی پختہ ہو گیا ہے۔۔۔ وہ کہتا ہے کہ مجھ سے شادی کر لو۔۔۔ میں اپنا سب کچھ تمہارے نام کر دوں گا۔۔۔ سب کچھ۔۔۔!" ماورا بہت مضبوط اور نپے تلے سے لہجے میں کہہ رہی تھی۔
اور عافیہ بیگم کا دل کسی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا جا رہا تھا ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا۔
"وہ۔۔۔ وہ جانتا ہے کہ تت۔۔۔ تم کون ہو؟" عافیہ بیگم کے منہ سے بمشکل یہ بے ربط سے الفاظ نکلے تھے۔
"نہیں۔۔۔! وہ نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔۔۔ بس صرف میں جانتی ہوں کہ وہ کون ہے۔۔۔؟" ماورا اپنے ازلی ہٹ دھرم اور سرکش انداز میں نظر آ رہی تھی۔
"اور یہی بتانے کے لیے تو شادی کر رہی ہوں کہ میں کون ہوں۔۔۔" وہ بڑے پر عزم انداز سے کہتی اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی تھی۔۔۔ اور اس سے پہلے کہ ماورا لاؤنج سے باہر نکلتی عافیہ بیگم صوفے پہ بیٹھے بیٹھے نیچے لڑھک گئی تھیں۔
"امی۔۔۔!" ماورا لپک کے ان کی طرف آئی تھی۔۔۔!



"دیکھو فارہ! تم جب سے یہاں آئی ہو مسلسل چپ ہو۔۔۔ آخر کچھ بتاتی کیوں نہیں۔۔۔؟ آفاق نے کچھ کہا ہے؟" منزہ رحیم دو تین بار اس کے بیڈروم کے چکر لگاتے ہوئے اس سے استفسار بھی کر چکی تھیں لیکن فارہ تھی کہ مسلسل چپ سادھے ہوئے تھی۔
"میں آفاق سے فون کر کے پوچھتی ہوں کہ اس نے تم سے کیا کہا ہے۔۔۔؟" وہ کہتے ہوئے جانے کے لیے پلٹیں۔
"پلیز ممی۔۔۔! اس سے کیا پوچھتی ہیں۔۔۔؟ اس نے بھلا کیا کہنا ہے مجھ سے۔۔۔؟ اس نے تو مجھے کبھی اس قابل سمجھا ہی نہیں کہ کچھ کہہ دے۔۔۔" فارہ روہانسی ہو گئی تھی اس کی آواز بھرانے لگی تھی۔
"کیا مطلب۔۔۔؟" منزہ رحیم پریشان سی اس کے قریب بیٹھ گئیں۔
"مطلب یہ کہ میں اس پہ مسلط کی گئی ہوں۔۔۔ اور مسلط کی گئی چیز کے ساتھ جیسا برتاؤ ہوتا ہے۔۔۔ میرے ساتھ

بھی وہی ہوا ہے۔۔۔ مگر میں مزید اس کے سر پہ مسلط نہیں رہ سکتی۔۔۔ میں اسے اس کے حال پہ چھوڑ آئی ہوں۔۔۔ وہ میری ذات سے بھاگنا چاہتا ہے تو بھاگ جائے۔۔۔ میں بھی اس کی واپسی کا انتظار کر کر کے تھک گئی ہوں۔" فارہ کے آنسو بہہ نکلے تھے اور منزہ رحیم کا دل جیسے مٹھی میں آ گیا تھا۔

"تم نے پہلے کبھی نہیں بتایا مجھے۔۔۔؟"

"ممی۔۔۔! میں ایشو نہیں بنانا چاہتی تھی۔۔۔ میں کسی کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔۔۔ مگر وہ نہیں بدلا۔۔۔" فارہ کہتے ہوئے رو پڑی تھی۔

اور منزہ بیگم نے اس کے قریب آتے ہوئے اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

"دیکھو بیٹا۔۔۔ اس طرح مت کرو۔۔۔ تمہارے ڈیڈی اور حماد کو پتا چلے گا تو مسئلہ اور بھی بڑھ جائے گا۔۔۔ وہ آفاق سے رابطہ کریں گے۔۔۔ اس طرح تمہیں ہی تکلیف ہوگی۔۔۔ پھر کیا کرو گی۔۔۔؟" منزہ رحیم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی اور فارہ گھٹ گھٹ کے رونے لگی تھی۔



"میں سوچ سوچ کر تھک گیا ہوں زوسیہ! اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔۔۔ پلیز مجھے کوئی حل بتا دو۔" آفاق دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیٹھا تھا۔ اور زوسیہ اس کی ایسی پریشان حالت دیکھ کر خود بھی پریشان ہو گئی تھی۔

"آپ نے بھی تو غلط کیا ناں اسے تھپڑ مار کر۔۔۔ ایک تو وہ پہلے ہی ہرٹ ہوئی بیٹھی تھی اور دوسرے آپ نے تھپڑ مار دیا۔۔۔ یہ نوبت تو آنی ہی تھی۔" زوسیہ اس کی پوری بات سن چکی تھی۔

تو پھر کیا کرتا۔۔۔؟ اس نے سیدھی طلاق ہی مانگ لی۔۔۔ یوں لگا جیسے دل کھینچ لیا ہو اس نے۔" آفاق کی تو جیسے جان پر بنی ہوئی تھی۔

"تو پھر روز روز ایسی نوبت پہنچنے سے بہتر ہے کہ آپ ایک ہی بار اسے سب سچ سچ بتا دیں۔۔۔" زوسیہ نے یوں مشورہ دیا جیسے کوئی بڑی بات ہی نہ ہو۔

"سب سچ سچ بتا دوں تو موت سے پہلے مر جائے گی وہ۔۔۔ اور ممی ڈیڈی۔۔۔ اوہ مائی گاڈ۔۔۔" آفاق واقعی جیسے حد سے زیادہ چکرایا ہوا لگ رہا تھا۔

"تو کیا اس طرح نہیں مر رہے وہ لوگ۔۔۔؟ زوسیہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا اور آفاق بے بسی کے مارے کچھ کہہ ہی نہیں سکا تھا۔

"اب چپ کیوں ہو گئے آپ۔۔۔؟" زوسیہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سامنے آ بیٹھی تھی۔ جبکہ آفاق یکدم اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"میں فیصل آباد جا رہا ہوں۔" اس نے فیصلہ کن لہجے سے کہتے ہوئے اپنا اگلا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

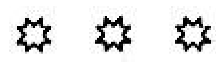
"مگر آفاق۔۔۔ آپ۔" زوسیہ نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر آفاق اس کی کوئی بھی بات سنے بغیر وہاں سے چلا گیا تھا۔



عزت آج بڑی خوش تھی، ہواؤں میں اڑتی پھر رہی تھی لیکن گھر آتے ہی جیسے ہی اسے مونس مرزا کے پروپوزل کا پتا چلا وہ یکدم جیسے کرنٹ کھا گئی تھی۔

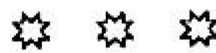
"مگر میں اس پروپوزل سے خوش نہیں ہوں۔۔۔" تیمور کا جواب رضا حیدر اور رابعہ بیگم کے ساتھ ساتھ عزت کے لیے بھی بالکل غیر متوقع تھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم۔۔۔؟" رضا حیدر صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھے یکدم سیدھے ہوئے تھے۔
"میں جو کہہ رہا ہوں آپ اچھی طرح سن چکے ہیں۔۔۔ قیام مرزا آپ کے دوست ہیں۔۔۔ آپ یہ رشتہ دوستی تک ہی رکھیں۔۔۔ مزید کسی رشتہ داری میں تبدیل مت کریں۔۔۔ پلیز۔" تیمور نے خاصی سنجیدگی سے کہتے ہوئے انہیں اس رشتے سے منع کیا تھا۔
"لیکن کیا کمی ہے مونس میں۔۔۔؟" رضا حیدر تو اپنی طرف سے یہ رشتہ پکا کیے بیٹھے تھے۔
"اس میں کوئی کمی نہیں ہے بلکہ اس میں خوبیاں ہیں۔۔۔ ایکسٹرا خوبیاں۔۔۔ اور وہ خوبیاں میں عزت کے لیے برداشت نہیں کرسکتا۔" تیمور نے اک نظر عزت کی طرف دیکھا تھا جس کے چہرے پہ اس کے انکار سے بہار آگئی تھی۔
"میں سمجھا نہیں۔۔۔" رضا حیدر الجھ کر بولے۔
"میں سمجھا دوں گا۔۔۔ لیکن اکیلے میں۔۔۔ ابھی عزت اور ہام کا خیال ہے۔ بس۔" تیمور کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا اور انہیں گڈنائٹ کہہ کر لاؤنج سے نکل آیا تھا جبکہ اس کے پیچھے عزت بھی بڑی تیزی سے اٹھ کر گڈنائٹ کہتی باہر آئی تھی۔
"بھائی۔۔۔" وہ لپک کے سیڑھیاں چڑھتی اس کے قریب پہنچی تھی۔
"ہوں۔۔۔ !کہو؟" تیمور نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے گردن موڑ کر اپنے برابر سیڑھیاں چڑھتی عزت کی طرف دیکھا۔
"تھینک یو۔۔۔!" عزت بہت خوش اور مشکور نظر آرہی تھی۔
"کس لیے۔۔۔؟" تیمور جان بوجھ کر انجان بنا۔
"مجھے بھی یہ پروپوزل پسند نہیں تھا۔۔۔" اس نے بڑے دھڑلے سے بیان جاری کیا۔
"کیوں۔۔۔؟" تیمور مسکرایا۔
"بس ایسے ہی۔۔۔ مونس مرزا اچھا نہیں لگتا۔" اس نے منہ بنا کر کندھے اچکائے۔
"تو کون اچھا لگتا ہے۔۔۔ وہ بتا دو۔۔۔؟" تیمور نے برجستہ سوال کیا۔
"بھائی۔۔۔!" عزت خفگی سے کہتی ہوئی یکدم رک گئی تھی اور تیمور بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔۔۔
"اوکے۔۔۔ ابھی نہیں۔۔۔ تو پھر کبھی بتا دینا۔۔۔ گڈنائٹ۔۔۔" تیمور اس کے بال بکھراتے ہوئے کہہ کر اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا تھا اور عزت پیچھے کھڑی بڑی محبت پاش نظروں سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔۔۔!



عافیہ بیگم کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا اور ماورا مرتضیٰ ہسپتال کی راہداری میں بولائی ہوئی پھر رہی تھی۔
"جب تمہیں پتا ہے کہ وہ نہیں سہ پاتی۔۔۔ تو کیوں روز اس کی برداشت آزمانے کھڑی ہو جاتی ہو۔۔۔؟" بی گل مسلسل ان کی صحت کے لیے دعا کر رہی تھیں، جب بیٹھے بیٹھے تھک گئیں تو ماورا کی طرف رخ موڑ لیا تھا۔
"یہ ایک آخری آزمائش تھی ان کی برداشت کی۔۔۔ اب سب کچھ سہ جائیں گی۔۔۔" ماورا ابھی بھی نڈر اور بے خوف دکھائی دے رہی تھی۔
"سہتے سہتے مر گئی تو۔۔۔؟" بی گل جھنجلا کر بولیں۔
"پلیز بی گل۔۔۔!" ماورا کو بے طرح اذیت ہوئی تھی۔
"تو اور کیا کروں۔۔۔؟ کیا کہوں۔۔۔؟ ایک عمر ہو چلی ہے اس کی کمزوری نہیں گئی اور ایک عمر ہو چلی ہے کہ تمہاری

منہ زوری نہیں گئی۔۔۔" وہ بے چاری سر تھام چکی تھیں۔
"ان کی کمزوری ہی تو دور کرنا چاہ رہی ہوں۔۔۔" ماورا کا لہجہ مضبوط تھا۔
"کچھ کام اوپر والے پر چھوڑ دینا چاہئیں۔" بی گل نے شہادت کی انگلی سے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔
"اوپر والا بھی کہتا ہے کہ خود اٹھو۔۔۔ ہمت کرو۔۔۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔۔۔" ماورا نے اپنی بات پہ زور دیا تھا۔
"یہ بات تمہارے جیسے منہ زور ہی سوچ سکتے ہیں۔۔۔ تمہاری ماں جیسے کمزور نہیں۔۔۔" وہ خفگی سے بولیں۔
"اب وہ بھی مضبوط ہو جائیں گی۔۔۔ دیکھ لیجئے گا۔" ماورا کے لہجے میں یقین تھا۔
"دیکھ رہی ہوں۔۔۔" وہ جل کر بولی تھیں ان کا اشارہ آئی سی یو کی طرف تھا!



ولید اپنا کام ختم کر کے چینل کے آفس سے باہر نکلا ہی تھا کہ اس کے چند کولیگز نے اسے گھیر لیا تھا۔۔۔
"مبارک ہو یار۔۔۔ "ایک سچ ایک شام" کامیابی کی طرف گامزن ہے۔۔۔ اللہ تمہیں مزید کامیاب کرے۔۔۔"
سب نے اسے باری باری مبارک باد دی تھی اور ولید اپنے کولیگز کی ایسی حوصلہ افزائی پہ واقعی بے پناہ خوش ہوا تھا۔

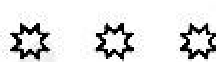
"تھینک یو یار۔۔۔ تھینک یو سو مچ۔۔۔" ولید نے سب سے ہاتھ ملاتے ہوئے شکریہ ادا کیا تھا۔
"ٹھیک ہے پھر کل ملتے ہیں۔۔۔ ابھی کافی ٹائم ہو رہا ہے۔۔۔" ایک صحافی نے وقت کا احساس دلایا تھا رات خاصی گہری ہو چکی تھی۔ اس لیے اب سب کو اپنے اپنے گھر جانے کی بے چینی تھی۔
"اوکے اللہ حافظ۔۔۔!" ولید بھی خدا حافظ کہہ کر اپنی بائیک کی طرف آ گیا تھا۔
"ولید۔۔۔!" وہ اپنی بائیک اسٹارٹ کر چکا تھا جب اندر سے ضمیر انصاری تقریباً "بھاگتا ہوا باہر آیا تھا اور ولید یکدم رک گیا۔
"خیریت۔۔۔؟" ولید نے تشویش بھرے انداز سے دیکھا۔
"تم آج کہیں مت جاؤ۔۔۔ یہیں رہو۔۔۔ کام کرتے ہیں۔" ضمیر انصاری نے اسے روکنا چاہا تھا۔
"کام کرتے ہیں۔۔۔ مطلب۔۔۔؟" ولید کو الجھن ہوئی۔
"بس میں نے سوچا کہ آج مل کر کام نپٹاتے ہیں۔" وہ ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا۔
"مل کر۔۔۔؟ میں تو اپنا کام ختم کر چکا ہوں۔۔۔ تمہیں ضرورت ہے تو کہو۔۔۔ تمہاری ہیلپ کروا دیتا ہوں۔۔۔" ولید نے اس کو سوالیہ دیکھا۔
"نہیں۔۔۔ مجھے ہیلپ کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ بلکہ تمہیں ہے۔۔۔ تم ایسا کرو۔۔۔ میرے ساتھ رہو۔۔۔ بعد میں گھر چلیں گے۔" ضمیر انصاری ہر ممکن طریقے سے اسے روک لینا چاہتا تھا۔
"بعد میں کب۔۔۔؟ یار میں کام کی وجہ سے کل بھی گھر نہیں جا سکا۔۔۔ امی اور چھوٹے بہن بھائی اداس ہوں گے ابھی جانے دو۔۔۔ پھر ملیں گے۔۔۔" ولید نے اجازت چاہی۔
"تو پھر میرے ساتھ میری گاڑی میں چلو۔۔۔ میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں۔" اس نے اپنی گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔۔۔ اور ولید ٹھٹک گیا تھا۔
"کیا مسئلہ ہے ضمیر۔۔۔؟ تم صاف صاف بات کرو۔۔۔" ولید نے پارکنگ کی لائٹس میں ضمیر کے چہرے کو بغور دیکھنے کی کوشش کی تھی۔
"صاف بات یہ ہے کہ تمہیں اکیلے جانے میں خطرہ ہے۔۔۔ یا تو تم یہیں رہو۔۔۔ یا پھر اکیلے مت جاؤ۔۔۔ بلکہ ہو

سکے تو پولیس کو کال کرو۔۔۔“ اس نے ولید کو بتاتے ہوئے ساتھ ہی مشورہ بھی دیا تھا۔
”ارے چھوڑو یار۔۔۔ یہ بزدلانہ کام مجھ سے نہیں ہوتے۔۔۔ اگر آج میری آئی (موت) ہے تو مجھے لیے بغیر جائے گی نہیں۔۔۔ بے شک تم مجھے سات کوٹھڑیوں میں چھپا کر بٹھالو۔۔۔“ ولید نے لاپروائی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ سے تھپکی دی تھی۔
”لیکن ولید۔۔۔!“ ضمیر انصاری نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر اتنے میں ولید کا موبائل بج اٹھا تھا‘ ولید کال دیکھ کر مسکرا دیا۔
”اپنی ڈارلنگ کا فون ہے یار۔۔۔“ ولید نے شرارت سے آنکھ دبائی ”اور تمہاری ہونے والی بھابھی کا۔۔۔“ ولید کال ریسیو کرنے پہلے کہہ کر بائیک کو کک لگاتا ہوا ہو گیا تھا۔

✵ ✵ ✵

”آج میں بہت خوش ہوں ولید۔۔۔ ایم ریئلی ویری ہیپی۔۔۔“ عزت نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔
”کیوں۔۔۔؟ صرف ایک بار ملنے سے۔۔۔؟“ اس نے جان بوجھ کر عزت کو چھیڑا تھا۔
”آج مونس مرزا کا پرپوزل آیا تھا۔۔۔“ اس نے ولید کے سر پہ بم پھوڑا۔
”واٹ۔۔۔؟ تم مونس مرزا کے پرپوزل پہ خوش ہو رہی ہو۔۔۔؟“ اس نے یکدم بائیک کو بریک لگا دیے تھے۔
”مونس مرزا کے پرپوزل پہ خوش نہیں ہو رہی۔۔۔“ وہ جھنجلائی۔
”تو پھر۔۔۔؟“ ولید کو بے چینی ہوئی۔۔۔
”تو پھر اس لیے خوش ہو رہی ہوں کہ تیمور بھائی نے اس پرپوزل سے انکار کر دیا ہے۔۔۔ ریجیکٹ کر دیا ہے بابا سے کہا ہے کہ انہیں یہ پرپوزل پسند نہیں ہے۔“ عزت بڑے پرجوش لہجے میں بتا رہی تھی۔
”اوئے یارا۔۔۔ یہ ہوئی ناں مردوں والی بات۔۔۔“ ولید نے تیمور کے فیصلے پہ نعرہ بلند کیا تھا۔
”یعنی اس کا مطلب ہے کہ اب میں سہرا سجانے کے لیے تیار ہو جاؤں؟“ وہ معنی خیزی سے بولا تھا اور عزت اتنے جوش و خروش سے بولتے بولتے چپ ہو گئی تھی۔
”بولو ناں۔۔۔؟“ وہ اسے بولنے پہ اکسا رہا تھا۔
”کیا۔۔۔؟“ عزت کی آواز مدھم تھی۔
”کچھ بھی۔۔۔!“ ولید نے اس کی آواز کا دھیما پن دل کی گہرائیوں سے محسوس کیا تھا۔ لیکن اگلے ہی پل یکدم چونک کر بولا تھا۔
”عزت۔“ اس کی آواز میں ایسی انہونی سی پکار تھی کہ عزت دہل گئی تھی۔
”ولید۔۔۔!“ ادھر وہ پکاری تھی اور دوسری طرف گولیوں کی آواز بہت دور تک گونجی تھی۔
”ولید۔۔۔! ولید۔۔۔! میری بات سنو ولید۔۔۔ کیا ہوا ہے تمہیں۔۔۔؟“ عزت یکدم پاگل ہو اٹھی تھی اور چیخ چیخ کر اسے پکارنے لگی تھی مگر دوسری طرف سناٹا چھا چکا تھا۔
اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔۔۔ وہ اندھا دھند تیمور کے کمرے کی طرف دوڑی تھی اور اس کے بیڈ روم کا دروازہ پیٹ ڈالا تھا۔
”بھائی۔۔۔ دروازہ کھولیں بھائی۔۔۔ پلیز۔۔۔ دروازہ کھولیں۔“ اس طرح دھڑا دھڑ دروازہ پیٹنے کی آواز پہ تیمور بھی

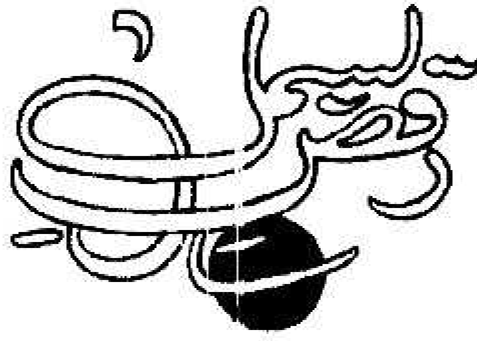
نیند سے ہڑبڑا کے اٹھا تھا اور عزت کی آواز پہ ننگے پیر دروازے کی طرف لپکا تھا۔
"عزت... کیا ہوا ہے... ؟سب ٹھیک تو ہے ناں... ؟" تیمور نے بے اختیار اسے کندھوں سے تھاما تھا' وہ رو رو کر یوں نڈھال ہو رہی تھی' جیسے ابھی کھڑے قد سے گر جائے گی۔
"عزت بتاؤ ناں... ؟کیا ہوا ہے تمہیں... ؟"
"بب... بھائی... وہ' وہ... ولید... آپ کا دوست۔" عزت ہکلا رہی تھی... اور اس کے منہ سے ولید کا نام سن کر تیمور کے قدموں تلے سے زمین سرک گئی تھی۔
"کک... کیا ہوا ہے ولید کو... ؟" تیمور کا دل سہم گیا تھا۔
"اسے... اسے... کک... کسی نے گولی ماردی فائرنگ ہوئی ہے وہ... وہ!" عزت تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی اور تیمور حیرت زدہ تھا۔
"تمہیں... تمہیں کس نے بتایا... ؟" تیمور مرے مرے سے لہجے میں بولا تھا۔
"اس سے بات کر رہی تھی... اچانک فائرنگ ہوئی... اور... اور کال بند ہو گئی... بھائی... وہ... وہ زخمی ہو گا... اسے... اسے کچھ ہو گیا تو... ؟پلیز چلیں ناں اس کے پاس چلیں۔"
عزت روتے ہوئے دو زانو نیچے فرش پہ ہی بیٹھ گئی تھی اور تیمور سنبھلتے ہوئے یکدم اپنی شرٹ وغیرہ پہن کر جانے کی تیاری کرنے لگا... !
اسے پانچ منٹ لگے تھے گھر سے نکلنے میں... اور عزت اس کے ساتھ ساتھ تھی... !



ماورا ہسپتال کے کوریڈور میں بینچ پہ بیٹھی مسلسل جاگ رہی تھی' جب اچانک ایک ایمبولینس کے سائرن کی آواز قریب آتی محسوس ہوئی اور ہسپتال کا سارا اسٹاف ایک دم الرٹ ہو گیا تھا۔
"اللہ خیر... !" ماورا ہسپتال کے مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوتی پولیس اور مختلف لوگوں کے درمیان گھرے اسٹریچر پہ خون سے لت پت آدمی کو دور سے دیکھ کر ہی دہل گئی تھی... اور یکدم اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔
اس کی نظر قریب سے اس آدمی کے چہرے پہ پڑی تھی جو اسٹریچر پہ پڑا تھا... پتا نہیں وہ زندہ تھا یا زندگی ہار چکا تھا لیکن جو بھی تھا ماورا کے دل پہ ہاتھ پڑا تھا...
"ولید... ولید پہ حملہ ہوا ہے یار۔ انہوں نے مم... مار دیا اسے..." ضمیر انصاری کسی سے فون پہ بات کرتے ہوئے رو پڑا تھا' رنجیدہ سے انداز سے پلٹتی ماورا ایک دم چونک گئی تھی اس کے ذہن کے پردے پہ ولید کا نام اک جھماکے سے چمکا تھا۔
"... ولید... ؟ولید رحمان... ایک سچ ایک شام... والا... ؟" اس کے ہونٹ کپکپائے تھے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

نبیلہ عزیز



مادرا مرتضیٰ، عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ مادرا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔

منزہ، ثمینہ اور نیرہ کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شاندار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیرہ کے بیٹے سے فارہ کی بہن حسنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید اور عزت کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ دیتی ہے۔ تاہم عزت کھل کر اس کا اظہار کر دیتی ہے۔ ولید ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ روتی ہے۔ اشتیاق یزدانی، آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ رضا حیدر، تیمور و فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی تاریخ میں مادرا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ مادرا، عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور مادرا کی ملاقات ہو جاتی ہے۔

شادی میں تیمور حیدر، مادرا کے قریب آنے کی کافی کوشش کرتا ہے مگر مادرا کا سخت اور کھردرا رویہ ہر بار اسے ناکام





کردیتا۔ تیمور' مادرا سے رضا حیدر کو ملواتا ہے۔ رضا حیدر اسے دیکھ کر چونک جاتے ہیں مگر باوجود کوشش کے وہ سمجھ نہیں پاتے۔ فارہ کی ہی شادی میں عزت کی ملاقات خیام مرزا کے بیٹے مونس مرزا سے ہوتی ہے۔ وہ سخت بیزار ہوتی ہے جبکہ مونس خوب دلچسپی لیتا ہے۔

شادی کے اول روز سے آفاق کے انداز کچھ مشکوک سے ہیں۔ فارہ سمجھ نہیں پاتی اور غیر مطمئن رہتی ہے۔ تیمور' فارہ کے ذریعے مادرا کو اپنے آفس میں ایک شاندار پیکج پر جاب کی پیشکش کرتا ہے۔ جسے مادرا کافی حیل حجت کے بعد قبول کرلیتی ہے۔ بی گل یہ جان کر دم بخود رہ جاتی ہیں جب انہیں پتا چلتا ہے کہ تیمور' رضا حیدر کا بیٹا ہے۔ مادرا' عافیہ بیگم کی سخت مخالفت کے باوجود ان دونوں کو لے کر کراچی کے فلیٹ میں شفٹ ہوجاتی ہے جو اسے آفس کی طرف سے ملا ہے۔ آہستہ آہستہ اسے دیگر مراعات بھی تیمور مہیا کردیتا ہے۔ تیمور کئی مرحلوں پر مادرا کی گھریلو سطح پر بھی مدد کرتا ہے۔ اتفاق سے مادرا کی زبانی تیمور سن لیتا ہے کہ مادرا ایک مقصد کے تحت اس کے آفس میں کام کرنے پر راضی ہوئی ہے۔

آفاق کا رویہ بدستور مشکوک ہے۔ فارہ اسے چھوڑ کر اپنے شہر آجاتی ہے۔ ثمینہ آفاق سے خفا ہوجاتی ہیں۔ آفاق دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے لینے جانے کا ارادہ کرلیتا ہے۔ ولید اور عزت کے درمیان محبت کا باقاعدہ اقرار ہوجاتا ہے۔ خیام مرزا عزت کا رشتہ مانگتے ہیں۔ رضا حیدر خوش ہوتے ہیں مگر تیمور انکار کردیتا ہے۔ مادرا کے جاب چھوڑنے پر تیمور اسے باقاعدہ پرپوز کرتا ہے اور اس کی خواہش کے مطابق اپنی تمام ترجائیداد اس کے نام لکھنے کا وعدہ کرلیتا ہے۔ عزت سے فون پر بات کرنے کے دوران نامعلوم افراد ولید کو گولیاں مار دیتے ہیں۔ عزت گھبرا کر تیمور کو بتاتی ہے۔ وہ اسپتال بھاگتا ہے۔ ولید کو اسی اسپتال میں لایا جاتا ہے' جہاں عافیہ بیگم داخل ہیں۔

۱۸
اٹھارہویں قسط

اور وہ لرزتی ٹانگوں سے پلٹ کر دوبارہ بینچ پر بیٹھ گئی۔

"یا اللہ رحم فرما۔۔۔ یا اللہ رحم فرما۔۔۔ یا اللہ۔۔۔ ولید رحمان کی ماں پہ رحم فرما۔۔۔ اس کے لخت جگر کو سلامت رکھ۔۔۔ اس کو زندگی نواز دے۔" مادرا نے آنکھیں بند کر کے مٹھیاں بھینچتے ہوئے صدق دل سے دعا کی تھی۔

"ضمیر۔۔۔ ضمیر۔۔۔ ولید کہاں ہے؟" تیمور حیدر کی آواز پہ مادرا نے یک دم آنکھیں کھول دی تھیں۔ تیمور حیدر بہت بوکھلائے اور گھبرائے ہوئے انداز سے ضمیر انصاری کی طرف بڑھ رہا تھا اور اس کے پیچھے اس کی بہن عزت حیدر بھی تھی' جسے دیکھ کر مادرا بری طرح چونکی تھی۔

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ آپریشن تھیٹر میں ہے۔" ضمیر انصاری نے آپریشن تھیٹر کی طرف اشارہ کیا تھا' جہاں ڈاکٹرز جمع ہو رہے تھے۔

"وہ۔۔۔ بچ جائے گا نا؟" تیمور نے اپنے اندر کے خدشوں سے ڈر کر پوچھا تھا۔

"یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔۔۔ ورنہ اس کی حالت تو بہت ہی۔۔۔" ضمیر انصاری نے بات ادھوری چھوڑتے ہوئے لب بھینچ لیے تھے۔

اور عزت نے اپنے اندر اٹھتی چیخوں کو دبانے کے لیے اپنے دونوں ہاتھ منہ پہ رکھ لیے تھے۔

"یا اللہ۔۔۔" تیمور زیر لب کہتا بے ساختہ آپریشن تھیٹر کی طرف لپکا تھا اور عزت مرے مرے قدموں سے چلتی بے دھیانی میں آکر مادرا کے برابر بینچ پر بیٹھ گئی تھی اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپاتے ہوئے رو پڑی تھی۔

مادرا بڑے تعجب آمیز انداز سے اسے دیکھ رہی تھی کیونکہ تیمور حیدر کی اس قدر پریشانی اور بے قراری تو سمجھ آرہی تھی لیکن تیمور حیدر کی بہن کی ایسی کیفیت اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ ہوسکتا ہے کہ ولید رحمان سے اس کی

بھی کوئی دوستی ہو۔ ماورا نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے سوال کو خود ہی جواب سے نوازا۔

"دوستی... مگر نہیں... عورت اور مرد میں کبھی دوستی نہیں ہو سکتی۔" اس نے اپنے جواب کو خود ہی جھٹلا بھی دیا تھا۔

"تو پھر..." ذہن نے مزید الجھانے کی کوشش کی تھی۔

اور اس "تو پھر..." سے آگے کا جواب سمجھ میں آتے ہی ماورا چونک گئی تھی اور عزت حیدر کو گردن موڑ کر دوبارہ دیکھا تھا۔

"اس طرح رونے سے بہتر ہے کہ آپ اس کی زندگی کی دعا کریں... اللہ کے حضور جھک کر اس کا رحم مانگیں۔" ماورا نے بے حد آہستگی سے اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تھا اور عزت نے یک دم چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"آپ...؟" عزت اسے پہچان نہیں پائی تھی۔

"میں بھی ولید رحمان کے لیے ہمدردی رکھنے والوں میں سے ہوں... وہ واقعی بہت بری حالت میں ہے۔ اسے دعا کی ضرورت ہے۔" وہ بڑے مضبوط لہجے میں بول رہی تھی۔

"آ... آپ... نے... دیکھا ہے... اسے؟" عزت کو اس کی بری حالت کا سن کر یہی سوال سوجھا تھا۔

"ہاں دیکھا ہے... اور اس کی ماں کا کلیجہ کٹا ہوا نظر آیا ہے... خون میں لت پت۔" ماورا تھوڑی دیر پہلے کا منظر یاد کرتے ہوئے جھرجھری لے کر رہ گئی تھی۔

"وہ... وہ... بچ جائے گا نا؟" عزت کا بھی وہی تیمور والا سوال تھا۔

"وہ بچ جائے گا... یہ کہنے والے ہم کون ہوتے ہیں بھلا؟ یہ ساری ڈور تو اللہ کے ہاتھ میں ہے... ہاں البتہ یہ دعا ضرور کر سکتے ہیں کہ وہ بچ جائے... اللہ اسے لمبی عمر عطا کرے... آمین۔" ماورا کی بات پہ عزت نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"میں آپ کو پہچان نہیں پائی؟" عزت آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"ماورا! ڈرپ ختم ہو گئی ہے بیٹا!" بی گل روم سے نکل کر باہر آگئی تھیں۔

"جی میں ابھی نرس کو انفارم کرتی ہوں۔" ماورا کہتی ہوئی تیزی سے اٹھ گئی تھی اور بی گل پلٹ کر چلی گئیں جبکہ عزت جوں کی توں دیکھتی رہ گئی۔

"ماورا... ماورا مرتضیٰ... تت... تیمور بھائی کی... او... مائی گاڈ... میں اسے پہچان ہی نہیں پائی... مگر وہ... وہ... رات کے اس پہر یہاں کیوں ہے۔ اس کا کون بیمار ہے اور... اور اسے میرے... اور ولید کے بارے میں کیسے پتا چلا؟"

جس طرح تھوڑی دیر پہلے ماورا کے ذہن میں عجیب عجیب سوال اٹھ رہے تھے اسی طرح اب عزت کے ذہن میں بھی ایسے ہی عجیب عجیب سوال ہلچل مچا رہے تھے۔

"آپ کا اور ولید رحمان کا تعلق آپ کے چہرے پہ لکھا ہے۔" ماورا دوبارہ آکر اس کے برابر بیٹھ گئی تھی۔ عزت ایک بار پھر ٹھٹکی تھی۔

"آنسوؤں کی تحریر بڑی بامعنی ہوتی ہے... صاف نظر آجاتی ہے... کیونکہ میری بی گل کہتی ہیں کہ آپ کو کسی کے لیے ہنسی آجائے... یہ بڑی بات نہیں ہے... البتہ... آپ کو کسی کے لیے رونا جائے... یہ بہت بڑی بات ہے۔ کیونکہ ہنسی صرف چہرے سے پھوٹتی ہے جبکہ آنسو دل سے پھوٹتے ہیں اور دل سے آنسو اسی وقت پھوٹتے ہیں

جب بے چارے دل پہ چوٹ پڑتی ہے..... بلبلا تا ہے۔ بے چارہ۔"

ماورا نے عزت کا دھیان کافی حد تک بٹا دیا تھا۔ عزت بھی اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"حیران سی ہوں..... یہ بہت عام سی باتیں ہیں۔ آپ خاص بات کی طرف دھیان دیں۔" ماورا نے اس کی توجہ دوسری طرف دلانی چاہی۔

"خاص بات....." عزت نے زیر لب دہرایا۔

"دعا..... ولید رحمان کے لیے دعا کرنے کی بات....." اس نے دعا کی طرف توجہ دلائی۔

"عزت..... ولید کا آپریشن....." تیمور کافی عجلت بھرے انداز میں عزت کو دیکھ کر اس طرف آیا تھا مگر اس کے برابر میں بیٹھی ماورا کو دیکھ کر بے ساختہ رک گیا تھا اور بات بھی ادھوری رہ گئی تھی۔

"آپ یہاں....." تیمور کو اک نئی تشویش ہوئی تھی۔

"ہاں..... میری مدر کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔" ماورا کہتے ہوئے کھڑی ہو گئی تھی۔

"نروس بریک ڈاؤن.....؟" تیمور خود کلامی کے سے انداز میں بولا۔

"آپ لوگ بات کریں..... میں چلتی ہوں۔" ماورا یہ کہہ کر وہاں سے ہٹ گئی تھی۔



"مرتضیٰ..... مرتضیٰ..... بی گل..... مرتضیٰ....." عافیہ بیگم گہری غنودگی کے باوجود بے حد اذیت سے اور آہستگی سے پکار رہی تھیں اور ان کی اس پکار پہ ماورا کا دل مٹھی میں آگیا تھا۔

وہ اٹھ کر ان کے بیڈ کے قریب آگئی تھی۔

"امی..... پلیز ریلیکس....." اس نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہوئے تھپکا تھا۔

"دیکھیں..... ہم آپ کے پاس ہیں۔" اس نے انہیں تسلی دینے والے انداز سے کہا تھا۔

"بی گل..... مرتضیٰ....." عافیہ بیگم کے منہ سے جیسے سسکی ابھری تھی۔

"عافیہ..... عافیہ..... آنکھیں کھولو بیٹا..... سب ٹھیک ہے..... دیکھو تو سہی۔" بی گل نے بیڈ کے قریب آ کر ان کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں اپنی موجودگی کا یقین دلانے کی کوشش کی تھی۔

"ڈونٹ وری ماں جی..... وہ بے ہوشی میں ایسی باتیں کر رہی ہیں۔" نرس نے اندر آتے ہوئے انہیں پریشانی سے منع کیا تھا۔

"بے ہوشی میں بھی تو صحیح باتیں کر رہی ہے۔" بی گل نے تلخی سے کہہ کر سر جھٹکا۔

"بے ہوشی میں اکثر لوگ صحیح باتیں ہی کرتے ہیں۔" نرس ہلکے سے مسکرائی تھی۔

"اسی لیے تو پریشانی ہو رہی ہے۔" بی گل تاسف سے بولی تھیں۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تھوڑی دیر بعد یہ مکمل ہوش میں آجائیں گی۔ ریلیکس....." نرس عافیہ بیگم کا چیک اپ کرنے کے بعد ان سے کہتے ہوئے ماورا کا کندھا تھپک کر باہر نکل گئی تھی۔



ولید کو خون کی ضرورت تھی۔

اور اتفاق سے تیمور کا خون میچ کر گیا تھا۔

ماورا عافیہ بیگم کے چیک اپ کے لیے ڈاکٹر کو بلانے کے لیے نکلی تھی لیکن سامنے والے روم میں بیڈ پہ لیٹے

تیمور حیدر کو دیکھ کر قدم ٹھٹک کر رک گئے تھے۔۔۔ جس کی نبضوں سے ولید رحمان کے لیے خون نکالا جا رہا تھا۔۔۔ ماورا کے دل پہ اک سایہ سا گزرا تھا اور اسے پتا بھی نہیں چلا تھا۔

وہ ٹھٹکی تھی۔۔۔ رکی تھی۔۔۔ دیکھا تھا۔۔۔ کچھ ہوا تھا۔۔ اور آگے بڑھ گئی تھی۔

لیکن زیادہ آگے بھی نہیں بڑھ سکی تھی۔۔۔ کیونکہ راستے میں ہی عزت حیدر بھی بیٹھی ہوئی تھی۔۔۔ پریشان حال۔۔۔ اور آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی۔۔۔ ماورا اسے نظر انداز نہیں کر سکی۔

"عزت۔۔۔" اس کے قدم ٹھہر چکے تھے۔

عزت۔۔۔ نے آہستگی سے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔

"میرے ساتھ آجاؤ۔" ماورا نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا اور عزت تو انکار کرنے کی حالت میں ہی نہیں تھی۔ اس کا ہاتھ تھام کر راہ داری کے بینچ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور ماورا اسے ساتھ لیے اپنے کمرے میں واپس آگئی تھی۔



"السلام علیکم۔۔۔" صبح ہو چکی تھی، جب تیمور نے اندر داخل ہوتے ہوئے سلام کیا تھا اور عزت کو چائے کا کپ تھماتی ماورا کے ہاتھ رک گئے تھے۔

بی گل اور عافیہ بیگم نے بھی چونک کر دروازے کی سمت دیکھا تھا۔ عافیہ بیگم ہوش میں آچکی تھیں اور کافی دیر سے عزت کو دیکھ رہی تھیں کہ وہ کون ہے مگر دل میں ناراضی ہونے کی وجہ سے پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔۔۔ لیکن اب دروازے میں کھڑے تیمور حیدر کو دیکھ کر وہ عزت کو بھی پہچان گئی تھیں۔

"وعلیکم السلام بیٹا۔۔۔ آؤ۔۔۔ اندر آؤ۔" بی گل دانا دشمن والے محاورے پہ پورا اترنے والوں میں سے تھیں۔۔۔ عافیہ بیگم کی طرح دوسری طرف رخ نہیں پھیر سکتی تھیں۔

"تھینک یو۔۔۔ آنٹی کیسی ہیں؟" اس نے ذرا ٹھہر کر اندر داخل ہوتے ہوئے بی گل سے استفسار کیا تھا۔

"ہاں۔۔۔ اللہ کا کرم ہے اب۔۔۔ پہلے سے کافی بہتر ہے۔۔۔ تم اپنے دوست کا سناؤ بیٹا۔۔۔ خیریت سے تو ہے نا۔" بی گل نے ولید کا پوچھا تھا۔

"جی ہاں۔۔۔ اللہ کا احسان ہے۔۔۔ اس کا آپریشن کامیاب ہوا ہے۔"

"ریئلی، بھائی!" عزت یک دم بے قراری سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور اس پل پہلی دفعہ تیمور نے ذرا چونک کر عزت کے چہرے کی سمت دیکھا تھا اور اسے عزت کے چہرے پہ ولید کے نام کی اتنی خوشی نظر آئی تھی کہ عزت کا اپنا چہرہ اسے دکھائی ہی نہیں دیا تھا اور تیمور عزت کے چہرے پہ ولید کا چہرہ دیکھ کر چند لمحے کے لیے اپنی جگہ پہ گم صم سا ہو کر رہ گیا تھا۔

اور اس کا یہ گم صم ہونا عزت نے بھی محسوس کر لیا تھا اور ماورا نے بھی۔۔۔

عزت بے ساختہ تھم گئی تھی۔

"چائے لیں گے؟" ماورا نے مداخلت کی۔ وہ ٹھٹک گیا تھا۔

"نو تھینکس۔۔۔ میں ابھی گھر جا رہا ہوں۔۔۔ سوچا اسے بھی ساتھ لے لوں۔۔۔ چلیں۔۔۔؟" وہ ماورا کو وضاحت دیتے ہوئے عزت کی طرف متوجہ ہوا۔

"جی۔۔۔" عزت فوراً سر جھکا کر اس سے پہلے ہی باہر نکل آئی تھی۔



صبح صبح سڑکوں پہ بہت زیادہ رش تھا۔

ڈاکٹرز نے تیمور کو آج کے دن ڈرائیو کرنے سے منع کیا تھا کہ خون دینے کی وجہ سے اسے کہیں کوئی چکر وغیرہ نہ آجائے۔ مگر وہ ایسا پریشان تھا کہ اسپتال سے خود ہی گاڑی لے کر نکل آیا تھا۔

عزت فرنٹ سیٹ پہ سر جھکائے بیٹھی تھی اور تیمور خاموشی سے ونڈ اسکرین پہ نظریں جمائے ڈرائیو کر رہا تھا۔

"بھائی۔" بالآخر عزت نے خود ہی اس خاموشی کا تسلسل توڑنے کی کوشش کی تھی۔

"پلیز۔ میں ابھی اس ٹاپک پہ بات نہیں کرنا چاہتا۔" تیمور نے اسے کچھ بھی کہنے سے منع کر دیا تھا۔

"لیکن بھائی! میں کرنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ آپ کسی غلط فہمی کا شکار ہوں۔" عزت بڑی تیزی سے بولی تھی۔

"میرے دل میں کوئی غلط خیال نہیں آئے گا۔ کیونکہ مجھے تم سے بھی زیادہ اس پہ بھروسا ہے۔ اعتماد ہے۔ یقین ہے۔" تیمور نے سنجیدگی و یقین سے کہا۔

"تو پھر ایسا رویہ کیوں؟" عزت نے بے ساختہ کہا۔

"افسوس ہے کہ اس نے یا تم نے مجھ پہ بھروسا نہیں کیا۔" تیمور نے تلخی سے سر جھٹکا۔

"نہیں بھائی۔ ایسا مت کہیں۔ میں تو۔"

"تو پھر۔ پھر کیوں ایسا ہوا کہ۔ مجھے بے خبر رکھا گیا؟" تیمور چیخا۔

"کیونکہ وہ اس بات کے حق میں ہی نہیں تھا۔ وہ انکاری تھا۔ وہ کہتا تھا کہ میں اس کے دوست کی بہن ہوں اور وہ اپنے دوست کی بہن کو اس نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ اور نہ ہی... شادی کر سکتا ہے۔ کیونکہ ہمارے بیچ کلاس کا فرق ہے۔ اسی فرق کو لے کر اس نے مجھے بہت نظر انداز کیا۔ میں جانتی تھی کہ وہ مجھ میں انٹرسٹڈ ہے مگر اسٹیٹس کی وجہ سے اور آپ کی وجہ سے اظہار نہیں کر رہا۔" وہ رکی۔

"اور بیچ میں پھر کچھ ایسا وقت آیا کہ میں نے غصے میں اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیا۔ لیکن جب اسے مونس مرزا کا پتا چلا تو پھر وہ چپ نہیں رہ سکا۔ اور یہ ابھی کل کی بات ہے۔ اور آج یہ سب ہو گیا۔ پھر کیسے اور کب کچھ بتاتی آپ کو۔"

عزت نے تیمور کے سامنے ساری بات سچ سچ کہہ دی تھی اور تیمور نے ڈرائیو کرتے ہوئے اک گہری سانس خارج کی تھی اور پھر قدرے توقف سے گردن موڑ کر عزت کی طرف دیکھا تھا۔

"اینی وے۔ یو ڈونٹ وری۔ میں سب سنبھال لوں گا۔ مجھے خوشی ہے اس بات کی کہ تم نے ایک اچھے انسان کا انتخاب کیا۔ جو ہر معاملے میں سچا اور کھرا ہے۔" تیمور نے کہتے ہوئے عزت کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا تھا اور عزت اس کے اس قدر بھرپور ساتھ پہ بے ساختہ خدا کا شکر بجا لائی تھی۔

"تھینک یو بھائی۔ تھینک یو سو مچ۔" عزت اس کے بازو سے لگ گئی تھی۔

"جانتی ہو بابا کا کیا ری ایکشن ہو گا؟" تیمور کا اشارہ مونس مرزا کے پرپوزل کی طرف تھا کہ اس کے بعد ولید کے پرپوزل کی کیا حیثیت ہو گی۔

"ہاں جانتی ہوں۔ مگر آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کوئی ڈر نہیں ہے۔ اب میں ریلیکس ہوں۔"

وہ بیٹھے بیٹھے چہکنے لگی تھی اور تیمور نے مسکراتے ہوئے گیٹ پر ہارن دیا تھا۔



"بیگم صاحب۔۔۔ باہر آفاق صاحب آئے ہیں۔" منزہ رحیم ملازمہ سے ڈائننگ روم سیٹ کروا رہی تھیں جب ملازم نے آکر اطلاع دی اور منزہ رحیم اپنی جگہ پہ جوں کی توں رہ گئیں۔

"آفاق۔۔۔؟" انہوں نے بمشکل ہونٹوں کو جنبش دی تھی۔

"جی ہاں۔۔۔ آفاق صاحب!" ملازم نے تصدیق کی۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ اندر بھیجو۔" منزہ رحیم نے اپنے تاثرات سنبھال کر لیے تھے۔

"جی ٹھیک ہے۔" ملازم کہہ کر چلا گیا تھا اور چند ثانیے بعد آفاق کی صورت نمودار ہوئی تھی۔

"السلام علیکم آنٹی!" اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام۔" منزہ رحیم کا لہجہ آج پھر اجنبیت لیے ہوئے تھا۔

"کیسی ہیں؟" وہ قریب آچکا تھا۔

"ٹھیک ہوں' اللہ کی مہربانی ہے۔۔۔ آؤ بیٹھو۔" انہوں نے اپنے آپ کو رفتہ رفتہ نارمل کرنے کی کوشش کی تھی۔

"تھینک یو۔" آفاق نے شکریہ ادا کیا اور پھر اسے کھڑے دیکھ کر منزہ رحیم خود بھی بیٹھ گئی تھیں۔

"خیریت۔۔۔ آج فیصل آباد کا چکر کیسے لگا لیا؟" وہ بڑے ٹھہرے ہوئے انداز سے بولی تھیں۔ آفاق بے ساختہ ہلکے سے مسکرا دیا تھا۔

"آپ لوگوں سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔" اس کے لہجے اور انداز میں نرمی تھی۔

"اتنی محبت تو نہیں ہے تمہیں ہم سے کہ ہم سے ملنے کے لیے فیصل آباد آجاؤ۔" ان کے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی طنز اتر آیا تھا۔

"آپ کو پتا ہی تو نہیں ہے کہ ہم فیصل آباد والوں سے کتنی محبت کرتے ہیں۔۔۔ بس کبھی کبھی اظہار میں تاخیر ہو جاتی ہے، اور فیصل آباد والے ناراض ہو کر کراچی چھوڑ دیتے ہیں۔" آفاق جیسے بڑے موڈ سے اور بڑے مزے سے بول رہا تھا۔

"ہر بار تاخیر اچھی نہیں ہوتی نا۔۔۔ اس لیے۔۔۔" منزہ رحیم نے اپنی بات پہ زور دیا تھا۔

"تاخیر کی کوئی وجہ۔۔۔ کوئی مجبوری بھی تو ہو سکتی ہے، نا؟" آفاق نے سوالیہ دیکھا۔

"ہر بار کوئی وجہ۔۔۔ کوئی مجبوری نہیں ہوتی۔۔۔ انسان کی اپنی مرضی ہوتی ہے۔"

"دیکھیں آنٹی جان۔۔۔ کبھی کبھی انسان کی مجبوری نظر نہیں آتی۔۔۔ مرضی نظر آنے لگتی ہے۔ مگر مجبوری اور مرضی میں فرق جاننے کے لیے گہرائی میں اترنا پڑتا ہے اور گہرائی میں اترنے کا کام کوئی بھی نہیں کرنا چاہتا۔۔۔ اتنا ٹائم نہیں ہے کسی کے پاس۔۔۔ کہ کوئی کسی کو جاننے کی کوشش کرے۔" آفاق کی بات پہ منزہ رحیم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا کیونکہ اس کے لہجے میں ایسا کچھ ضرور تھا کہ ان کے دل کو بھی احساس ہوا تھا۔

"ناشتا کرو گے؟" انہیں بالآخر خیال آ ہی گیا تھا۔

"مہربانی ہو گی آپ کی۔۔۔ ناشتا تو واقعی کرنا ہے ابھی۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ میں ناشتا لگواتی ہوں۔" وہ فوراً اٹھتے ہوئے بولیں۔

"لیکن فارہ کے کمرے میں۔۔۔" وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کمرے میں۔۔۔ لیکن فارہ تو سو رہی ہے۔" وہ پلٹتے ہوئے رک گئی تھیں۔

"میں اسے جگاؤں گا نہیں۔ صرف ناشتا کروں گا اس کے پاس بیٹھ کر۔" آفاق انہیں تسلی دے کر ڈرائنگ روم سے نکل گیا تھا اور منزہ رحیم اس کی عجیب سی باتوں پہ حیران ہوتی کچن کی طرف چل دی تھیں۔ اور ملازمہ کو اس کے ناشتے کے لیے کہا تھا۔



وہ بے حد آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔

فارہ اپنے بیڈ پہ گہری اور بے خبر نیند سو رہی تھی۔ آفاق بے آواز قدموں سے چلتا آہستگی سے دروازہ بند کر کے اس کے بیڈ کے قریب آگیا تھا۔

فارہ دائیں کروٹ سو رہی تھی اور اپنا دایاں ہاتھ چہرے کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ کھڑکی سے اندر آتی مدھم روشنی میں اس کا چہرہ بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ آفاق اسے دیکھ کر پرسکون ہو گیا تھا اور پھر آہستگی سے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کے چہرے سے بال پیچھے ہٹائے تھے۔

وہ اس وقت گلابی رنگ کے سلکی نائٹ ڈریس میں ملبوس تھی اور اس کے سراپے کی اس قدر نرمی اور لاپروائی دیکھ کر آفاق کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا مگر وہ اس وقت کسی بے خودی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا۔ اسی لیے دل کو کچھ لگام ڈالنے کے لیے بے اختیار آہستگی سے وہ اس پہ جھکا اور اس کے چہرے پہ اپنی بے قراری کی مہر ثبت کر دی تھی۔

فارہ بے ساختہ اس لمس پہ کسمسائی تھی اور آفاق نے جیسے اپنی سانس تک روک لی تھی۔ کیونکہ وہ اس کے اوپر جھکا ہوا تھا۔ یوں اس کے کسمسانے پہ یک دم پیچھے ہٹتا تو وہ بیدار ہو جاتی۔ پھر کمال احتیاط سے اسے بغور دیکھ کر مسکراتے ہوئے ایک اور جسارت کرتا اس کے قریب سے اٹھ گیا تھا۔

"صاحب جی ناشتا۔" ملازمہ نے بے حد ہلکی سی دستک دی تھی۔

آفاق نے آگے بڑھ کر فوراً دروازہ کھول دیا تھا۔

"بس یہ رکھ دو... مگر آرام سے۔" اس نے ملازمہ کو آہستگی سے رکھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"جی..." ملازمہ نے سرہلاتے ہوئے آگے بڑھ کے ناشتے کی ٹرے بے حد آہستگی سے ٹیبل پہ رکھ دی تھی اور باہر نکل گئی تھی۔ آفاق دروازہ بند کر کے صوفے پہ آبیٹھا تھا۔

اور بغیر آواز کے برتن ادھر سے ادھر رکھتے ہوئے ناشتا کرنے لگا۔

اور ابھی وہ ناشتا کر ہی رہا تھا کہ اس کا موبائل گنگنا اٹھا تھا۔ آفاق نے گھبرا کر موبائل کو سائلنٹ کرنے کی کوشش کی تھی... مگر تب تک دیر ہو چکی تھی... فارہ کی نیند اور خواب کا تسلسل ٹوٹ چکا تھا۔ اس نے جیسے ہی آنکھیں کھولیں۔ پہلی نظر صوفے پہ بیٹھے آفاق پہ ہی پڑی تھی۔ جو بڑے اطمینان سے براجمان... انتہائی سکون سے ناشتا کرنے میں مصروف تھا۔ فارہ کو ایسا لگا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ اسی لیے اس نے دوبارہ پلکیں موندنے کی کوشش کی تھی۔

"گڈ مارننگ..." آفاق کی آواز پہ وہ یک دم چونک گئی تھی اور اس نے بے ساختہ آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا تھا کہ وہ واقعی اس کے بیڈ روم میں اور اس کی نظروں کے سامنے موجود ہے لیکن وہ اس کی حیرت سے بے نیاز لاپروائی سے ناشتا کرنے میں مشغول تھا۔

"آپ..." وہ یک دم اٹھ بیٹھی تھی۔

"اٹس او کے.... سوئی رہو... ڈسٹرب نہیں کروں گا... صرف ناشتا کروں گا۔" اس نے فارہ کو اس طرح بوکھلانے اور گھبرانے سے منع کیا تھا۔

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟" فارہ کے اندر بیویوں والا غصہ عود کر آیا تھا۔

"ناشتا کرنے۔" آفاق کی لاپروائی ہنوز تھی۔

"آفاق... آپ جانتے ہیں میں مذاق نہیں کر رہی۔" فارہ لفظوں پہ زور دے کر بولی۔

"لیکن تم جانتی ہو کہ میں مذاق کر رہا ہوں۔" وہ چائے کا کپ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے بولا۔

"آپ ہمیشہ مذاق ہی کرتے ہیں... بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مذاق ہی اڑاتے ہیں... وہ بھی صرف میرا۔" وہ اپنی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

"محبت بھی تو صرف تم سے کرتا ہوں نا؟" وہ چائے کا کپ یوں ہی ہاتھ میں لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"پلیز... میرے قریب مت آئیں۔" وہ اسے بیڈ پہ بیٹھتے دیکھ کر یک دم پیچھے ہٹی تھی۔

"مجھے یقین تھا کہ تم ایسا ہی کہوگی' اسی لیے اس وقت تمہارے قریب آیا جب تم سو رہی تھیں۔" آفاق نے اس کے رخسار کو چھوا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ مزید ٹھٹکی۔

"اپنے تھپڑ کا مداوا بھی تو کرنا تھا؟" آفاق کا جملہ معنی خیز تھا۔

"مداوا..." فارہ کھٹک گئی تھی۔

"چلو مداوا نہ سہی مرہم کہہ لو... اپنی دی ہوئی چوٹ پہ مرہم بھی تو مجھے ہی لگانا تھا نا؟" آفاق کی ٹون ہی بدلی ہوئی تھی۔ فارہ کو لگا وہ نشے میں ہے... اس نے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

"تمہارے سارے شکوے اور شکایتیں ختم کرنے آیا ہوں... ہمیشہ ہمیشہ کے لیے..." آفاق کہتے ہوئے اس

کے بالوں کو چھونا چاہ رہا تھا' مگر وہ یک دم بیڈ سے ہی کھڑی ہو گئی تھی۔
''میرے سارے شکوے اور ساری شکایتیں آل ریڈی ختم ہو چکے ہیں' ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔۔۔ اس لیے آپ یہاں سے جا سکتے ہیں۔۔۔ میں اپنے گھر میں سکون سے ہوں۔'' فارہ رکھائی سے کہہ رہی تھی۔ وہ آفاق سے برگشتہ تھی اس کی ایسی نرمی اور نوازش پہ بھی بھڑک گئی تھی۔
''تم اپنے گھر میں سکون سے ہوتیں تو شاید میں بھی اپنے گھر میں سکون سے ہوتا۔۔۔ لیکن افسوس کہ سکون ہی تو نہیں ہے نا۔'' وہ کپ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔
''آپ سے کس نے کہا کہ میں سکون سے نہیں ہوں؟'' وہ تلخی سے بولی۔
''تمہاری آنکھیں کہہ رہی ہیں۔۔۔ تمہارا چہرہ کہہ رہا ہے۔۔۔ تمہارا اک اک انداز کہہ رہا ہے۔۔۔ تم بے سکون ہو۔۔۔ بے چین ہو۔۔۔ اداس ہو۔۔۔'' آفاق نے گمبھیر لہجے میں کہتے ہوئے اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا اور فارہ پیچھے ہٹنے کی محض کوشش کرتی رہ گئی تھی۔
''بتاؤ۔۔۔ اداس نہیں ہو کیا؟'' اس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے سوال کیا۔
فارہ کے دل میں چھپے تمام جذبات اس کی آنکھوں میں امڈ آئے تھے اور وہ بے ساختہ رو پڑی تھی۔
''فارہ پلیز۔۔۔ یہ کام مت کیا کرو۔۔۔ میرے دل پہ اثر ہوتا ہے۔'' آفاق نے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا تھا اور فارہ اس کے سینے سے لگ کے مزید پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔
''پلیز۔۔۔ فارہ۔۔۔ پلیز۔۔۔ چپ ہو جاؤ۔۔۔ پلیز میرے لیے۔'' آفاق اس کے بالوں کو ایک ہاتھ سے سہلاتے ہوئے اسے چپ کروا رہا تھا۔
''آپ کے لیے سب کر کے دیکھا ہے۔۔۔ بہت برداشت کر کے دیکھا ہے۔۔۔ مگر نہیں۔۔۔ اب نہیں ہوتا۔'' اس نے روتے ہوئے انکار کیا تھا۔
''صرف ایک چانس اور دے دو۔۔۔ اب دوبارہ ایسا ہو تو بے شک جو چاہے سزا دینا۔'' آفاق نے التجا کی تھی۔
''ہرگز نہیں۔۔۔'' فارہ نے اس سے الگ ہوتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔
''پلیز۔۔۔'' اس نے پھر کہا۔
''کبھی نہیں۔۔۔'' وہ مان ہی نہیں رہی تھی۔
''واپس اپنے گھر چلو۔'' آفاق اسے دلچسپ اور ذومعنی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
''نہیں جانا۔۔۔!'' وہ ایک ہی ضد پہ اڑ چکی تھی۔
''سوچ لو۔۔۔'' آفاق کی دلچسپی ہنوز تھی۔
''سوچ لیا ہے۔۔۔'' وہ بھی قائم تھی۔
''ٹھیک ہے پھر جب تک تم یہاں ہو میں بھی یہاں ہی رہوں گا' بیڈ روم تو ویسے بھی خاصا خوب صورت ہے' انجوائے کریں گے۔'' آفاق نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔
''واٹ۔۔۔ آپ یہاں رہیں گے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' وہ بدک گئی۔
''کیوں نہیں ہو سکتا؟ یہ میری سگی خالہ کا گھر ہے اور کمرا سگی کزن کا۔۔۔ مزے میں رہوں گا۔'' وہ کہتے ہوئے بیڈ پہ قدرے نیم دراز سا ہو گیا تھا۔
''آفاق۔۔۔!'' فارہ تو جیسے بری پھنسی تھی۔
اور آفاق اس کی کیفیت پہ بے اختیار مسکرا دیا تھا اور اسے قریب آنے کا اشارہ کیا تھا۔



دروازے پہ دستک ہوئی تھی اور زبیدہ بیگم کے کام کرتے ہاتھ یک دم رک گئے تھے۔

یہ دستک ولید کے ہاتھ کی نہیں تھی اور وہ تھا کہ دو دن سے گھر ہی نہیں آیا تھا۔ اسی لیے وہ ذرا پریشان سی کام چھوڑ کر دروازے تک آئی تھیں۔

"کون ہے...؟"

"آنٹی... میں ہوں تیمور... ولید سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔" آواز سنتے ہی انہوں نے دروازہ کھول دیا تھا۔

"ولید سے ملنے کے لیے؟ مگر بیٹا! وہ تو دو دن سے ایسا کام میں بزی ہے کہ گھر ہی نہیں آیا۔" زبیدہ بیگم اپنی پریشانی دباتے ہوئے بولیں۔

"اچھا... کیا میں اندر آسکتا ہوں؟" تیمور نے اندر آنے کے لیے اجازت چاہی۔

"ہاں ہاں... کیوں نہیں بیٹا... آؤ... اندر آجاؤ..." وہ دروازے کے سامنے سے ہٹ گئی تھیں اور وہ اندر آگیا تھا۔

"وحید اور ککو کہاں ہیں؟" اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے تمہید باندھنے کی کوشش کی۔

"اسکول گئے ہیں۔ کیوں خیریت بیٹا؟" ان کا دل وہم اور وسوسوں کا شکار ہو چکا تھا۔

"آپ بیٹھیے پلیز..." اس نے صحن میں بچھی چارپائی کی طرف اشارہ کیا۔

"تم بھی بیٹھو نا...!" ولید کی غیر موجودگی میں وہ کبھی ان کے گھر نہیں آیا تھا اور کبھی بلانے آیا بھی تھا تو دروازے سے ہی لوٹ جاتا تھا جبکہ آج تو وہ باقاعدہ اندر چلا آیا تھا اور بیٹھنے کا اشارہ دے رہا تھا۔

"جی بیٹھتا ہوں۔" تیمور سرہلاتے ہوئے بیٹھ گیا اور پھر زبیدہ خاتون بھی بیٹھ گئی تھیں۔

"دیکھیے آنٹی! میں آپ کو لینے کے لیے آیا ہوں۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔ ولید اسپتال میں ہے، لیکن پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے وہ ٹھیک ہے اب..." اس نے یک دم بتانے سے پرہیز کیا تھا۔

اور زبیدہ بیگم کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی تھی۔ ان کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

"کک... کیا ہوا ہے اسے...؟" وہ ہکلا گئی تھیں۔

"وہی ہوا ہے جس کا مجھے ڈر تھا اور میں نے اسے سمجھایا بھی تھا، لیکن وہ نہیں سمجھا۔"

"مگر اسے ہوا کیا ہے؟" وہ بمشکل بول پارہی تھیں۔

"اس پہ فائرنگ ہوئی ہے... اسے تین گولیاں لگی ہیں۔ رات کو آپریشن ہوا ہے، دو گولیاں نکال دی گئی ہیں، لیکن ایک گولی ابھی باقی ہے۔ اس کا دوبارہ آپریشن ہوگا۔"

تیمور نے بڑے تحمل اور بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں بتایا تھا تاکہ انہیں زیادہ دھچکا نہ لگے، مگر پھر بھی وہ آخر ماں تھیں ان کا کلیجہ مٹھی میں آگیا تھا۔ اور وہ ضبط کرتے کرتے بھی رو پڑی تھیں۔

"پلیز آنٹی... روئیں مت... وہ ٹھیک ہے۔ اگر ٹھیک نہ ہوتا تو میں کبھی بھی آپ کے پاس نہ آتا... میں آپ کو دکھ میں نہیں دیکھ سکتا۔ وہ ٹھیک ہے اب۔ خطرے سے باہر ہے۔ اسی لیے پورے اطمینان کے بعد میں آپ کو لینے کے لیے آیا ہوں... آپ اللہ کا شکر ادا کریں کہ وہ ٹھیک ہے اور اس کی جان بچ گئی ہے۔" تیمور نے انہیں اچھی طرح تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

"ہائے میرے اللہ... تیرے سوا اور کون ہے ہمارا... ولید کو اپنے کرم کے سائے میں رکھ... میرے بچے کو زندگی دے... شفا دے۔"

زبیدہ خاتون اللہ سے التجا کر رہی تھیں، تیمور نے سر جھکا لیا تھا۔
پھر جب وہ اچھی طرح دل کا غبار نکال چکیں تو وہ انہیں ساتھ لے آیا تھا۔



عافیہ بیگم کو ایک مکمل ٹریٹ منٹ کے بعد اسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔
اس لیے اسپتال سے جانے سے پہلے ماورا ولید کی خیریت معلوم کرنے کے لیے اس کے روم میں آئی تھی۔

"السلام علیکم۔۔۔!" اس نے دروازہ پر دستک دی۔ سب نے چونک کر دروازے کی سمت دیکھا تھا اور ان سب میں تیمور حیدر بھی تھا۔
"کیا میں اندر آسکتی ہوں؟" اس نے اجازت طلب کی۔
"آئیے۔۔۔" زبیدہ خاتون نے کہا۔
بیڈ پہ پڑا ولید اسے دیکھ کر قدرے حیران ہوا تھا کہ تیمور کی ماورا مرتضیٰ یہاں۔۔۔؟
"کیسے ہیں آپ۔۔۔؟" وہ سیدھی ولید کے پاس آکر رکی تھی۔
"آپ کے سامنے ہوں۔" ولید حسب عادت اتنی تکلیف کے باوجود باز نہیں آیا تھا۔ شرارت اس کے چہرے پہ دوڑ گئی تھی۔
"میرے سامنے آپ اچھے حال میں نہیں ہیں نا اس لیے۔" ماورا جانتی تھی وہ بہت شگفتہ مزاج ہے۔
"آپ سے کس نے کہا کہ میں اچھے حال میں نہیں ہوں؟ دیکھ لیں آج بڑی بڑی ہستیاں میرے انتظار میں بیٹھی ہیں۔ اس سے اچھا حال اور کیا ہوگا؟" اس نے تیمور، زبیدہ بیگم اور ماورا کی طرف اشارہ کیا تھا۔
"لیکن یہ بڑی بڑی ہستیاں آپ کو اس طرح نہیں دیکھنا چاہتیں۔ اس لیے جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔" ماورا بڑی نرمی سے بات کر رہی تھی۔
"آپ عیادت کے لیے آگئی ہیں، سمجھ لیں میں ابھی سے ٹھیک ہو گیا ہوں۔" تیمور پہلو بدل کر ادھر ادھر دیکھنے لگا تھا کیونکہ اسے ولید کی خباثت کا اندازہ تھا۔۔۔ وہ اپنی کمینگی سے باز آنے والا نہیں تھا۔
"چلیں، یہ تو اچھی بات ہے۔ فی الحال میں چلتی ہوں۔ امی میرا انتظار کر رہی ہیں۔" ماورا نے اجازت چاہی۔
"رکے 'فی الحال جائیں لیکن دوبارہ آئیں گی؟" اس نے لگے ہاتھوں آئندہ کا بھی پوچھ لینا چاہا تھا، ماورا ٹھٹکی تھی، پھر ولید کے چہرے پہ شرارت کا عنصر دیکھتے ہوئے بے ساختہ مسکرا دی تھی۔
"ضرور آؤں گی۔۔۔ اللہ حافظ۔" وہ ان سب کو خدا حافظ کہہ کر چلی گئی تھی اور ولید، تیمور کو دیکھ کر آنکھ دباتے ہوئے ہنس پڑا تھا۔
"واہ۔۔۔ میری تو انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی ان سے۔" وہ تکلیف کے باوجود فریش نظر آ رہا تھا۔
"کمینگی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے ولید!" تیمور تلملا کر کھڑا ہو گیا تھا۔
"اپنی ہونے والی بھابھی سے بات کرنا کہاں کی کمینگی ہے بھلا۔۔۔ کیا چاہتے ہو کہ میں بات نہ کروں صرف تم کرو۔۔۔؟" ولید الٹا خفا ہونے لگا تھا۔
"شرم کرو۔۔۔ تمہیں تین گولیاں لگی ہیں، میڈیا پہ تمہاری باتیں ہو رہی ہیں۔ لوگ تمہارے لیے پریشان ہیں اور تم ہو کہ پرواہی نہیں ہے، ایسے بات کر رہے ہو جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہے یہ گولیاں تمہیں نہیں کسی اور کو لگی ہیں۔" تیمور نے اسے بری طرح لتاڑا تھا۔

"اچھا۔۔۔ تو تم چاہتے ہو کہ میں گولیاں کھا کر بے ہوش پڑا رہوں؟" ولید نے اسے بری طرح ستایا تھا۔
"بے ہوش نہیں ہم از کم خاموش پڑے رہو تاکہ پتا چلے کہ تم زخمی ہو۔" وہ خفگی سے جھنجلا کر بولا تھا۔
"زخمی تو تم بھی ہو۔۔۔؟" ولید کا لہجہ اب کی بار معنی خیز ہوا تھا' تیمور نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔

"آنٹی! میں ذرا دیر کے لیے باہر جا رہا ہوں بعد میں آؤں گا۔" تیمور پلٹ کر زبیدہ خاتون سے کہتا دروازے کی طرف بڑھا۔

"اب کیا فائدہ۔۔۔؟ اب تو وہ جا چکی ہیں۔" ولید نے پیچھے سے آواز دی تھی اور زبیدہ خاتون ساری بات سمجھتے ہوئے مسکرا دی تھیں۔



ماورا کچن میں کھڑی عافیہ بیگم کے لیے جوس بنا رہی تھی جب اچانک اس کا موبائل بجنے لگا تھا۔ اس نے جلدی سے باہر نکلتے ہوئے کال ریسیو کی۔
"ہیلو! کیسی ہو۔۔۔؟" قارہ نے چھوٹتے ہی استفسار کیا۔
"فٹ ہوں۔۔۔" ماورا اس سے بات کرتے ہوئے دوبارہ کچن میں آگئی۔
"کیا ہو رہا ہے۔۔؟"
"امی کے لیے جوس بنا رہی ہوں۔۔۔ ان کی طبیعت خراب تھی۔"
"خیریت کیا ہوا ان کو۔۔۔؟" قارہ کو تشویش ہوئی تھی۔
"تیمور حیدر نے پرپوز کیا ہے مجھے اور آگے کا مسئلہ تم خود سمجھ سکتی ہو۔" ماورا جوس مکس کرتے ہوئے بولی۔
"او اچھا! کیا کہتی ہیں آنٹی۔۔۔؟"
"کہا کچھ نہیں، بس نروس بریک ڈاؤن ہو گیا۔"
"مائی گاڈ! اتنا برا اثر لیا انہوں نے؟" قارہ کو پریشانی ہونے لگی۔
"اب اچھا اثر بھی ہو گا۔۔۔" ماورا کی سنجیدگی اور مضبوطی اس کے لہجے سے ہی ظاہر ہوتی تھی۔
"اوکے آپ ٹینشن فل میں کل کراچی آجاؤں گی۔ آج ڈیڈی اور حماد بھائی نے ہم کو روک لیا ہے۔"
"واٹ۔۔۔؟ تم فیصل آباد میں ہو۔۔۔؟ مجھے بتایا بھی نہیں؟" ماورا کو اچنبھا ہوا۔
"سب آکر بتاؤں گی۔۔۔ ویٹ کرو۔"
"ٹھیک ہے اللہ حافظ۔" ماورا فون بند کر کے جوس لے کر عافیہ بیگم کے پاس آگئی۔
"مجھے نہیں پینا۔۔۔" انہوں نے رخ موڑ لیا تھا۔
"امی۔۔۔ میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتی پلیز۔" ماورا نے کہتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں سے ان کے پاؤں پکڑ لیے تھے، اور عافیہ بیگم ڈھل گئی تھیں۔
"ماورا۔۔۔!" انہوں نے بے اختیار اسے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔



"آج بڑے دنوں بعد سکون ملا ہے۔۔۔" ماورا نے آنکھیں موندے بڑے مزے سے کہا تھا جبکہ گل اس کے بالوں

میں تیل سے مساج کر رہی تھیں اور وہ نیچے قالین پہ بیٹھی انجوائے کر رہی تھی۔

"کسی کو بے سکون کرنے کا عہد کرنے کے بعد۔" بی گل بھی کہے بغیر نہیں رہتی تھیں۔

"طرف داری کر رہی ہیں۔۔۔ یا ہمدردی ہو رہی ہے۔۔؟" ماورا نے کریدا۔

"محبت تم سے کرتا ہے۔۔۔ سب کچھ تم پہ وار رہا ہے۔۔؟ ہمدردی ہمیں کیوں ہوگی۔۔۔؟" بی گل نے لاپروائی دکھائی اور ماورا جواباً" بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنسی تھی۔

"جیلس ہو رہی ہیں۔۔۔؟" اس نے انہیں چھیڑا تھا۔

"ہاں۔۔۔ بندہ ہو بھی جاتا ہے۔" وہ جیسے افسردگی سے بولی تھیں۔

"ارے، ڈونٹ وری میں وہ سب کچھ آپ پہ وار دوں گی۔" ماورا نے بڑے پیار سے، اور بڑے شاہانہ انداز سے کہا تھا۔

"بس بس رہنے دو۔" وہ خفگی سے بولیں۔

اس سے پہلے کہ ماورا کچھ کہتی باہر دروازے پہ بیل بجنے لگی تھی اور دروازے کے قریب گملے رکھتی عافیہ بیگم چونک گئی تھیں۔

"امی! پلیز باہر دیکھیں شاید ڈرائیور ہوگا مارکیٹ بھیجا تھا میں نے۔" ماورا نے وہیں سے بیٹھے بیٹھے آواز دی تھی اور پلکیں دوبارہ موندلی تھیں۔

"کتنا خیال کرتا ہے۔۔۔ کتنی محبت کرتا ہے تم سے، جاب دی، گھر دیا۔ گاڑی دی۔ ڈرائیور دیا۔۔ اپنی محبت دی۔۔۔ اپنا دل دیا اور اب اپنا سب کچھ دے رہا ہے۔۔ ایسا ہمسفر تو اللہ بڑی نصیب والیوں کو دیتا ہے۔" بی گل نے ایک بار پھر اپنے لفظوں کی لو تیز کی تھی۔

"تو کیا میں نصیب والی نہیں ہوں؟" ماورا ہلکے سے مسکرائی تھی اور ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے سے اندر داخل ہوتے تیمور حیدر کے قدم اس کی اتنی خوب صورت مسکراہٹ پہ جیسے جہاں کے تہاں تھم گئے تھے۔ مگر وہ عافیہ بیگم کے خیال کی وجہ سے مزید اس طرح نہیں رک سکتا تھا ورنہ بالوں میں مساج کرواتی نیچے قالین پہ بیٹھی ماورا اس کے دل کو چھو گئی تھی۔ اس کا یہ انداز تیمور حیدر کے دل میں اتر گیا تھا۔ اسے اس لمحے اپنی نظر کا تسلسل توڑنا بہت دشوار لگا تھا۔

مگر پھر بھی اس نے گلا کھنکارتے ہوئے اپنی آمد کا سگنل دیا تھا اور وہ دونوں اپنی باتوں میں مگن چونک گئی تھیں ماورا نے یکدم کرنٹ کھا کے دروازے کی طرف دیکھا تھا۔

اور پھر بجلی کی سی تیزی سے کھڑی ہو گئی تھی۔

"آپ۔۔۔؟" اس نے بڑے بوکھلائے ہوئے انداز سے صوفے پہ پڑا اپنا دوپٹا کھینچ کر اردگرد پھیلا لیا تھا۔۔۔

"وہ میں دراصل آپ کی مدر کی عیادت کے لیے آیا ہوں۔ ولید کی وجہ سے اور کچھ ضروری کام کی وجہ سے کافی بزی تھا اس لیے نہیں آسکا۔" اس نے اپنے آنے کی وضاحت دی۔

"آیئے۔۔۔ بیٹھیے۔" عافیہ بیگم بھی اندر آگئی تھیں اور تیمور کو دیکھتے ہوئے صوفے پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔۔۔ جس پہ ماورا نے ٹھٹک کر پہلے عافیہ بیگم پھر بی گل اور تیمور کی طرف دیکھا تھا۔

اور تیمور ان کے اشارے کی تقلید کرتے ہوئے صوفے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"السلام علیکم!" وہ بی گل کی سمت جھکا اور بی گل نے شفقت سے اس کے کندھے پہ ہاتھ پھیرا تھا۔ تیمور حیدر کا اس قدر اپنائیت بھرا انداز دیکھ کر ماورا جز بز سی ہو گئی تھی۔

کیونکہ تیمور حیدر کی اس کے گھر آمد اس کی پلاننگ یا اس کے وہم و گمان میں بھی کہیں نہیں تھی۔
"جیتے رہو۔ خوش رہو۔ بیٹھو۔" بی گل نے بھی بیٹھنے کا کہا۔
"تھینک یو۔ آپ بھی بیٹھیے ناں!" اس نے عافیہ بیگم کی طرف دیکھا۔
"ہوں ضرور۔" وہ کہتی آگے بڑھ کے صوفے پہ بیٹھ گئی تھیں۔ اور ان کے ساتھ ہی تیمور بھی بیٹھ گیا تھا۔
"ایم سوری۔۔۔ میں ماورا سے ملنے کے لیے یا کسی اور کام کے لیے آتا تو یقیناً پہلے بتا کر یا اجازت لے کر آتا لیکن۔۔۔ میں دراصل آپ کی خیریت معلوم کرنے کے لیے آیا ہوں۔۔۔ اس لیے بغیر بتائے ہی آگیا۔۔۔ زیادہ ٹائم نہیں لوں گا آپ کا۔" اس نے پہلے اچانک آمد کا جواز پیش کیا تھا۔ کیونکہ وہ ماورا کے چہرے کا تعجب اور غیر یقینی نوٹ کر چکا تھا۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔ آپ آرام سے بیٹھیں۔۔۔ ماورا چائے بنا کر جا کر۔" عافیہ بیگم نے بڑے اچھے طریقے سے بات کرتے ہوئے گردن موڑ کر ماورا کو دیکھا تھا جو تیل سے چپڑے بالوں کے ساتھ بڑے ہونق سے انداز میں عافیہ بیگم کو دیکھ رہی تھی کہ کیا واقعی وہ عافیہ بیگم ہیں۔۔۔؟
"ماورا۔۔۔!" بی گل نے آہستگی سے ٹہوکا دیا اور ماورا چونک گئی تھی۔ تیمور نے کن اکھیوں سے اسے ایک بار پھر دیکھا تھا وہ کتنے عام سے حلیے میں بھی کتنی خاص لگ رہی تھی۔
"جی ابھی لے کر آتی ہوں۔" وہ جانے کے لیے پلٹی۔
"نہیں پلیز۔ اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بس چند منٹ بیٹھوں گا۔" تیمور نے منع کیا تھا تاکہ ماورا کو یہاں سے جانا نہ پڑے۔
"چند منٹ میں چائے بھی بن جائے گی۔۔۔ جاؤ شاباش!" انہوں نے پھر اشارہ کیا اور ماورا فوراً وہاں سے چلی گئی تھی۔
"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی۔۔۔؟" وہ اب پوری طرح سے ان کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔
"اللہ کا کرم ہے اب جو زندگی باقی ہے وہ جینا تو پڑے گی۔۔۔ چاہے جیسے بھی سہی۔" انہوں نے بڑے عجیب سے لہجے میں کہا تھا جو تیمور کو بھی فیل ہوا تھا۔
"ایسا نہ کہیں آنٹی۔۔۔ اللہ آپ کو ہمیشہ صحت یاب رکھے۔ اولاد کے لیے ماں باپ بہت بڑا سہارا ہوتے ہیں۔۔۔ ماورا کے فادر کے بعد آپ ہی تو ہیں جو۔"
"آپ کے فادر کیا کرتے ہیں۔۔۔؟" عافیہ بیگم نے تیمور کی بات کاٹتے ہوئے وہ سوال کر ڈالا تھا جو بی گل کبھی مر کے بھی تصور نہیں کر سکتی تھیں کہ عافیہ زندگی میں یہ سوال بھی کر سکتی ہے۔
"میرے فادر بزنس مین ہیں بہت سال انہوں نے بزنس سنبھالا ہے اور اس معاملے میں ہمیشہ ایک کامیاب بزنس میں رہے ہیں۔۔۔ مگر میری ایجوکیشن ختم ہوتے ہی سب کچھ مجھے سونپ کر خود بزنس سے الگ ہو گئے ہیں۔۔۔ اس لیے آج کل فراغت کے مزے لے رہے ہیں۔"
تیمور نے ایک نارمل سا جواب دیا تھا لیکن عافیہ بیگم کے سینے سے جیسے ٹرین گزر گئی تھی۔
"آپ کی مدر۔۔۔؟" انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے اگلا سوال کیا۔
"میری مدر بہت ہی سادہ طبیعت اور گھریلو سی خاتون ہیں۔۔۔ بابا سے بالکل برعکس۔" تیمور ماں کے ذکر پہ بے اختیار مسکرا دیا تھا۔
"جانتی ہوں یہ بھی جانتی ہوں۔" انہوں نے دل ہی دل میں جیسے خود کو جواب دیا تھا۔۔۔

"سر... !چائے۔" ماورا نے قریب آکر کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے اسے متوجہ کیا۔
"تھینک یو... !" تیمور نے آہستگی سے کپ اٹھالیا تھا۔
"آپ لوگ کبھی ہمارے گھر آئیں ناں... اس طرح میرے پیرنٹس سے بھی ملاقات ہو جائے گی آپ کی... اور مجھے یقین ہے میری مدر آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔" تیمور نے چائے پیتے ہوئے انہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی۔
"جب اپنے گھر گئے تو تمہارے گھر بھی ضرور آئیں گے بیٹا۔" عافیہ بیگم پہ کیا بیت رہی ہے ماورا بھی خوب جانتی تھی۔
"اپنا گھر... ؟" تیمور کو پتا تھا کہ کراچی میں ان کا بھی کوئی گھر نہیں ہے۔
"ہاں اپنا گھر... یہ تو کمپنی کی طرف سے دیا ہوا فلیٹ ہے ناں... مگر میں اپنے گھر کی بات کر رہی ہوں... جو ہمارا ذاتی گھر ہوگا... اپنا ذاتی گھر۔"
عافیہ نے جیسے اپنے لفظوں پہ زور دیتے ہوئے کہا تھا۔
"انشاءاللہ ایسا بھی ضرور ہوگا' اینی وے میں اب چلتا ہوں' تھینک یو سو مچ' آج آپ سے مل کر اور آپ سے بات کر کے بہت خوشی ہوئی ہے مجھے..." تیمور کپ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے کھڑا ہو گیا تھا۔
"آیئے میں آپ کو دروازے تک چھوڑ دوں۔" ماورا کہتی ہوئی اس کے ساتھ چلتی دروازے تک آگئی تھی۔
"آپ کو برا لگا میرا آنا... ؟" تیمور نے دروازے کے قریب رکتے ہوئے سوال کیا۔
"نہیں۔" ماورا نے نفی میں سر ہلایا تھا۔
"آپ کا چہرہ تو یہی کہہ رہا ہے..." تیمور کی نظریں اس کے چہرے کو چھو رہی تھیں ماورا نے پلکیں جھکالی تھیں۔
"چہرے ہمیشہ دھوکا دیتے ہیں... اس دھوکے میں نہ رہیں۔" ماورا نے تلخی سے کہا۔
"آپ کا چہرہ بھی دھوکا دیتا ہے؟" وہ دلچسپی سے بولا۔
"میرا چہرہ بھی تو آخر چہرہ ہی ہے ناں! دھوکا دے بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔" ماورا نے صاف گوئی سے کہتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔
"آپ کے جواب کا منتظر ہوں... ؟" تیمور نے جاتے جاتے پھر پوچھا۔
"آج سوچنے کے بعد کل فیصلہ سنا دوں گی۔" اس کا لہجہ حتمی تھا۔
"او کے' انتظار میں ہوں... اللہ حافظ۔" وہ کہہ کر دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکل گیا تھا اور ماورا اس کے پیچھے دروازہ بند کر کے واپس آگئی تھی۔
"شادی کی بات کی اس نے... ؟" بی گل نے استفسار کیا۔
"ہاں کی ہے..." اس نے سر ہلایا۔
"پھر... ؟" انہیں تجسس تھا کہ اب ماورا کا کیا فیصلہ ہوگا؟
"میں نے اسے کہہ دیا ہے کہ آج سوچنے کے بعد کل فیصلہ سنا دوں گی۔" ماورا کہہ کر پلٹی اس نے شاور لینے جانا تھا... مگر اسے پھر رکنا پڑا تھا۔
"کیا فیصلہ... ؟" بی گل کا دو ٹوک سوال عافیہ بیگم چپ چاپ سن رہی تھیں۔
"یہی کہ ماورا مرتضیٰ تیمور حیدر سے شادی کے لیے تیار ہے' وہ لینے کے لیے آجائے..."
ماورا انتہائی سنجیدگی سے کہہ کر چلی گئی تھی اور پیچھے اپنی بے رحمی اور سفاکی چھوڑ گئی تھی!

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

نبیلہ عزیز

رقصِ بسمل

ماورا مرتضیٰ' عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق بزدالی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔

منو' ثمینہ اور نیو کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شاندار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیو کے بیٹے سے فارہ کی بہن حسنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید اور عزت کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ دیتی ہے۔ تاہم عزت کھل کر اس کا اظہار کر دیتی ہے۔ ولید ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ روتی ہے۔ اشتیاق بزدالی' آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ رضا حیدر' تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی تاریخ میں ماورا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔

انیسویں قسط





ولید اپنے بستر پہ لیٹا اپنے کمرے کی چھت کے کسی نادیدہ نقطے کو گھورتے ہوئے بے حد گہری سوچ میں گم نظر آرہا تھا' وہ آج ہی اسپتال سے ڈسچارج ہو کر گھر آیا تھا اور لاشعوری طور پہ مسلسل کسی انتظار میں لگ رہا تھا۔
"امی...!" اس نے بڑے ٹھہرے ہوئے اور پُرسوچ لہجے میں پکارا تھا اور کمرے سے باہر نکلتی زبیدہ خاتون کے قدم رک گئے تھے۔
"ہاں کہو...؟" انہوں نے فوراً" پلٹ کر ولید کی طرف دیکھا۔
"اسپتال کون کون آیا تھا مجھ سے ملنے...؟" ولید جیسے کچھ سننا چاہتا تھا۔
"بہت سے لوگ تھے... میں تو کسی کو جانتی بھی نہیں... اب تمہیں کس کا بتاؤں؟" وہ لاعلمی سے بولیں۔
"جن کو جانتی ہیں' ان میں سے کوئی بھی نہیں آیا؟" ولید کرید رہا تھا۔
"تیمور کے سوا اور کسی کو جانتی ہوں بھلا...؟" انہوں نے لاپروائی سے کہا۔
"تیمور کی فیملی کو بھی جانتی ہیں آپ... اس کی مدر' اس کے فادر' اس کی سسٹر... سب کو جانتی ہیں' کیا وہ نہیں آئے...؟" اس نے اپنے سوال کو خاصا گول مول سا کر دیا تھا۔
"نہیں... ان میں سے تو کوئی بھی نہیں آیا... تیمور اکیلا ہی تھا۔" انہوں نے نفی میں سرہلایا تھا۔
"اچھا...!" وہ بے حد آہستگی سے کہہ کر چپ ہو گیا تھا۔
اس کی آس ٹوٹ گئی تھی اور وہ پھر سے کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔
"یعنی کہ وہ بھی نہیں آئی...؟" اس نے دل ہی دل میں خود کلامی سی کی تھی۔
"مگر کیوں...؟ اسے پتا بھی تھا پھر بھی...؟ پھر بھی نہیں آئی...؟ ایسی کیا بات ہے بھلا...؟ اس نے پلٹ کر خبر ہی نہیں لی...؟ وہ... وہ ٹھیک تو ہے نا...؟"
ولید کو سوچتے سوچتے اس کی فکر لگ گئی تھی اور تب ہی باہر دروازے پہ دستک ہوئی تھی' وہ بے اختیار چونک گیا تھا۔
"کون ہے...؟" باہر سے زبیدہ خاتون کی آواز سنائی دی تھی۔
اور جواب میں باہر سے کس کی آواز آئی تھی' یہ ولید کو سنائی نہیں دیا تھا۔
پھر چند منٹ بعد قدموں کی چاپ ابھری اور زبیدہ خاتون کے ساتھ کوئی اندر داخل ہوا۔
"ولید...! دیکھو بیٹا... کون آیا ہے...؟"
زبیدہ خاتون نے اندر داخل ہوتے ہی اسے متوجہ کیا تھا اور ولید ان کے ساتھ ماورا مرتضیٰ کو دیکھ کر ایک خوش گوار حیرت میں مبتلا ہو گیا تھا۔
"ارے... آپ...؟" ولید نے بے اختیار ذرا سا اٹھنے کی کوشش کی۔
"ارے... رہے... لیٹے رہیں... اتنی بہادری کا مظاہرہ مت کریں... پلیز ریلیکس...!" ماورا نے فوراً" بڑی تیزی سے کہتے ہوئے اسے اٹھنے سے روکا تھا۔
"امی پلیز...!" ولید نے ذرا سہارے کے لیے ماں کی طرف دیکھا تھا اور زبیدہ بیگم نے سرہلاتے ہوئے آگے بڑھ کے اسے سہارا دیا اور تکیوں کے سہارے اسے نیم دراز سا کر دیا تھا۔
"بیٹھیے نا... آپ کھڑی کیوں ہیں؟" ولید نے اپنے آپ کو پُرسکون کرتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔
"تھینکس...!" ماورا کہتے ہوئے آگے بڑھ کے اس کے بستر کے قریب رکھی کرسی پہ بیٹھ گئی تھی۔
"تھینکس کہنے کا حق تو میرا بنتا ہے کہ آپ میری عیادت کے لیے میرے گھر تک آگئی ہیں۔" ولید حقیقتاً" دل سے ممنون ہوا تھا اس کا۔

"یہ زبردستی کی عیادت ہے۔ یاد ہوگا آپ کو۔" ماورا نے اسے ہاسپٹل والی ملاقات یاد دلائی۔

"یاد ہے۔ دراصل آپ جیسے بڑے لوگوں سے سارے کام خود کہہ کر ہی کروانے پڑتے ہیں۔ چاہے وہ عیادت ہی کیوں نہ ہو۔" ولید نے بڑے عاجزانہ انداز سے کہتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔

"اب ایسی بات بھی نہیں ہے' جو کام ہم نے نہیں کرنا ہوتا' وہ ہم کسی کے کہنے پر بھی نہیں کرتے۔ جب بھی کرتے ہیں اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔" ماورا بھی بھلا کب کوئی لگی لپٹی رکھ سکتی تھی۔

"چلیں جی۔! پھر تو آپ کا دوبارہ تھینکس کہ آپ میرے کہنے پہ نہیں' اپنی مرضی سے عیادت کے لیے آئی ہیں۔ میرے لیے یہ واقعی خوشی کی بات ہے۔"

ولید نے سچ مچ خوشی کا اظہار کیا تھا۔

"اینی وے۔! آپ ان باتوں کو چھوڑیں۔ یہ بتائیں کہ طبیعت کیسی ہے اب۔؟" ماورا نے سر جھٹکتے ہوئے پوچھا۔

"طبیعت اللہ کے کرم سے فٹ فاٹ ہے۔ جیسے ہی زمین پہ پیر لگ گیا' سمجھ لیجیے گا کہ میں بھاگ گیا۔" ولید نے اپنی ٹانگوں کو ذرا سی حرکت دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اچھا۔! تو پھر زمین پہ پیر کب لگا رہے ہیں؟ مطلب کہ کب بھاگ رہے ہیں۔"

ماورا خاصی دلچسپی سے پوچھ رہی تھی اور ولید اس کی دلچسپی پہ بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

"بس۔! دو دن اور۔" وہ اپنے ہاتھوں پیروں کو حرکت دیتے ہوئے بولا۔

"اور دو دن بعد۔؟" اس کا سوال مختصر تھا۔

"بھاگ جاؤں گا۔" وہ بڑے اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"کہاں۔؟" اس کا سوال پھر برجستہ تھا۔

"جہاں دل لے چلا۔" وہ بھی بڑی ترنگ سے بولا۔

"تیمور حیدر کے گھر۔؟" ماورا نے اس کی اصل نبض پہ ہاتھ رکھا۔

ولید نے بے اختیار چونک کر اس کے چہرے کی سمت دیکھا وہ بہت نارمل سے انداز میں اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"تیمور حیدر کے گھر۔؟ مگر کیوں۔؟" اس نے وجہ جاننا چاہی۔

"کیونکہ تیمور حیدر کے گھر سے جب کوئی بھاگم بھاگ آپ کے پاس آسکتا ہے تو پھر ظاہری بات ہے کہ آپ بھی وہاں ہی جائیں گے۔" اس نے کندھے اچکائے اور ولید کی الجھن مزید بڑھا دی تھی۔

"تیمور حیدر کے گھر سے بھاگم بھاگ کون آسکتا ہے بھلا۔؟ سوائے تیمور حیدر کے۔؟"

ولید انجان بننے کی کوشش نہیں کر رہا تھا بلکہ واقعی انجان تھا۔

"مگر میں نے تو تیمور حیدر کے ساتھ کسی اور کو بھی دیکھا تھا۔" ماورا نہیں جانتی تھی کہ ولید سچ مچ انجان ہے۔

"کسی اور کون۔؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"جس کا آپ کو یقیناً "اب بھی انتظار ہوگا۔" وہ قدرے لاپروائی سے بولی۔

"مگر آپ کیسے۔؟" ولید اپنی حیرانی چھپا نہیں سکا تھا۔

"مجھے بھلا کیسے پتا چل سکتا تھا؟ بس اس وقت اس کی حالت ہی ایسی تھی کہ وہ چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ میری بھی آنکھیں ہیں۔ میں نے بھی اسے دیکھا تھا' مجھ سے بھی نہیں چھپ سکی وہ۔ کیا نام ہے اس کا۔؟" ذرا بات کرتے ہوئے آخر میں جیسے یاد کرتے ہوئے ذرا سا سوالیہ انداز میں بولی تھی۔

"عزت حیدر۔!" ولید کو اپنی ہی زبان سے اعتراف کرنا پڑ گیا تھا اور ماورا اس کے اعتراف پہ بڑے سکون سے

مسکرادی۔

"ہاں۔۔۔! یہی نام تھا۔" اس کے لہجے اور مسکراہٹ سے دلچسپی اور شرارت جھلک رہی تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ آئی تھی؟" ولید زیر لب بولا۔

"جی ہاں۔۔۔ آئی تھی۔۔۔ ساری رات اسپتال میں گزار کر گئی تھی۔ میں گواہ ہوں اس چیز کی۔۔۔" ماورا اس سچویشن اور ولید کی کیفیت سے خاصی لطف اندوز ہو رہی تھی۔

"ہوں۔۔۔!" وہ محض "ہوں" کر کے رہ گیا تھا۔

"کانٹیکٹ نہیں ہے اس سے۔۔۔؟"

"جب فائرنگ ہوئی' موبائل میرے ہاتھ میں تھا۔ بعد میں پتا نہیں کہاں گیا۔ میں نے اپنے دوست سے کہا ہے' وہ میری سم ایشو کروا دے گا آج۔ اس میں میرے کافی کانٹیکٹس ہیں۔"

"لو بیٹا! چائے پیو۔" زبیدہ خاتون چائے کے ساتھ چند دیگر لوازمات بھی لے آئی تھیں اور ٹرے چھوٹی سی ٹیبل پہ لا کر رکھ دی تھی۔

"ارے آنٹی! یہ کیا تکلف کیا آپ نے۔۔۔؟ میں ابھی گھر سے لنچ کر کے ہی آئی ہوں۔" ماورا کو ان کے اتنے تکلف پہ شرمندگی ہوئی تھی۔

"ارے نہیں بیٹا۔۔۔ اس میں تکلف کی کیا بات ہے بھلا؟ مجھے تو خوشی ہوتی ہے' جب میرے بچوں کے مہمان ہمارے گھر آتے ہیں کیونکہ ان کے علاوہ تو کوئی آتا بھی نہیں ہے نا۔۔۔؟" زبیدہ خاتون کی بات پہ ماورا نے بے ساختہ ان کی طرف دیکھا تھا اور پھر ولید کی طرف۔۔۔

"جی ہاں۔۔۔! ہماری فیملی میں صرف ہم ہی ہیں' کوئی اور رشتہ دار نہیں ہے۔ اس لیے لوگوں کا زیادہ آنا جانا بھی نہیں ہے۔" ولید نے ان کی بات کی وضاحت دی تھی۔

اور ماورا سر ہلا کر رہ گئی۔

"لیکن آج تو آپ کو کسی اور کے آنے کا انتظار تھا نا؟" ماورا نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے شرارت سے اسے چھیڑا اور جواباً" ولید بھی مسکرا دیا تھا۔

"وہ تو ہے۔۔۔ لیکن آپ کا آنا بھی کچھ کم نہیں ہے۔ آج کے دن کے لیے یہی کافی ہے۔ میں خوش ہوں۔"

ولید نے بے ساختہ سے اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا' ماورا ہنس پڑی تھی۔



"کیا بات ہے حیدر۔۔۔؟ تم نے مجھے کوئی جواب ہی نہیں دیا؟ اور ادھر میں ہوں کہ مسلسل انتظار میں ہوں۔" قیام مرزا دعا سلام کے بعد اصل بات کی طرف آ گئے تھے' کیونکہ مونس مرزا خفگی اور جھنجلاہٹ کا اظہار کرنے پہ اتر آیا تھا۔

"جواب تو میں ضرور دیتا۔۔۔ دراصل ابھی میری تیمور سے بات نہیں ہوئی اور ایسے معاملوں میں تمہیں پتا ہے' کہ گھر میں کچھ ڈسکشن تو ضروری ہے نا' جبکہ تیمور اس ہفتے بہت بزی رہا ہے۔ اس کا دوست زخمی ہو گیا تھا اسی لیے میں نے اس ٹاپک پہ بات ہی نہیں کی۔" رضا حیدر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا تھا۔

"اچھا۔۔۔؟ ایسا کون سا دوست ہے اس کا جس کے لیے وہ اتنا بزی ہو گیا کہ تم بات ہی نہیں کر سکے؟" قیام مرزا کے انداز میں عجیب چبھن سی تھی۔

"ولید رحمان۔۔۔ بچپن کا دوست ہے اس کا۔۔۔ ایک نیوز چینل پہ پروگرام بھی کرتا ہے' اخبار میں بھی کام کر چکا

ہے۔ اسی وجہ سے اس پہ فائرنگ بھی ہوئی ہے۔"
رضا حیدر ان کے لہجے کی چبھن محسوس نہیں کرپائے تھے اس لیے بڑا نارمل سا جواب دیا تھا۔
"اچھا... صرف تیمور کا دوست ہے یا عزت کا بھی...؟" قیام مرزا کے لہجے میں ذرا اور کھنچاؤ آیا تو رضا حیدر بری طرح چونک گئے تھے۔
"عزت کا... ؟ کیا مطلب... ؟ تم کہنا کیا چاہتے ہو... ؟ صاف بات کہو۔" رضا حیدر کے لہجے میں بھی نرمی کے بجائے سنجیدگی آگئی تھی۔
"مطلب کہ جب وہ ولید رحمان زخمی ہوا ہے تو تیمور سے زیادہ پریشان حال عزت ہی تھی اور رات بھر اسپتال میں موجود رہی ہے۔ آخر کچھ تو ریلیشن ہے ان کا... ؟"
"قیام مرزا... ! یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ تم جانتے ہو تم میری بیٹی کے بارے میں بات کر رہے ہو؟" رضا حیدر کچھ سخت بولتے بولتے رک گئے تھے۔
"دیکھو حیدر... میں جانتا ہوں اور بہت اچھی طرح جانتا ہوں مگر افسوس اس بات کا ہے کہ تم نہیں جانتے اور آج تم سے بات بھی اسی لیے کی ہے کہ تم بھی جان جاؤ' تمہارے بیٹے کا دوست بڑی اونچی اڑان بھر رہا ہے اور اس اڑان میں تمہاری اولاد اس کا پورا پورا ساتھ دے رہی ہے۔ اگر میں اس معاملے میں غلط ہوا تو مجھے بیچ چوراہے میں بے عزت کرنے کا پورا حق رکھتے ہو میں اف بھی نہیں کروں گا۔" قیام مرزا نے بات اتنے وثوق سے کی تھی کہ رضا حیدر کے پاس سوائے خاموشی کے اور کچھ رہا ہی نہیں تھا۔
"اور دیکھ لینا... تیمور اس پروپوزل سے انکار کرے گا۔ یہ میرا یقین ہے۔ باقی تمہاری مرضی..." قیام مرزا نے پیشن گوئی کی تھی۔
"ایسا کبھی نہیں ہوگا قیام مرزا... ! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ عزت کی شادی مونس مرزا سے ہی ہوگی۔ چاہے دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے۔" رضا حیدر نے انتہائی پتھریلے لہجے میں کہہ کر فون بند کردیا تھا۔
"ولید... نہیں... !" وہ زیر لب بڑبڑائے تھے اور پھر یک دم دل میں نجانے کیا ابال آیا تھا کہ انہوں نے ہاتھ میں پکڑا موبائل یک دم دیوار پہ دے مارا تھا۔
"کبھی نہیں... !" وہ غصے سے دھاڑ اٹھے تھے اور یہی ان کا اصل روپ تھا' اصل شخصیت تھی۔ ورنہ باقی سب تو... !

❁ ❁ ❁

"السلام علیکم سر... !" ماورا نے ٹیبل کے قریب آتے ہوئے سلام کیا۔
"وعلیکم السلام... پلیز... تشریف رکھیے۔" تیمور نے اپنے کام سے دھیان ہٹاتے ہوئے اسے بیٹھنے کا کہا تھا۔
"جی... کیسے بلایا... ؟" ماورا نے مطلب کی بات کی۔
"یہ ایک پراجیکٹ چیک کریں اور اپنی رائے سے آگاہ کریں۔" تیمور نے ایک فائل اپنے سامنے سے اٹھا کر ماورا کے سامنے رکھ دی تھی۔
"اس پراجیکٹ میں کیا چیز اسپیشل ہے جو آپ مجھے چیک کروا رہے ہیں؟" ماورا نے فائل کھولتے ہوئے اس سے استفسار کیا تھا اور فائل پہ بھی نظر دوڑائی تھی۔
"آپ کا نام... اور آپ کے کام کی ڈیمانڈ... آپ کے ڈیزائن ہاتھوں ہاتھ بک رہے ہیں اور اس چیز کی خوشی جتنی مجھے ہو رہی ہے۔ اتنی شاید آپ کو بھی نہ ہو۔ کیونکہ اس کی بنیاد میں نے خود رکھی ہے' اس کو دریافت میں

نے کیا ہے۔۔۔وہ بھی فیصل آباد سے اور اتنی مشکل سے۔۔۔"

تیمور نے بڑے پُرجوش اور خوشی بھرے لہجے میں کہتے ہوئے شرارت سے اس کی طرف دیکھا۔ ماورا نے نظریں اٹھا کر اس کے چہرے کی سمت دیکھا تھا دونوں کی نظروں کا تصادم ہوا تھا۔ ماورا اس کی نظروں کی شوخی سے نظر چرا گئی تھی۔

"یعنی اس کا کریڈٹ آپ کو جاتا ہے؟" ماورا بجھے بجھے سے ٹھہرے ہوئے سے لہجے میں بولی تھی۔

"ہاہاہا۔۔۔!" تیمور بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا اور اتنے جان دار انداز سے ہنسا تھا کہ ماورا اب کی بار نظر نہیں چرا سکی تھی اور نہ ہی اپنے دل و نظر پہ کوئی اختیار رکھ سکی تھی۔

"ارے۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں نے یہ کب کہا ہے۔۔۔ میں نے تو خوشی کی بات کی ہے۔"

تیمور نے اس چیز کا کریڈٹ لینے سے صاف انکار کر دیا تھا بلکہ دونوں ہاتھ کھڑے کر دیے تھے۔

"لیکن ہے تو یہ سچ۔! اس کا کریڈٹ آپ کو ہی جاتا ہے اگر آپ مجھے جاب آفر نہ کرتے تو یقیناً" میں اس وقت اپنے ڈیپارٹمنٹ سے ہٹ کے کوئی اور جاب کر رہی ہوتی۔"

ماورا نے اس کا کریڈٹ کھلے دل سے اسے دیا تھا۔

"جاب آفر کر دینے سے کیا ہوتا ہے؟ جو بھی ہوتا ہے انسان کی اپنی محنت اور لگن سے ہوتا ہے۔" تیمور نے کندھے اچکائے۔

"ہاں۔۔۔ یہ بھی ٹھیک کہا آپ نے۔۔۔ جو بھی ہوتا ہے" انسان کی اپنی محنت اور لگن سے ہوتا ہے اور یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ ہوتا ضرور ہے۔" ماورا نے اعتراف میں سرہلایا تھا۔

"اچھا۔۔۔ مگر میں تو ابھی تک اس "ہونے" کے انتظار میں ہوں کہ جانے کب ہوگا؟" وہ اپنی روانی میں کہہ ہی گیا تھا۔

"بہت جلد ہوگا۔" ماورا کا جواب مختصر اور مبہم سا تھا۔

"کیا۔۔۔؟" وہ بے ساختہ بولا۔

"آپ جس کے انتظار میں ہیں۔" تیمور کے دل میں خوش گمانیوں نے یکدم سر ابھارا تھا۔

"میں سمجھا نہیں۔۔۔ مطلب۔۔۔؟" اس نے اپنے آپ کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی تھی۔

"مطلب کہ میں آپ سے۔۔۔" اس سے پہلے کہ ماورا زبان پہ آیا جملہ مکمل کرتی 'اچانک تیمور کے موبائل پہ رنگ ٹیون بج اٹھی تھی۔

"اف بابا۔۔۔!" تیمور دل ہی دل میں کراہا تھا۔

"ایکسکیوز می۔۔۔!" اس نے معذرت کرتے ہوئے کال ریسیو کی تھی۔ دوسری طرف رضا حیدر تھے۔

"ہیلو۔۔۔!" تیمور کا دھیان ماورا کے ادھورے جملے کی طرف تھا۔

"گھر کب آ رہے ہو۔۔۔؟" ان کا لہجہ سرد و سپاٹ سا محسوس ہو رہا تھا۔

"کیوں۔۔۔ خیریت۔۔۔؟" تیمور چونکا۔

"جو پوچھا ہے۔ وہ بتاؤ۔" ان کے انداز میں ذرا بھی نرمی نہیں تھی۔ لہجہ بے لچک اور کرخت سا لگ رہا تھا۔

"جس وقت روز آتا ہوں' اسی وقت آؤں گا۔" اس نے بڑے نارمل سے انداز میں جواب دیا تھا۔

"ابھی آؤ۔" انہوں نے حکم صادر کیا۔

"ابھی۔۔۔؟" اسے حیرت ہوئی۔

"ہاں۔۔۔ ابھی۔۔۔ گھر پہنچو۔" انہوں نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

"مگر بابا۔۔۔!" تیمور کچھ پوچھنے کی کوشش کرتا رہ گیا تھا اور دوسری طرف سے فون بند بھی ہو گیا تھا۔

"مجھے اجازت ہے میں جاؤں اب۔۔۔؟" ماورا کہتے ہوئے کھڑی ہو گئی تھی۔

"لیکن وہ۔۔۔؟" تیمور کہتے کہتے رک گیا تھا۔

"آپ ابھی پریشان ہیں۔۔۔ اپنی پریشانی سولو کریں۔ باقی بات بعد میں ہو جائے گی۔ ابھی میری ٹیبل پہ بھی کافی کام پڑا ہے۔ چلتی ہوں۔" ماورا کہہ کر پلٹ گئی تھی اور تیمور پریشانی سے سر پکڑ کے بیٹھ گیا تھا۔

پھر ایک دم گہری سانس خارج کرتے ہوئے اٹھا اور موبائل لے کر آفس سے نکل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

تیمور بڑی پریشانی کے عالم میں گھر پہنچا تھا اور سیدھا رضا حیدر کے پاس آیا تھا۔ وہ اسٹڈی روم میں تھے اور انگلیوں میں سگریٹ دبائے چیئر پہ بیٹھے اسی کے انتظار میں تھے۔ تیمور دروازے پہ دستک دے کر اندر آگیا تھا۔

"جی۔۔۔ کہیے۔۔۔ خیریت تو ہے نا؟" تیمور نے ادھر ادھر کے بجائے سیدھا سوال پوچھا تھا۔

"ولید رحمان کون ہے۔۔۔؟" انہوں نے سگریٹ کا کش لے کر دھواں فضا میں چھوڑتے ہوئے استفسار کیا۔

تیمور کو ان کے بدلے بدلے انداز سے الجھن ہوئی تھی۔

"یہ بات تو آپ بھی جانتے ہیں کہ ولید رحمان کون ہے۔۔۔؟" تیمور نے لاپروا سے انداز سے کہا تھا۔

"میں تم سے جاننا چاہتا ہوں کہ ولید رحمان کون ہے۔۔۔؟" انہوں نے اپنی بات پہ زور دیا تھا۔

"ظاہر ہے۔۔۔ میرا دوست ہے۔۔۔ اور کون ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"تمہارا دوست ہے تو پھر عزت کا کیا ہے۔۔۔؟" رضا حیدر کے حد درجہ بے لچک سوال پہ تیمور بری طرح ٹھٹکا تھا۔۔۔ یعنی یہ بھانڈا پھوٹ چکا تھا۔۔۔؟

"کیا مطلب ہے آپ کا۔۔۔؟" تیمور کو ان کا یہ سوال کچھ مناسب نہیں لگا تھا۔

"مطلب ہی تو پوچھ رہا ہوں کہ اگر تمہارا دوست ہے تو پھر عزت کا کیا ہے۔۔۔؟" انہوں نے پھر دہرا کے پوچھا تھا۔

"بابا۔۔۔ یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔۔۔؟ کیا ہوا ہے؟ کچھ بتائیے تو۔۔۔" تیمور نے پھر بھی نرمی اور تحمل سے کام لیا تھا۔

"پوری رات ہاسپٹل میں رہی ہے اس کے پاس۔۔۔ آخر کیوں؟" رضا حیدر نے سختی سے پوچھا۔

"پلیز۔۔۔ غلط فہمی میں مت پڑیں۔۔۔ وہ اس کے پاس نہیں رہی۔۔۔ وہ میرے ساتھ تھی۔ میرے ساتھ گئی تھی۔۔۔" تیمور کو بس کے لیے بولنا پڑا۔

"تمہارے ساتھ کیوں گئی تھی۔۔۔؟ کیا تک بنتی تھی اس کے جانے کی؟ وہ بھی ایسی ہنگامہ خیز چویشن میں۔۔۔؟ کوئی تو وجہ ہوگی نا۔۔۔؟" وہ اپنی بات اپنی ضد پہ اٹکے ہوئے تھے۔

"ہاں۔۔۔ وجہ تو تھی۔" تیمور کے ذہن میں اچانک خیال آیا تھا۔

"کیا۔۔۔؟"

"ہماری نئی ڈیزائنر ماورا مرتضیٰ کی مدر ایڈمٹ تھیں' ان کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا وہ اکیلی تھیں۔۔۔ میں عزت کو ساتھ لے گیا۔۔۔ عزت ان کے پاس تھی رات بھر۔۔۔"

تیمور نے پہلی بار شاید بات کو گھمانے کی کوشش کی تھی اور اسے طریقہ بھی نہیں آیا تھا۔

"دیکھو تیمور۔۔۔! تم میرے باپ نہیں ہو۔ میں تمہارا باپ ہوں۔ جھوٹ بولنے سے پہلے سوچو کہ کس کے

سامنے بول رہے ہو؟" رضا حیدر نے اس کی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔
"میں جھوٹ نہیں کہہ رہا بابا۔ عزت ان کے پاس تھی۔"
"ٹھیک ہے۔ تم اگر کہہ رہے ہو تو میں مان لیتا ہوں۔" انہوں نے سر جھٹکا۔
"تھینک یو۔!" اس نے فوراً" شکریہ ادا کیا۔
"لیکن تمہیں بھی ایک بات ماننی ہوگی۔" انہوں نے اب کی بار قدرے مبہم سے لہجے میں کہا تھا۔
"کیا۔۔۔؟" تیمور چونکا۔
"میں مونس مرزا کے پرپوزل کے لیے ہامی بھر رہا ہوں۔ ایک مہینے کے اندر اندر شادی ہو جائے گی۔ انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔" رضا حیدر کا انداز دو ٹوک تھا۔
"واٹ۔۔۔؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں اس پرپوزل کو ریجیکٹ کر چکا ہوں۔" تیمور کو اک جھٹکا سا لگا تھا۔
"ریجیکٹ کرنے کا حق اور اختیار صرف میرے پاس ہے اور فیصلہ بھی میں ہی کروں گا۔ عزت کی شادی مونس مرزا سے ہی ہوگی۔ جو خیال تم لوگوں کے دل میں ہے وہ نکال دو۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھ کر جانے لگے۔
"مگر بابا۔۔۔!" اس نے کچھ کہنا چاہا ہی تھا کہ وہ جاتے جاتے رک گئے تھے اور اس کی سمت پلٹے تھے۔
"میں دوست کو دوست کی اوقات تک ہی رکھنا پسند کرتا ہوں۔ اس لیے تم بھی دوست کو دوست ہی رہنے دو۔ رشتہ بدلنے کا سوچنا بھی مت۔۔۔" انہوں نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے تھپکی دی تھی۔
"اگر دیکھا جائے تو۔۔۔ ایسا تو آپ بھی سوچ رہے ہیں۔ آپ کیوں رشتہ بدلنا چاہتے ہیں۔" تیمور کا لہجہ بھی دو ٹوک ہو چکا تھا۔
"میرے بدلنے میں اور تمہارے بدلنے میں بہت فرق ہے صاحبزادے۔! میرا دوست میری ٹکر کا ہے۔ تمہارا دوست تمہاری ٹکر کا ہوتا تو اور بات تھی۔ کیونکہ قیام مرزا سے رشتہ بدلنے میں بھی میرا ایک مقصد ہے۔ تم آج کا وقت دیکھ رہے ہو۔ میں کل کا وقت دیکھ رہا ہوں۔ سمجھے تم۔؟"
وہ استہزائیہ انداز سے کہہ کر باہر نکل گئے تھے اور تیمور وہیں کا وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔!



شام سے پہلے کا وقت تھا۔
ولید دوائیوں کے زیر اثر سو رہا تھا "کوئی دبے پاؤں اس کے قریب آیا تھا" اور پھر کوئی۔ بے حد آہستگی اور نرمی سے اپنا نرم و نازک سا ہاتھ اس کی پیشانی پہ رکھ دیا تھا" اس کے ہاتھ کے لمس کی تاثیر اس کی روح تک محسوس ہوئی تھی۔ اور اک مانوس سی خوشبو تھی۔ جس نے اس کے سوئے ہوئے اعصاب کو بھی اپنے حصار میں لے لیا تھا اور ولید نے نیند سے چونک کر آنکھیں کھول دی تھیں جیسے اسے الہام ہوا ہو۔
"کیسے ہیں۔؟" عزت اس کی پیشانی سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولی۔
"تم۔؟" ولید اعصاب ٹھکانے پہ آتے ہی ایک بار پھر چونکا تھا۔
"جی۔ میں۔ عزت حیدر۔ بذات خود۔" وہ ہلکے سے مسکرائی تھی۔ ولید نے بے ساختہ اٹھنے کی کوشش کی تھی۔
"لیٹے رہیے۔ لیٹے رہیے۔ سوئٹ وری۔" اس نے ولید کو اٹھنے سے منع کیا تھا۔
"نہیں۔ میں اٹھنا چاہتا ہوں۔" اس نے بستر کی دونوں سائیڈوں پہ ہاتھ جماتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی مگر وہ

پھر بھی اکیلا نہیں اٹھ سکتا تھا۔

اور عزت بے اختیار اس کے قریب آئی تھی۔

"رکیے۔ میں اٹھاتی ہوں۔" اس نے قریب جھکتے ہوئے کہا تھا اور ولید نے اپنے قریب جھکی عزت حیدر کے پیکر سے بمشکل نظر چرا کر نظر کا رخ بدل دیا تھا۔

عزت نے اسے بڑی احتیاط سے سہارا دے کر پیچھے تکیے رکھتے ہوئے ٹیک لگا کر بٹھا دیا تھا۔

"یہ سہارا مجھ پہ ادھار تھا۔" عزت اسے بٹھا کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

ولید نے بے ساختہ سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اسی سہارے سے تو شروعات ہوئی تھی۔ اور ابھی تک اسی کے زیر اثر ہوں۔" عزت بڑے اطمینان سے کہتی کرسی پہ بیٹھ گئی تھی۔

"اور میں ابھی تک اس خوشبو کے حصار میں ہوں۔ جو اس وقت بھی میرے حواسوں میں اُتر رہی ہے۔" ولید رہ نہیں سکا تھا۔

"فینٹاسٹک۔؟" عزت دلچسپی سے بولی۔

"کیا۔؟" بے ساختہ بولا تھا۔

"پرفیوم۔" وہ ہنوز دلچسپی سے بات کر رہی تھی۔

"اچھا نام ہے۔" ولید نے سراہا۔

"چاہیے۔ اگر پسند ہے تو۔؟" عزت نے اسے چھیڑنے کی کوشش کی۔

"صرف پرفیوم نہیں۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"صرف خوشبو کا کیا کروں گا میں۔؟" ولید کی سوالیہ نظریں عزت کے چہرے پہ اٹھیں تو وہ خود نظر اٹھانے کے قابل نہیں رہی تھی۔ پلکیں جھک گئی تھیں۔

"آپ کو یہ خوشبو اچھی لگتی ہے۔ یوز کریں گے تو اور اچھی لگے گی۔" عزت نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

ولید جان چکا تھا کہ وہ اندر سے نروس ہو چکی ہے۔

"مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ یہ خوشبو میرے ملبوس سے اٹھے۔ بلکہ یہ اچھا لگتا ہے کہ یہ خوشبو آپ کے ملبوس سے اٹھے اور مجھ تک آئے۔ میں اسے اپنی روح تک محسوس کروں۔ اور مسحور ہو جاؤں۔" ولید نے اپنی خواہش کا اظہار بڑے سلیقے سے کیا تھا۔

عزت حقیقتاً کچھ کہہ نہیں سکی تھی۔

"چلتی ہوں اب۔" عزت نے یکدم کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"اتنی جلدی؟ تھوڑی دیر بیٹھیں تو سہی۔ میرے کمرے کو اس خوشبو سے مہکنے دیں ابھی۔" ولید کو اس کے جانے کا سن کر بے چینی ہوئی تھی۔

"ابھی کے لیے اتنا مہک جانا ہی کافی ہے۔" عزت نے اپنے بیگ کے ساتھ لٹکے گلاسز اتار کر اپنے بالوں میں اٹکا لیے تھے۔

"اور آئندہ۔؟" وہ فوراً بولا۔

"آئندہ کی آئندہ دیکھیں گے۔ ابھی کے لیے اجازت۔" عزت کی اس جلد بازی پہ ولید دل مسوس کے رہ گیا تھا۔

"اگر اتنی جلدی تھی جانے کی تو مجھے جگانے کی کیا ضرورت تھی بھلا۔؟" اس نے آخر کہہ ہی دیا۔

"میں آپ کو جگانا نہیں چاہتی تھی۔ آپ خود جاگے ہیں۔ ورنہ میں تو آپ کو دیکھ کر ہی چلی جاتی۔" عزت بڑے اطمینان سے بولی تھی۔

"تو اب مجھے بھی تو دیکھنے دیں کہ آپ آئی ہیں۔" ولید اتنے دنوں بعد اسے دیکھ رہا تھا' اس لیے چاہتا تھا کہ وہ اس کے پاس تھوڑی دیر اور بیٹھے۔

"نہیں۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔ ورنہ تیمور بھائی کو اچھا نہیں لگے گا۔"

"تیمور کو۔؟" ولید چونکا۔

"ہاں۔ وہ جان گئے ہیں کہ ہم ایک دوسرے میں انٹرسٹڈ ہیں۔" عزت نے کہتے ہوئے سر جھکا لیا تھا اور ولید کو جیسے کرنٹ چھو گیا تھا۔

"واٹ۔؟ تیمور کو پتا چل گیا۔؟ مگر کیسے۔؟" ولید کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"اس روز جب آپ کا فون بند ہونے سے پہلے فائرنگ کی آواز اور آپ کی آواز سنی تو میرا دماغ بالکل ماؤف ہو گیا تھا' میں سیدھی تیمور بھائی کے پاس گئی تھی اور سب بتا دیا کہ آپ مجھ سے بات کر رہے تھے تو یہ سب ہو گیا۔ پھر ان کے ساتھ ہی میں بھی گھر سے نکل آئی۔ اور اسپتال میں بھی پوری رات ان کے ساتھ جاگتی رہی اور روتی رہی۔ اس لیے انہیں پھر پتا تو چلنا ہی تھا ناں۔؟" عزت بڑے معصوم سے انداز میں بولی تھی اور ولید کے ذہن کے پردے پہ ماورا کی آواز لہرائی تھی۔

"مجھے بھلا کیسے پتا چل سکتا تھا۔؟ بس اس وقت اس کی حالت ہی ایسی تھی کہ چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ میری بھی آنکھیں ہیں۔ میں نے بھی اسے دیکھا تھا۔ مجھ سے بھی نہیں چھپ سکی وہ۔ (اوہ تو ماورا مرتضیٰ ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں کہ وہ چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔)

"کیوں۔؟ کیا ہوا ہے۔؟" عزت نے اسے اس طرح شاک کی سی کیفیت میں دیکھ کر چونکا تھا۔

"نن۔ نہیں۔ کچھ نہیں۔" ولید نے نفی میں سر ہلایا۔

"پلیز۔ شیئر کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔" عزت نے اسے حوصلہ دیا۔

"کیا شیئر کروں۔؟ تم میری فیلنگز نہیں سمجھ سکتیں۔" وہ بار بار نفی میں ہی سر ہلا رہا تھا۔

"کیسی فیلنگز۔؟" وہ کچھ سمجھی نہیں تھی۔

"میں نہیں چاہتا تھا کہ تیمور کو اس طرح کچھ پتا چلے۔ میں یہ بات خود کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ وہ کوئی غلط بات نہ سوچ لے۔" ولید بیٹھے بیٹھے ٹینشن اور تاسف کا شکار ہو گیا تھا۔

"انہوں نے کچھ غلط نہیں سوچا۔ انہیں اعتماد ہے آپ پہ۔ مجھ سے بھی زیادہ۔"

"بے شک اسے مجھ پہ اعتماد ہے۔ مگر اس نے پھر بھی میرے بارے میں کیا سوچا ہو گا بھلا۔؟ اف۔ یہ دل بھی انسان کو کبھی کبھی کسی کے سامنے نظر اٹھانے کے قابل بھی نہیں چھوڑتا۔" اس نے کہتے ہوئے سر جھکایا تھا۔

"اسی لیے کہہ رہی ہوں ناں کہ میں اب چلتی ہوں۔ کہیں یہ نہ ہو کہ میں بھی۔" اس نے کہتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی تھی اور ولید مفہوم سمجھ گیا تھا۔

"اوکے۔ اب میں بھی نہیں روکوں گا۔ ٹھیک ہے' آپ جائیں۔" ولید نے بھی اصرار کرنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ اور عزت مسکرا کر اسے دیکھتی ہوئی خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی تھی۔

"اوکے آنٹی! اللہ حافظ۔" عزت نے کچن سے باہر نکلتی زبیدہ خاتون کو مخاطب کیا' وہ دوپٹے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے ٹھٹک گئیں۔

"ارے بیٹا۔ اتنی جلدی۔؟ ابھی بیٹھو تو سہی۔ میں ولید کے لیے کھانا بنا رہی تھی' اس لیے کچن میں دیر ہو گئی۔"

انہوں نے اسے روکا۔
"تھینک یو آنٹی! لیکن ابھی نہیں۔ ان شاء اللہ دوبارہ آئی تو میں بھی آپ کے ہاتھ کا کھانا ضرور کھاؤں گی۔"
عزت نے بڑے پیار سے کہتے ہوئے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔
"ضرور بیٹا۔ مجھے خوشی ہوگی۔" زبیدہ خاتون نے اس کے بال تھپکے تھے اور عزت مسکرا دی تھی۔



فیصل آباد سے واپس آتے ہی فارہ کو بخار نے گھیر لیا تھا۔
اور وہ بستر سے لگ گئی تھی جس کی وجہ سے آفاق کو بے حد پریشانی ہوئی تھی اور اسے اس قدر پریشان دیکھ کر ثمینہ یزدانی کا سیروں خون بڑھ گیا تھا اور اسی وجہ سے وہ خود فارہ سے ذرا فاصلے پر ہی رہی تھیں۔ کیوں کہ انہیں پتا تھا' جیسے ہی وہ اس پر توجہ دیں گی' وہ فوراً" لاپروا اور بے نیاز ہو جائے گا۔ اس لیے بہتر تھا کہ وہ خود ہی اس فکر میں مبتلا رہتا۔
لیکن وہ اتنا پریشان تھا کہ اپنی پریشانی لے کر ان کے سامنے بھی پہنچ ہی گیا تھا۔
"ممی! وہ بہت زیادہ ویک ہو چکی ہے۔ اسے روز بخار ہو جاتا ہے۔ میڈیسن بھی نہیں لے رہی۔ آپ اسے سمجھائیں۔ پلیز۔" آفاق جیسے تھک ہار کر ان کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔
"کیوں۔؟ میڈیسن کیوں نہیں لے رہی۔؟" ثمینہ یزدانی نے لاپروائی کا مظاہرہ کیا۔
"کہتی ہے مجھے وومٹنگ ہونے لگتی ہے۔" آفاق پریشانی اور تشویش سے بتا رہا تھا۔
"وومٹنگ۔؟" ثمینہ یزدانی اپنی لاپروائی کے خول سے یکدم باہر آگئی تھیں۔
"صرف میڈیسن لینے کی وجہ سے ہوتی ہے یا ویسے بھی۔؟" انہوں نے بڑے کھوجنے والے انداز سے دریافت کیا۔
"ویسے بھی۔ بلکہ جب سے اسے بخار ہوا ہے تب سے وومٹنگ ہو رہی ہے۔"
آفاق کی پریشانی اس کے چہرے سے ہویدا تھی اور اب یہی حال ثمینہ یزدانی کا بھی تھا۔
"او مائی گاڈ! تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔؟ میں اسے ابھی کسی اچھی سی لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتی ہوں۔ اس کا مکمل چیک اپ ضروری ہے اب۔" ثمینہ یزدانی تو اک لمحے کی بھی تاخیر کیے بغیر فوراً" اٹھ گئی تھیں۔
"لیڈی ڈاکٹر۔؟" آفاق ساری بات سے صرف لیڈی ڈاکٹر پہ اٹکا تھا اور اس کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتا رہ گیا تھا۔ مگر وہ ابھی انجان تھا اس لیے سمجھ نہیں پایا تھا۔



ثمینہ یزدانی جیسے ہی آفاق کے بیڈ روم میں داخل ہوئیں' ان کے قدم مزید ٹھٹکے تھے۔
کیونکہ واش روم سے فارہ کی ابکائیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔
وہ باہر کمرے میں ہی ٹہلتے ہوئے اس کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگیں۔
کچھ دیر بعد وہ باہر نکلی تو اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور رنگت پیلی زرد ہو رہی تھی۔ ثمینہ یزدانی لپک کے اس کے قریب آئیں اور اسے کندھوں سے تھام لیا تھا۔
"فارہ۔ میری بچی۔ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے؟ مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔؟" ثمینہ یزدانی اسے اپنے ساتھ لگائے بیڈ کے قریب آئیں اور بڑی احتیاط سے اسے بیڈ پر لٹا دیا تھا۔ وہ نقاہت کی وجہ سے ہلکے ہلکے لرز رہی تھی۔
"میرا۔ میرا۔ سر۔ چکرا رہا ہے آنٹی۔!" اس نے اپنے لرزتے کانپتے ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

"ڈونٹ وری بیٹا۔ ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔ میں ابھی ڈاکٹر سے ٹائم لیتی ہوں۔"
انہوں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کسی ڈاکٹر کا نمبر ڈائل کیا تھا اور فارہ کی اتنی بری حالت ہو چکی تھی کہ وہ چاہتے ہوئے بھی انہیں انکار نہیں کر سکی تھی' ورنہ اتنے دنوں سے وہ آفاق کے ساتھ ایک ہی ضد لگائے بیٹھی تھی کہ نہ میڈیسن لینی ہے نہ ڈاکٹر کے پاس جانا ہے اور آفاق تھا کہ منتیں کر کے تھک گیا تھا۔ اس لیے آج مجبوراً "فریاد لے کر ثمینہ یزدانی کے پاس پہنچ گیا تھا۔



میں نعرہ مستانہ
میں نعرہ مستانہ
میں شوخئی رندانہ
میں تشنہ کہاں جاؤں
پی کر بھی کہاں جانا؟
عزت آج پھر بڑے موڈ میں تھی اور آج پھر اس کی گاڑی میں عابدہ پروین فل والیوم سے گونج رہی تھی۔ اور اس آواز اور میوزک کی لے پہ عزت خود بھی ہمیشہ کی طرح جھوم رہی تھی۔
میں شمع فروزاں ہوں
میں آتش لرزاں ہوں
میں سوزش ہجراں ہوں
میں سوزش ہجراں
میں منزل پروانہ
میں نعرہ مستانہ
میں شوخئی رندانہ
اس کی گاڑی میں یہ میوزک گھر کے پورچ میں داخل ہونے تک بجتا رہا تھا اور گاڑی سے اترنے کے بعد وہ بیگ لے کر گنگناتی ہوئی اندر کی سمت بڑھی تھی۔
"بی بی جی۔! تیمور صاحب نے آپ کو اپنے بیڈ روم میں بلایا ہے۔" ملازمہ نے عزت کو دیکھتے ہی اطلاع کی تھی۔ اور عزت کے سیڑھیاں چڑھتے قدم یکدم رک گئے تھے۔
"تیمور بھائی نے بلایا ہے۔؟ مگر کب۔؟" اس نے تعجب سے ملازمہ کو دیکھا۔ کیونکہ وہ ابھی تو گھر میں داخل ہوئی تھی اور ابھی پیغام بھی آ گیا۔؟ حیرت ہی تو تھی۔
"کافی دیر سے کہہ رکھا ہے کہ آپ جیسے ہی گھر آئیں۔ ان سے ضرور مل لیں۔" ملازمہ نے اس کی حیرانی دور کی تھی۔
"وہ اچھا۔!" عزت کے قدم سست پڑ گئے تھے اور وہ بیگ ملازمہ کے حوالے کر کے خود تیمور کے بیڈ روم کی طرف آ گئی تھی' اندر سے تھوڑی پریشانی بھی ہوئی تھی کہ آخر ایسی کیا بات ہے کہ تیمور نے اتنی دیر سے اس کے لیے پیغام چھوڑ رکھا ہے۔
اس نے دروازے کے سامنے پہنچ کر آہستگی سے دروازے پر دستک دی تھی۔
"آ جاؤ۔۔۔" تیمور جان گیا تھا کہ دروازے پہ کون ہے۔

"السلام علیکم بھائی۔" عزت بڑے محتاط انداز سے اندر داخل ہوئی تھی۔
"وعلیکم السلام۔" تیمور بیڈ پہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھا یقیناً کسی گہری سوچ میں مبتلا تھا جب اسے دروازے کی دستک نے چونکایا تھا اور اب وہ عزت کی طرف متوجہ تھا۔
"آپ نے بلایا تھا بھائی۔؟" عزت نے بلا تمہید پوچھ لیا۔
"ہاں۔ آؤ بیٹھو۔" تیمور نے اسے قریبی صوفے پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
اور عزت نے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے دوبارہ تیمور کی طرف دیکھا تھا۔ وہ بھی سوالیہ۔!

٭ ٭ ٭

"تو پھر فیصلہ سنا دیا تم نے۔؟" ماورا لاؤنج کے صوفے پہ لیٹی بہت آرام سے اپنے موبائل پہ کوئی نیو ڈیزائن کری ایٹ کر رہی تھی جب بی گل بھی وہیں آ گئیں۔
"کیسا فیصلہ۔؟" وہ اپنے دھیان میں مگن ان کی بات سمجھ نہیں پائی تھی۔
"تمہاری شادی کا فیصلہ۔" انہوں نے واضح کیا۔
"اوہ ہاں۔ بس یوں سمجھیں کہ ابھی تیلی جلائی ہی تھی کہ رضا حیدر نے پھونک مار دی۔" ماورا کافی خفگی اور جھنجلاہٹ سے بولی تھی۔
"کیا مطلب ہے تمہارا۔؟ کیا پھونک مار دی۔؟" بی گل کے بھلا کیا سمجھ میں آ سکتا تھا۔
"مطلب کہ ابھی فیصلہ سنانے ہی والی تھی کہ رضا حیدر کی کال آ گئی اور بات ادھوری رہ گئی۔" اس نے وجہ بتائی۔
"پھر۔؟" انہوں نے مزید استفسار کیا۔
"پھر کیا۔ پھر وہ گھر چلا گیا۔ اور میں اپنے گھر آ گئی۔" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔
"اور آگے۔؟" برجستہ سوال جاری تھے۔
"آگے کیا۔؟ وہ پوچھے گا۔ میں بتا دوں گی۔ بس بات ختم۔" اس کی لاپروائی کا وہی عالم تھا۔
"بات کیسے ختم ہو سکتی ہے بیٹا۔ پوری زندگی کا سوال ہے۔ یہ فیصلے روز روز نہیں ہوتے۔"
"یہ پوری زندگی کا نہیں۔ میرے کیریر کا سوال ہے بی گل۔ جس کے لیے میں یہ رسک لے رہی ہوں۔" ماورا کے انداز میں سنجیدگی اتر آئی تھی۔
"کبھی کبھی تیری ماں کی طرح سوچتی ہوں کہ تم یہ رسک نہ لو۔ مگر پھر جب تمہارے کیریر کا خیال آتا ہے تو چپ ہو جاتی ہوں۔ کہ چل ٹھیک ہے۔ اللہ کے بھروسے پہ تو یہ رسک لے ہی لے تو اچھا ہے۔" بی گل بھی جیسے ڈانواں ڈول سی لگ رہی تھیں۔
"بی گل پلیز۔!" ماورا بیزاری سے صوفے پہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اور ان کی بات سنتی عافیہ بیگم دروازے سے ہی پلٹ کر چلی گئی تھیں۔

٭ ٭ ٭

اپنے بیڈ روم میں اپنے بیڈ پہ بیٹھی عزت کا چہرا دھواں دھواں ہو رہا تھا۔
اسے رضا حیدر کے رد عمل کا سن کر ہی اپنی آنکھوں کے سامنے تارے سے ناچتے ہوئے محسوس ہوئے تھے اور دماغ ماؤف سا ہو رہا تھا۔
"لیکن اس سب کے باوجود تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں اور ولید کو کوئی بھی الگ نہیں

ر سکتا۔ مجھے تم دونوں کی کورٹ میرج بھی کروانی پڑی تو کرواؤں گا۔ یو ڈونٹ وری۔ اینڈ۔ بی کیئر فل۔" تیمور کی آواز اس کے کانوں میں ابھی تک جیسے سائیں سائیں کر رہی تھی۔!

☆ ☆ ☆

ماورا بڑے دل سے تیار ہو کر نیچے آئی تھی۔
نیچے پارکنگ میں تیمور گاڑی سے ٹیک لگائے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ماورا کو نیچے آتے دیکھ کر فوراً سیدھا ہو گیا تھا اور اپنی گھڑی میں ٹائم دیکھا تھا۔
"اتنا لیٹ کر دیا۔؟" وہ بڑی نرمی سے بولا۔
"بس تیار ہونے میں ٹائم لگ گیا۔" ماورا عجلت سے کہتے ہوئے قریب آئی۔
"وہ تو نظر آرہا ہے۔" اس نے سر تا پا اسے دیکھا۔
"اچھا۔؟" وہ مسکرائی۔
"ہوں۔! اچھی لگ رہی ہیں۔" تیمور نے تعریف کی۔
"تھینکس۔! چلیں اب۔" وہ گاڑی کی دوسری سائیڈ کی طرف مڑی اور تیمور نے بھی مسکراتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔
"کہاں جانا ہے اب۔؟" روڈ پہ آتے ہی ماورا نے تیمور کی طرف دیکھا۔
"کورٹ۔ اور کہاں۔" تیمور بڑا پرسکون اور خوش نظر آرہا تھا۔
"اور بعد میں۔؟" وہ کچھ جاننا چاہتی تھی۔
"جہاں تم کہو۔" وہ مسکرایا۔
"اوکے۔!" وہ بھی مسکرائی تھی۔
اور اگلے چند منٹ بعد وہ کورٹ میں موجود تھے گواہ بھی تھے اور وکیل بھی۔
"ماورا پلیز۔!" تیمور نے اسے پیپر اور پین تھمایا۔
ماورا نے چند سیکنڈ کے لیے سوچا پھر تیمور کو دیکھا۔
تیمور بھی پیپرز اور پین لیے بیٹھا تھا ادھر تیمور نے پراپرٹی کے پیپرز پہ سائن کیے تھے اور ادھر ماورا نے نکاح نامے پہ دستخط کر دیے تھے۔
"مبارک ہو۔" لوگوں نے انہیں مبارک باد دی تھی اور کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔
"آج سے سب کچھ تمہارا ہے۔" تیمور پرسکون تھا۔
"لیکن میں تمہاری نہیں ہوں۔" ماورا کے چہرے کے تاثرات یکسر بدل گئے تھے۔
"کیا مطلب۔؟" تیمور یکدم ٹھٹھکا اور ماورا نے اپنے بیگ سے ریوالور نکال لیا تھا۔
"مطلب کہ اب گیم ختم ہو چکا ہے۔ اب بس۔" ماورا نے اس پہ ریوالور تان لیا تھا۔
"مگر ماورا۔! تیمور نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر ماورا نے سننے کی بھی زحمت نہیں کی تھی اور گولی چلا دی تھی۔ جو سیدھی تیمور کے سینے میں لگی تھی۔
"ماورا۔" وہ زور سے چیخا۔
"تیمور۔!" ماورا انتہائی زور سے چیخ کر یکدم اپنے بستر سے اٹھ بیٹھی تھی اور ہاتھ مار کر سائیڈ ٹیبل کا لیمپ جلا دیا تھا وہ پسینے میں شرابور ہو رہی تھی اور اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا یوں جیسے سینے کے اندر کوئی بے لگام گھوڑا

دوڑ رہا ہو۔ اس کے ڈراؤنے خواب نے اسے حقیقتاً "ہلا کے رکھ دیا تھا۔
"تیمور۔؟" اس نے خود کلامی کے سے انداز میں اس کا نام لیا تھا اور پھر پسینے سے بھیگے اپنے چہرے کو چھو کر محسوس کیا تھا۔ قتل۔؟ تیمور حیدر کا۔؟ میرے ہاتھوں۔
اس نے لیمپ کی روشنی میں اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر دیکھے تھے دل ابھی بھی دھک دھک کر رہا تھا۔

❁ ❁ ❁

"مبارک ہو مسز یزدانی آپ دادی بننے والی ہیں۔ آپ کی بہو کی رپورٹس آگئی ہیں۔"
ڈاکٹر نے فارہ کی رپورٹس چیک کرتے ہی ثمینہ یزدانی کو اندر بلایا تھا اور ثمینہ یزدانی کو تو پہلے ہی شک تھا اب تو ڈاکٹر کی طرف سے بھی تصدیق ہو گئی تھی۔
"خیر مبارک ڈاکٹر صاحبہ۔ خیر مبارک۔ میں بس ابھی آئی۔ پہلے اپنی بہو اور بیٹے کو یہ خوشخبری سنا دوں۔" ثمینہ یزدانی سے ذرا صبر نہیں ہوا تھا اور ڈاکٹر مسکرا دی تھی۔
"آفاق۔ آفاق۔ فارہ!" وہ دور سے ہی انہیں پکارتی ہوئی روم میں داخل ہوئی تھیں۔
"جی ممی۔ خیریت۔؟" آفاق کھڑا ہو گیا' بیڈ پر پڑی فارہ نے بھی سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔
"مبارک ہو میری جان۔ مبارک ہو۔ میں دادی بننے والی ہوں۔ فارہ کی رپورٹس آگئی ہیں۔"
ثمینہ یزدانی نے خوشی سے چہکتے ہوئے آفاق کے دونوں بازو پکڑ کر مبارک باد کا اعلان کیا تھا۔ مگر دوسری طرف کا رد عمل وہ نہیں تھا جو ہونا چاہیے تھا۔
آفاق کے چہرے پہ خوشی کے بجائے اک تاریک سا سایہ لہرا گیا تھا۔
"دادی بننے والی ہیں۔؟"

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نبیلہ عزیز

ماورا مرتضیٰ' عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔

منزہ' ثمینہ اور نیو کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شاندار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیو کے بیٹے سے فارہ کی بہن حنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید اور عزت کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ دیتی ہے۔ تاہم عزت کھل کر اس کا اظہار کر دیتی ہے۔ ولید ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ روتی ہے۔ اشتیاق یزدانی' آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ رضا حیدر' تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی تاریخ میں ماورا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔

۲۰
بیسویں قسط





وہ زیر لب دہرا کے رہ گیا تھا۔

"ہاں۔۔ہاں۔۔۔میں دادی بننے والی ہوں۔۔۔میرے مالک نے مجھ پہ کرم کردیا ہے۔اپنی رحمت سے نوازدیا ہے مجھے۔۔۔میری جھولی بھردی ہے۔" ثمینہ یزدانی خوشی کی انتہا میں پاگل ہوئی جارہی تھیں اور فارہ کے چہرے پہ زندگی سے بھرپور رنگ دوڑ گئے تھے۔

جبکہ آفاق کے چہرے کے تاثرات ہنوز وہی کے وہی تھے۔عجیب گم صم سے۔۔۔اور کھوئے ہوئے۔

"اب ہم نے رکنا ہے یا گھر جانا ہے؟" فارہ کو اک نئی فکر لاحق ہوگئی تھی۔وہ جلد سے جلد گھر جانا چاہتی تھی۔

"ظاہر ہے بیٹا! رکنا پڑے گا۔تمہیں ابھی مکمل ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے۔" ثمینہ یزدانی اس کی سمت چلتے ہوئے بولیں۔

"لیکن آنٹی۔۔۔!میں گھر جانا چاہتی ہوں۔مجھے کوفت ہورہی ہے اسپتال سے۔۔۔میری طبیعت اور زیادہ خراب ہوجائے گی۔" فارہ بے زار اور روہانسی سی ہورہی تھی۔

"ارے نہیں میری جان۔۔۔گھبراؤ مت۔۔۔میں ابھی تمہاری ڈاکٹر سے مشورہ کرتی ہوں۔اگر انہوں نے گھر جانے کی اجازت دے دی تو ہم ابھی گھر چلے جائیں گے۔آؤ آفاق تم بھی میرے ساتھ آجاؤ۔"

ثمینہ یزدانی دوبارہ دروازے کی طرف مڑتے آفاق سے مخاطب ہوئی تھیں اور آفاق کسی روبوٹ کی طرح سرہلا کران کے پیچھے چل دیا تھا' وہ دونوں ماں بیٹا آگے پیچھے چلتے راہداری میں نکل آئے تھے۔

"یہ خوش خبری تمہارے ڈیڈی نے سن لی تو سارے کام چھوڑ چھاڑ کے فوراً اسپتال پہنچ جائیں گے۔۔۔جانتے ہو کتنی خوشی ہوگی ان کو۔۔۔؟" ثمینہ یزدانی اپنے دھیان میں چلتے ہوئے بول رہی تھیں اور پھر اچانک چلتے چلتے رک گئی تھیں اور یک دم پلٹ کر اپنے پیچھے چلتے آفاق کو دیکھا تھا۔

ان کے اس طرح اچانک رکنے اور اچانک دیکھنے پہ وہ بھی رک کر دیکھنے لگا تھا۔اسے ثمینہ یزدانی کی تنقیدی اور تشویش بھری نظریں سر سے پاؤں تک محسوس ہوئی تھیں۔

"کیا بات ہے آفاق۔۔۔؟میں کچھ غلط نوٹ کررہی ہوں؟یا تم خود کچھ غلط نوٹ کروا رہے ہو؟" ثمینہ یزدانی کافی کھوجنے والے انداز سے بولی تھیں۔مگر وہ کچھ نہیں سمجھا تھا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟میں کیا غلط نوٹ کروا رہا ہوں؟" اس کے انداز میں بھی ناسمجھی تھی۔

"یہی کہ تم یہ خوش خبری سن کر خوش نہیں ہوئے بلکہ گم صم ہوگئے ہو۔۔۔؟تمہاری ہوائیاں اڑ گئی ہیں؟" ثمینہ یزدانی نے جو محسوس کیا تھا وہ کہہ بھی دیا تھا اور آفاق ان کی بات سن کر چند ثانیے کے لیے خاموش سا ہوگیا تھا۔

"کبھی کبھی کوئی وقت کوئی سچویشن ایسی ہوتی ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی انسان کی ہوائیاں اڑ جاتی ہیں'اور دیکھنے والوں کو صحیح بھی غلط نظر آتا ہے یوں سمجھ لیں کہ اس وقت مجھ پہ بھی ایسی ہی سچویشن ہے'میرے چہرے کی ہوائیاں اڑی ہیں تو پتا نہیں کس وجہ سے اڑی ہیں؟اور آپ کو پتا نہیں کیا وجہ نظر آرہی ہے؟"

آفاق نے ذرا توقف سے بڑا ٹھہرا ہوا اور سنبھلا ہوا جواب دیا تھا اور ثمینہ یزدانی ہمیشہ کی طرح اس بار بھی چپ ہوگئی تھیں۔

"مسز یزدانی۔۔۔!آپ کو ڈاکٹر بلا رہی ہیں۔پھر انہوں نے راؤنڈ پہ جانا ہے۔"

سامنے سے آتی نرس ان کے قریب آکر رک گئی تھی اور وہ دونوں ماں بیٹا چونک کر متوجہ ہوئے تھے۔

"ہوں۔۔۔!میں ان ہی کی طرف جارہی ہوں۔" ثمینہ یزدانی سرہلا کر کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھیں اور آفاق بھی مجبوراً ان کے پیچھے چل پڑا تھا۔

☆ ☆ ☆

تیمور صبح آفس جانے کے لیے گھر سے نکلنے ہی والا تھا کہ رضا حیدر کی آواز پہ اس کے قدم ٹھٹک کر رک گئے تھے۔

"آج ذرا جلدی گھر آجانا۔۔۔" ان کی بات پہ تیمور یک دم پلٹا تھا۔

"خیریت۔۔۔؟" اس کا لہجہ نجانے کیوں تیکھا ہو گیا تھا۔

"قیام مرزا کی فیملی آرہی ہے۔ عزت کو انگوٹھی پہنانے کے لیے۔" وہ بڑے سکون سے بولے تھے۔

"انگوٹھی۔۔۔؟" تیمور کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔

"ہاں۔۔۔ ابھی صرف انگوٹھی پہنانے آئیں گے' باقاعدہ انگیجمنٹ کی رسم چند دن بعد ارینج کریں گے اور ساتھ ہی نکاح کی رسم بھی ادا ہو جائے گی۔"

رضا حیدر یالا ہی بالا سب کچھ طے کر چکے تھے اور تیمور کو ان کے فیصلے پہ بے انتہا حیرت' اچنبھا اور دکھ ہوا تھا کہ وہ کیوں ایسا کر رہے ہیں؟

اپنے ہی بیٹے کو دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک رہے ہیں؟ اور بیٹی کا بھی ذرا خیال نہیں۔۔۔ وہ بھی وہ بیٹی جو ان کی بہت لاڈلی' چہیتی اور نازوں پلی تھی۔

"بابا جان۔۔۔! ایک بات پوچھوں آپ سے۔۔۔؟" تیمور نے کوئی بھی غصہ کرنے کے بجائے بہت ہی مدھم اور دھیمے لہجے میں بڑا عاجزانہ سا سوال کیا تھا۔

"پوچھو۔۔۔!" انہوں نے بھی جوابا" کوئی رعایت نہیں بخشی تھی بڑا شاہانہ جواب دیا تھا۔

"آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ کیا آپ کو عزت کی پسند ناپسند کا بھی خیال نہیں ہے؟ آخر وہ آپ کی لاڈلی بیٹی ہے' جس نے ہمیشہ ہر چیز اپنی پسند سے استعمال کی ہے۔ وہ آج یہ کام ناپسند ہوتے ہوئے بھی کیسے کر سکتی ہے؟" تیمور ان کے چہرے پہ نظریں جمائے پوچھ رہا تھا۔

"کر سکتی ہے۔۔۔ ضرور کر سکتی ہے۔ ہمیشہ ہم نے ہر کام اس کی پسند کے مطابق کیا ہے ہمیشہ خیال رکھا ہے تو وہ کیوں نہیں کر سکتی؟ اسے بھی ہماری پسند کا خیال رکھنا پڑے گا۔ مونس مرزا ہماری پسند ہے اور اسے یہ پسند قبول کرنا ہو گی۔۔۔ ہر حال میں۔۔۔"

رضا حیدر کا لہجہ اٹل تھا اور تیمور نہ چاہتے ہوئے بھی اس اٹل چٹان سے ٹکرانے کا ارادہ باندھ بیٹھا تھا۔

"کبھی نہیں۔۔۔ میں اسے یہ پسند زبردستی قبول نہیں کروانے دوں گا۔ کسی قیمت پر بھی نہیں۔" تیمور کا لہجہ ان سے بھی زیادہ اٹل ہو چکا تھا اور رضا حیدر پہلی بار تیمور کا یہ روپ دیکھ کر چونکے تھے۔

"تم میری ہی بیٹی کے لیے مجھے ہی چیلنج کر رہے ہو؟ مجھ سے ٹکر لے رہے ہو؟"

ان کا انداز اور لہجہ رفتہ رفتہ تیکھا ہوتا جا رہا تھا۔ پل میں اتار چڑھاؤ آرہا تھا۔

"بات بیٹی کی نہیں ہے اور نہ ہی کسی ضد کی ہے۔ بس بات ایک انسانی دل کی ہے' جس پہ آپ بلاوجہ جبر کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن میں' کبھی جبر اور زور زبردستی کے حق میں نہیں رہا۔ نہ ہی ایسا کرنے دوں گا۔"

تیمور کے تیور زندگی میں پہلی بار سامنے آئے تھے اور وہ دونوں باپ بیٹا زندگی میں پہلی بار یوں دوبدو ہوئے تھے۔

"میں کسی انسانی دل کو نہیں جانتا۔ نہ ہی ان چیزوں پہ بھروسہ رکھتا ہوں۔ یہ دل ول سب بے کار ہے۔ بس پریکٹیکل لائف ہی سب کچھ ہوتی ہے اور آج کل کی پریکٹیکل لائف پیسہ مانگتی ہے' دولت مانگتی ہے۔ دل نہیں مانگتی۔۔۔ دل کے قصیدے پڑھنا غریب اور بھوکے ننگے لوگوں کا کام ہے۔ ہماری کلاس میں یہ نہیں دیکھا جاتا اور یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔ میں عزت کی زندگی سنوارنے کا سوچ رہا ہوں اور تم عزت کی زندگی بگاڑنے کا سوچ رہے ہو' اپنی سوچ کو بدل لو اور وہ سوچو جو میں سوچ رہا ہوں۔"

رضا حیدر نے آخر میں اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ جس پہ تیمور بے ساختہ بدک گیا تھا۔
"واٹ۔۔۔؟ میں کیا سوچوں؟ یہ کہ پریکٹیکل لائف کے لیے پیسہ ضروری ہے بلکہ نہیں؟ یہ بھوکے ننگے لوگوں کا مشغلہ ہے؟ ہونہہ۔۔۔ بابا۔۔۔ اگر آپ کی یہ سوچ درست ہے تو پھر مجھ سے زیادہ بھوکا ننگا تو اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا جو اپنی بھوک اور غربت کا کشکول لیے روز نادر امرتضٰی کے در پہ پہنچا ہوا ہوتا ہوں۔"
تیمور نے رضا حیدر کے اعصاب پہ ایک اور بم پھوڑ دیا تھا اور رضا حیدر نے کسی زہریلے سانپ کی طرح پھنکار کر اسے دیکھا تھا۔
"یعنی کہ تم دونوں بہن بھائی ایک ہی لائن پہ چل رہے ہو؟"
"یہ لائن نہیں ہے بابا جان۔۔۔ یہ عطا ہے۔۔۔ اللہ کی عطا۔۔۔ تحفہ ہے' توفیق ہے' یہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ ہم دونوں بہن بھائی خوش قسمت ہیں کہ اللہ نے یہ تحفہ ہمیں عطا کیا ہے۔ ہمیں توفیق دی ہے اس کی۔۔۔ اور اگر اللہ نے توفیق دی ہے تو ان شاء اللہ اس کو نبھانے کی ہمت بھی دے گا۔"
تیمور کہہ کر پلٹ گیا۔
"ایسا نہیں ہو گا۔" رضا حیدر دھاڑ اٹھے تھے۔
"ایسا ہو گا۔۔۔ اور آج ہی ہو گا' اس کا نتیجہ رات کو ہی دیکھ لیجیے گا' جب قیام مرزا کی فیملی یہاں آئے گی۔"
اس نے جاتے جاتے پلٹ کر دوبارہ ان کو جواب دیا تھا۔
"تیمور۔۔۔! تم مجھ سے ٹکر لے رہے ہو۔۔۔؟"
"میں ٹکر نہیں لے رہا۔۔۔ اپنی بہن کی بھلائی سوچ رہا ہوں۔ اگر آپ بدمزگی نہیں چاہتے تو ان کی فیملی کو رنگ پہنانے سے روک دیں۔۔۔ منع کر دیں گھر آنے سے۔۔۔ ورنہ میرے ردعمل کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔"
تیمور نے کوئی بھی لگی لپٹی رکھے بغیر صاف اعلان کر دیا تھا۔
اور رضا حیدر نے چند سیکنڈز کے لیے ہونٹ اور مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔
"ٹھیک ہے۔۔۔ دیکھتا ہوں تمہارا ردعمل اور اس ردعمل کے بعد کا عمل بھی ذہن میں رکھ لینا' تم نے میرا پیار دیکھا ہے۔۔۔ میرا قہر نہیں دیکھا۔" رضا حیدر چبا کر بولے تھے۔
"زندگی رہی تو وہ بھی دیکھ لوں گا۔۔۔ خدا حافظ۔۔۔" تیمور بھی کہہ کر باہر نکل گیا تھا اور یوں باپ اور بیٹے کی جنگ کا باقاعدہ آغاز ہو گیا تھا۔



تیمور بہت ہی تنے ہوئے اعصاب لے کر اپنے آفس میں داخل ہوا تھا اور کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنا بیگ اور اپنا کوٹ انتہائی کوفت سے صوفے پہ اچھال دیے تھے اور اپنی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں یوں تھام لیا تھا' یوں جیسے سر کے بال مٹھیوں میں بھینچ لیے ہوں۔
آج پہلی بار اس کے گھر کی ٹینشن اس کے آفس تک اس کے ساتھ آئی تھی' ورنہ ہمیشہ وہ اپنے آفس بڑے خوش گوار موڈ کے ساتھ آتا تھا۔
"اب کیا ہو گا۔۔۔؟ بابا جان جیسے پہاڑ سے ٹکرانا ہو گا؟" اس نے یونہی سوچتے ہوئے سر ذرا سا اونچا کیا تو نظریں اپنے سامنے ٹیبل پر رکھے سفید لفافے پہ جا رکی تھیں۔
"نادر امرتضٰی۔۔۔" لفافے پہ لکھا نام پڑھ کے تیمور کے اعصاب اور کھنچ گئے تھے اور ذہن مزید چوکنا ہو گیا تھا۔
"نادر انکل کا لیٹر۔۔۔؟" اس نے زیر لب دہراتے ہوئے وہ لفافہ اٹھا لیا تھا اور فوراً "چاک" بھی کر ڈالا تھا۔

"مسٹر تیمور حیدر۔۔۔ میں۔۔۔ مس ماورا مرتضیٰ۔۔۔ آپ سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔ آپ تمام کاغذات تیار کروائیں۔۔۔ میں نکاح نامے پہ سائن کروں گی۔۔۔ مجھے یہ پروپوزل قبول ہے۔"

سفید کاغذ پہ لکھا ماورا کا یہ اقرار نامہ پڑھ کے تیمور سچ مچ تھوڑی دیر کے لیے ساری پریشانیاں بھول گیا تھا۔

اور اس کا دل بلیوں اچھلا تھا اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا تھا۔

آج بڑی مدت اور بڑی ریاضت کے بعد یہ چند لفظ اس کے نصیب میں آئے تھے اور اس نے اپنے اندر کی شدت سے مجبور ہو کر بے اختیار وہ لفافہ اور وہ کاغذ ہاتھوں میں بھینچ لیے تھے۔

"آئی لو یو ماورا۔۔۔ آئی لو یو سو مچ۔" اس کے منہ سے نکلے ایک ایک لفظ سے اس کی محبت کی شدت جھلک رہی تھی۔



حسب توقع ماورا کا موبائل گنگنایا تھا۔

اور حسب توقع کال کرنے والا تیمور حیدر ہی تھا۔

"السلام علیکم۔۔۔!" ماورا نے کال ریسیو کی۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ کیسی ہیں مس ماورا مرتضیٰ۔۔۔؟" اس کا لہجہ اندرونی خوشی کے احساس سے مہک بھی رہا تھا اور کھنک بھی رہا تھا۔ ماورا نے فوراً" محسوس کیا تھا۔

"بالکل ٹھیک۔۔۔ ہمیشہ کی طرح۔" اس نے البتہ اپنے آپ کو ہمیشہ کی طرح کنٹرول میں ہی رکھا تھا۔

"تھوڑی دیر کے لیے ملاقات ہو سکتی ہے؟" اس نے بڑے اطمینان سے پوچھا تھا۔

"ہاں۔۔۔ کیوں نہیں" اس نے بڑے ٹھہرے ہوئے انداز سے جواب دیا۔

"نہیں۔۔۔ یہاں نہیں۔۔۔ کہیں باہر۔۔۔ کسی ریسٹورنٹ میں۔۔۔" تیمور اس سے کچھ معاملات پر بات کرنا چاہتا تھا۔

"یہ ضروری ہے کیا؟" اس نے کافی سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"میرے خیال میں تو بہت زیادہ ضروری ہے۔" تیمور کے لہجے میں سنجیدگی اور شرارت کا ملا جلا تاثر تھا۔

"او کے۔۔۔ اگر اتنا ضروری ہے تو مل لیتے ہیں' آپ جگہ بتا دیجیے۔" ماورا نے زیادہ بحث و تکرار میں وقت ضائع نہیں کیا تھا اسی لیے جگہ کا پوچھنے کے بعد کال بند کر دی تھی۔



وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے ایک دوسرے کے بولنے کا انتظار کر رہے تھے کیوں کہ دونوں کے بیچ متواتر خاموشی حائل تھی۔

ماورا لاپروائی سے اپنے سامنے رکھے جوس کے گلاس میں اسٹرا ہلا رہی تھی اور وقفے وقفے سے کھڑکی سے باہر بھی دیکھ رہی تھی۔ تیمور کو پتا تھا کہ وہ بہت گہری لڑکی ہے' خود سے کبھی کچھ بھی نہیں کہے گی' اسی لیے اسے خود ہی بولنے میں پہل کرنا پڑی تھی۔

"میں آج بہت خوش ہوں۔" تیمور بمشکل اپنی خوشی کے اظہار کے لیے اپنے اندر ہمت مجتمع کر پایا تھا۔

"جانتی ہوں۔۔۔" ماورا نے بہت اعتماد سے اس کی بات سے اتفاق کیا تھا۔

"مگر میں اپنی اس خوشی پہ پوری طرح سے خوش نہیں ہو پا رہا۔" تیمور کی اگلی بات پہ ماورا کو بے اختیار ٹھٹکنا پڑا تھا۔

"کیوں۔۔۔؟" اس کا یہ "کیوں" بھی بہت بے ساختہ ادا ہوا تھا۔
"کیوں کہ گھر میں بابا جان نے ایک اور مسئلہ کھڑا کر رکھا ہے؟" تیمور اس سے سب کچھ شیئر کرنا چاہتا تھا۔
"مسئلہ۔۔۔؟ کیسا مسئلہ۔۔۔؟" ماورا کو اندر ہی اندر تشویش ہوئی تھی مگر اس نے کھل کے ظاہر نہیں کیا تھا۔
"عزت کے پروپوزل کا مسئلہ۔۔۔ وہ اپنے دوست قیام مرزا کے بیٹے مونس مرزا کا پروپوزل فائنل کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ جبکہ عزت۔۔۔" تیمور بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہو گیا۔
"کسی اور کو پسند کرتی ہے۔۔۔" ماورا نے اس کا ادھورا جملہ پورا کر دیا تھا مگر تیمور نے چونک کر دیکھا تھا۔
"آپ جانتی ہیں۔۔۔؟"
"لی گل کہتی ہیں کہ محبت خوشبو ہے اور خوشبو چھپ نہیں سکتی۔"
ماورا نے اتنے اچھے طریقے سے بات بیان کی کہ تیمور بھی دیکھتا رہ گیا تھا۔
"آپ عزت کے حوالے سے کیا ارادے رکھتے ہیں۔۔۔؟ کیا سوچا ہے۔۔۔؟" اس نے تیمور کی نظروں کی محویت توڑتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔
"میں اس کی پسند کا احترام کرتا ہوں اور مونس مرزا کے پروپوزل پہ عزت کی پسند کو ترجیح دیتا ہوں۔" وہ بھی سنجیدگی کے لبادے میں آ گیا تھا۔
"ہوں۔۔۔! دیٹس گریٹ۔۔۔ ولید رحمان واقعی بہت اچھا لڑکا ہے۔" ماورا نے سراہا تھا اور تیمور ایک بار پھر حیران ہوا کہ وہ واقعی سب کچھ جانتی ہے۔ اس کے بتانے سے بھی پہلے۔۔۔؟
"لیکن یہ بات بابا جان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ولید رحمان اچھا ہے یا برا انہیں کوئی سروکار نہیں ہے۔" تیمور نے خفگی سے سر جھٹکا۔
"تو آپ کے بابا جان کے نزدیک کیا چیز اہمیت رکھتی ہے؟" ماورا کا سوال کافی تیکھا اور نپا تلا سا تھا۔
"کلاس۔" تیمور نے کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔
"دوسرے لفظوں میں دولت۔۔۔ ہے نا۔۔۔؟" ماورا نے تصدیق چاہی۔
"ہاں۔۔۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
"ثروہ تو نہ میرے پاس ہے نہ ولید رحمان کے پاس۔۔۔ آپ کے بابا جان ہمیں قبول کیسے کریں گے؟" اب کی بار اس نے سوال تھوڑا بدل دیا تھا اور ولید رحمان کے ساتھ خود کو بھی شامل کر لیا تھا۔
"بابا جان قبول نہیں کریں گے تو ہمیں دوسرا راستہ اختیار کرنا ہو گا۔" تیمور جیسے کچھ سوچے بیٹھا تھا۔
"دوسرا راستہ۔۔۔؟" وہ چونکی۔
"کورٹ میرج۔" اس نے مختصراً کہا۔
"کورٹ میرج۔۔۔؟" ماورا نے بے اختیار زیر لب دہرایا تھا۔
"ہاں۔۔۔! اس مسئلے کا آخری حل یہی ہو گا کہ میں عزت اور ولید کی کورٹ میرج کروانے کے بعد خود بھی کورٹ میرج کر لوں گا۔ میرے ساتھ کورٹ میرج کرنے میں آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ہو گا نا۔۔۔؟" اس نے ماورا کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
وہ چند ثانیے چپ رہی تھی اور اس کی چپ پہ تیمور کو بے چینی ہوئی تھی۔
"ماورا۔۔۔؟" تیمور کے اس طرح پکارنے پہ ماورا نے بے ساختہ اس کی سمت دیکھا تھا دونوں کی نظروں کا بڑا نرم سا تصادم ہوا تھا۔
"مجھے اس نازک مرحلے پہ آپ کے ساتھ کی ضرورت ہے۔۔۔ ہماری شادی کبھی بھی دھوم دھام سے نہیں

ہو گی۔۔۔ اس لیے ہمیں کورٹ میرج ہی کرنا پڑے گی۔ اگر آپ کو برا نہ لگے تو۔۔۔؟"
وہ بہت نرمی سے تحمل سے بڑے ٹھہراؤ سے پوچھ رہا تھا۔ ماورا اس کی بات پہ گہری سانس کھینچ کے رہ گئی تھی۔
"او کے۔۔۔! جیسا آپ کو مناسب لگے۔۔۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" اس نے رضامندی دے دی تھی اور تیمور کے چہرے پہ خوشیوں کی بارات اتر آئی تھی۔
"تھینک یو ماورا۔۔۔ تھینک یو سو مچ۔۔۔" تیمور نے میز پہ رکھا اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا لیا تھا اور ماورا ایک دم بدک گئی تھی۔
"تیمور۔۔۔!" اس نے اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا اور تیمور نے اس کے چہرے کے اڑے ہوئے رنگ دیکھ کر مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔
"گستاخی معاف۔۔۔ بے اختیاری میں ایسا کر گیا۔۔۔" تیمور کے لہجے اور نظروں سے شرارت پھوٹ رہی تھی۔ ماورا کا چہرہ نہ چاہتے ہوئے بھی سرخ پڑ گیا تھا۔
"آپ عزت او رولید کی بات کر رہے تھے غالباً۔۔۔؟" اس نے بات بدلنے کی کوشش کی۔
"ہاں۔۔۔ آج قیام مرزا کی فیملی عزت کو رنگ پہنانے کے لیے ہمارے گھر آ رہی ہے اور میں فائنلی بات طے کرنے ولید کے گھر جا رہا ہوں۔ اس لیے اب دیکھتے ہیں کہ رزلٹ کیا آتا ہے۔۔۔؟"
تیمور بات ختم کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا تھا کیونکہ ماورا بھی اپنا بیگ بند کر رہی تھی۔
"اچھی بات ہے۔۔۔ آپ کے ساتھ ساتھ میرا ووٹ بھی ولید رحمان کے حق میں ہے۔۔۔ اگر آپ میں یہ جنگ لڑنے کی ہمت ہے تو ضرور لڑیے۔۔۔ ان شاء اللہ جیت آپ کی ہی ہو گی۔"
ماورا بھی کہتے ہوئے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی اور تیمور اس کی ایسی حوصلہ افزائی پہ مزید مضبوط ہو گیا تھا۔



"ولید۔۔۔! سنبھل کے۔۔۔" وہ اپنے بستر سے اٹھ کر اسٹک کے سہارے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا کمرے سے صحن میں نکل آیا تھا۔
"اب کافی بہتر ہوں امی۔۔۔! آپ پریشان نہ ہوں۔۔۔" ولید آج بڑے فریش موڈ میں نظر آ رہا تھا۔ کیوں کہ آج بڑے دنوں بعد اس نے زمین پہ قدم جمائے تھے۔
"ککو۔۔۔ وحید باہر نکلو۔۔۔ بھائی کو سہارا دو۔۔۔" زبیدہ خاتون نے ولید کے پیچھے نکلتے ہوئے باقی دونوں کو آواز دی تھی اور وہ دونوں اپنا اپنا ہوم ورک چھوڑ کر باہر بھاگے آئے تھے۔
"واؤ۔۔۔ بھائی آج خود چل رہے ہیں۔۔۔؟" ککو اور وحید خوشی سے چیخ اٹھے تھے۔
"آئیے۔۔۔ ہم آپ کو واک کرواتے ہیں۔" ککو لپک کے اس کے قریب آئی تھی اور وحید کا بازو تھام لیا تھا۔
"ارے میری جان۔۔۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔ مجھے چلنے دو۔ سہاروں کی عادت پڑ جائے تو اچھا بھلا آدمی بھی اپنے قدموں پہ کھڑا نہیں ہو سکتا۔" ولید نے مسکراتے ہوئے چھوٹی بہن کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔
"بہن بھائی سہارا نہیں ہوتے۔ بازو ہوتے ہیں اور مشکل وقت میں انسان کے بازو ہی اسے سنبھالتے ہیں اور اس کے کام آتے ہیں۔" زبیدہ خاتون کام کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں سمجھا بھی رہی تھیں۔
"کیا صرف بہن بھائی ہی بازو ہوتے ہیں۔۔۔؟ کوئی اور بازو نہیں بن سکتا۔۔۔؟" تیمور حیدر کی آواز پہ وہ چاروں ہی چونک گئے تھے اور یک دم دروازے کی طرف پلٹ کر دیکھا تھا۔
ان کے گھر کا دروازہ خلاف معمول کھلا ہوا تھا اور ادھ کھلے دروازے سے ولید کو صحن میں آہستہ آہستہ چل

قدمی کرتے دیکھ کر تیمور بغیر اجازت کے ہی اندر آ گیا تھا۔
"میں نے کچھ پوچھا ہے آپ سے...؟" تیمور نے پھر انہیں متوجہ کیا۔
"ارے بیٹا... کیوں نہیں... کچھ رشتے تو بہن بھائیوں سے بھی بڑھ کر عزیز ہوتے ہیں۔" زبیدہ خاتون سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے اس کی سمت بڑھی تھیں۔
"تو پھر آپ کے اس خوددار بیٹے کے لیے میں کیوں عزیز نہیں ہوں؟" تیمور کا اشارہ ولید کی طرف تھا' ولید بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔
"ارے یار... میرے دوست ہو تو دوست ہی رہو... محبوبہ مت بنو... تم سے محبت کا اظہار میں بیانگ دہل کرنے سے تو رہا۔"
"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" تیمور کے چہرے پہ ناراضگی کا عنصر تھا اور ولید ککو کو پیچھے ہٹا کے اسٹک کا سہارا لیتے ہوئے اس کے مقابل آ کھڑا ہوا تھا۔
"فرمایئے جناب خادم حاضر ہے...؟" ولید نے سرخم کرتے ہوئے بڑی سعادت مندی کا مظاہرہ کیا تھا۔
"نہیں یار...! سرخم کرنے تو میں آیا ہوں۔" تیمور کی بات ایسی تھی کہ ولید چونکے بغیر نہیں رہا تھا۔
"کیا مطلب...؟ سرخم کرنے آئے ہو...؟" ولید کے دل کو کچھ ہوا تھا۔
"آؤ بیٹھو... بیٹھ کے بات کرتے ہیں۔" تیمور نے اسے اپنے بازو کا سہارا دیتے ہوئے کہا اور پھر آہستہ آہستہ چلتے اندر آ گئے تھے۔
"خیریت تو ہے نا تیمور...؟" ولید کی پریشانی دیدنی تھی۔
"فی الحال تو خیریت ہی ہے' لیکن آگے بھی خیریت ہی ہو گی اس کی کوئی گارنٹی نہیں ہے۔"
"پلیز تیمور... مجھے پہیلیاں مت بجھواؤ' صاف صاف بتاؤ... مسئلہ کیا ہے؟" ولید کی بے چینی حد سے سوا ہو چکی تھی کیوں کہ اسے اندازہ ہو چکا تھا... کہ معاملہ کس سے متعلق ہے؟
"دیکھو ولید...! میں جانتا ہوں کہ عزت تمہیں پسند کرتی ہے اور اس کی اس پسند پہ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" ولید کا سر خود بخود جھک گیا تھا... اسے امید نہیں تھی کہ تیمور اس طرح بلا جھجک اس سے بات کرے گا۔
"لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید میں بھی عزت کا ساتھ نہ دے پاتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے تم پہ اعتبار ہے... میری نظر میں تم مجھ سے بھی زیادہ عزت دار' غیرت مند اور خوددار ہو... محنتی ہو... سمجھ دار ہو اور عزت کے لیے اس سے بہتر ہمسفر اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا... میں کسی دوسرے پہ بھروسا نہیں کر سکتا... تم پہ بھروسا ہے... بس یہی کافی ہے۔" تیمور خود ہی بات کر رہا تھا اور ولید سر جھکائے سب سن رہا تھا۔
"اور اسی بھروسے کے بل بوتے پہ میں چاہتا ہوں کہ تم سے پہلی اور آخری بار بات کروں اور کھل کے بات کروں...." ولید نے یکدم سر اٹھا کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔
"عزت سے کورٹ میرج کر سکتے ہو...؟" تیمور نے بڑے نپے تلے سے انداز میں ایک بم ولید کے سر پہ چھوڑ دیا تھا۔
"تیمور...؟ یہ... یہ کیا کہہ رہے ہو تم...؟" ولید ششدر رہ گیا تھا۔
"میں جو کہہ رہا ہوں بہت سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں... کیوں کہ مجھے پتا ہے کہ ہمارے گھر میں ایک عظیم جنگ کا آغاز ہونے والا ہے اور اس جنگ کے نتیجے میں نقصان بھی عظیم ہی ہو گا۔"
تیمور کے لہجے کی سنجیدگی اور آواز گھمبیر پن ولید کے ارد گرد خطرے کی گھنٹیاں بجانے کے لیے بہت تھے۔

"نقصان۔۔۔؟ کیسا نقصان۔۔۔؟" وہ الجھا۔
"یہ تو مجھے بھی نہیں پتا۔" تیمور نے کندھے اچکائے۔
"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔۔۔؟" ولید نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔
"میں چاہتا ہوں کہ اگر میں عزت کے لیے کوئی اسٹینڈ لوں تو تم میرا بازو بن کر میرا ساتھ دو۔۔۔" تیمور نے مسکرا کر دیکھا۔
"دوں گا یار۔۔۔ ضرور دوں گا۔" ولید نے اس کا ہاتھ زور سے تھپکتے ہوئے اپنے بھرپور قسم کے ساتھ کا اعلان کیا تھا۔
"صرف ساتھ ہی دینا ہوگا یا جان بھی دینی ہوگی۔۔۔؟" ولید نے اسے چھیڑنے کی کوشش کی تھی۔
"میں تمہارا ساتھ مانگنے آیا ہوں' جان مانگنے نہیں آیا۔ جان دینے کی نوبت آئی تو اکیلا دوں گا۔ تم سے اس کام میں ساتھ نہیں مانگوں گا۔ اس کام کے لیے اکیلا ہی بہت ہوں۔"
تیمور نے بھی جواباً اس کا کندھا تھپکا تھا۔
"اف۔۔۔ اللہ معافی دے۔۔۔ آپ لوگ کتنی دل دہلا دینے والی باتیں کر رہے ہیں۔" ککو ان کے لیے چائے لے کر آئی تھی اور کمرے میں آتے ہی کانوں کو ہاتھ لگانے لگی تھی۔
ولید اور تیمور اس کے انداز پہ بیک وقت قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔
"تیمور بھائی۔۔۔ ایک بات پوچھوں آپ سے۔۔۔؟" ککو نے چائے کا کپ تیمور کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں ضرور۔۔۔" تیمور کا انداز لاپروا سا تھا۔
"آپ ماورا بھابھی کو دلہن کب بنا رہے ہیں۔۔۔؟" ککو نے تو حد کروائی تھی' تیمور کو یک دم اچھو لگ گیا تھا۔
"ماورا بھابھی۔۔۔؟" تیمور حیران پریشان رہ گیا۔
اور اس کی اس حیرانگی پہ ولید بھی ہنس پڑا تھا۔
"یار۔۔۔ یہ زمانہ بہت فاسٹ ہے۔۔۔ انسان کے اندر کی باتیں بھی شیشے کی طرح نظر آجاتی ہیں۔"
"بھائی۔۔۔! آپ کو برا لگا ہے میرا پوچھنا۔۔۔؟" ککو نے منہ بسور کر پوچھا۔
"ارے نہیں سویٹ ہارٹ۔۔۔ تم بس ماورا بھابھی کو دلہن بنانے کی تیاری کرو۔ بہت جلد تمہاری خواہش پوری ہونے والی ہے۔" تیمور نے ککو کو اپنے قریب بٹھا لیا تھا۔
"اچھا۔۔۔ وہ کیسے۔۔۔؟" اب کی بار ولید نے استفسار کیا۔
"وہ ایسے کہ اس نے اقرار کیا ہے کہ وہ اس کام کے لیے تیار ہے۔۔۔ میں جب چاہوں اسے دلہن بناؤں۔" تیمور نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے بہت مزے سے بتایا تھا اور ولید اچھلتے اچھلتے رہ گیا۔
"واٹ۔۔۔؟ یہ کام بھی ہو چکا ہے۔۔۔؟"
"ہاں جی۔۔۔! یہ کام بھی ہو چکا ہے۔" تیمور مسکرایا۔
"کب۔۔۔؟" ولید کو حیرت پہ حیرت ہو رہی تھی۔
"آج ہی۔۔۔" تیمور کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔
"اوہ تو یہ معاملہ ہے۔۔۔؟" ولید نے بڑے ذومعنی انداز سے کہا تھا اور جواباً تیمور قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

☆ ☆ ☆

"السلام علیکم بی گل۔۔۔!" قارہ کال ریسیو ہوتے ہی پہچان گئی تھی کہ دوسری طرف بی گل ہیں۔

"وعلیکم السلام۔۔! کون فارہ بات کررہی ہے۔۔؟" بی گل نے پہچاننے کی کوشش کی۔
"جی ہاں۔۔ فارہ بات کررہی ہوں۔"
"کیسی ہو بیٹا۔۔؟" بی گل نے اس کا حال احوال پوچھا۔
"ٹھیک ہوں اللہ کا کرم ہے۔ ماورا کہاں ہے۔۔؟"
"ٹھہرو بیٹا۔۔ آرہی ہے وہ۔۔ شاور لے رہی تھی۔"
"اچھا۔۔! آنٹی کا سنائیں وہ کیسی ہیں؟" اس نے عافیہ بیگم کا پوچھا۔
"وہ تو ٹھیک ہے۔ تم اپنے میاں کا سناؤ۔ وہ کیسا ہے؟ کوئی خوش خبری وغیرہ نہیں ہے کیا؟"
بی گل کی بات پہ فارہ یکدم قہقہہ لگا کر ہنسی تھی اور اس کے اس طرح ہنسنے پر بی گل ٹھٹک گئی تھیں۔
"لگتا ہے کہ خوش خبری ہی ہے' جو تمہیں اس طرح ہنسنے پہ مجبور کررہی ہے؟" انہوں نے بالکل درست اندازہ لگایا تھا۔
"سو سویٹ بی گل۔۔ بہت ہی ذہین ہیں آپ۔۔" فارہ مسلسل ہنس رہی تھی۔
"ماشاء اللہ جیتی رہو۔۔ خوش رہو۔۔ اللہ گود ہری رکھے۔" انہوں نے ڈھیروں دعائیں دے ڈالی تھیں۔
"یہ لو ماورا آگئی ہے اس سے بات کرلو۔" انہوں نے قریب آتی ماورا کو موبائل تھمادیا تھا۔
"ہیلو۔!"
"ہائے کیسی ہو۔۔؟" فارہ کا لہجہ چہک رہا تھا۔
"بڑی کھنک ہے آج ایئرپیس میں۔۔" ماورا نے حیرت کا اظہار کیا۔
"آئی ہیو اے گڈ نیوز۔۔" فارہ کی آواز خوشی سے لبریز ہوئی جارہی تھی۔
"کیا۔۔؟" اس نے بے ساختہ پوچھا۔
"تم خالہ بننے والی ہو۔۔" فارہ نے بڑی ترنگ میں بتایا تھا۔
"ریئلی۔۔؟" ماورا کو بھی حقیقتاً" سن کر خوش گوار حیرت ہوئی تھی۔
"آف کورس یار۔۔ ہم لوگ آج ہی اسپتال سے گھر آئے ہیں۔" فارہ کی خوشی ماورا کی خوشی تھی۔
"مبارک ہو یار۔۔ بہت بہت مبارک ہو۔۔" ماورا بھی مسکرارہی تھی۔
"تم کہاں ہو۔۔؟" فارہ کو اس کے آفس کا خیال آیا۔
"گھر پہ۔۔!" ماورا پرسکون تھی۔
"کیوں۔۔؟"
"بس آج جلدی گھر آگئی تھی۔"
"خیریت۔۔؟" فارہ سوال پہ سوال کیے جارہی تھی۔
"ہاں۔۔ آئی ہیو اے گڈ نیوز۔۔" ماورا کے انداز میں سنجیدگی اتر آئی تھی۔
"گڈ نیوز۔۔؟" فارہ ٹھٹکی۔
"ہاں۔۔ گڈ نیوز۔۔"
"کیا۔۔؟"
"میں تیمور حیدر سے کورٹ میرج کرنے کے لیے تیار ہوں۔۔ میں نے ہامی بھرلی ہے۔" ماورا نے بڑے سکون سے انکشاف کیا تھا۔
"کورٹ میرج۔۔؟"

"ہاں۔۔۔ وہ کورٹ میرج چاہتا ہے تو مجھے کیا اعتراض ہے بھلا۔۔۔؟ کورٹ میرج ہی سہی۔۔۔ آخر میرج تو ہے نا۔۔۔؟" اس کے انداز میں لاپروائی تھی۔

"مگر کب۔۔۔؟" فارہ کو اپنی ٹینشن بھول گئی تھی۔

"یہ ابھی طے نہیں ہوا۔۔۔ تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔ پھر مجھے دلہن بھی تو بننا ہے نا؟"

ماورا نے اسے چھیڑا تھا اور فارہ نے گم صم سے انداز میں فون بند کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

دن بھر تمام کام نپٹانے کے بعد تیمور قیام مرزا کی فیملی سے پہلے ہی گھر پہنچ گیا تھا۔ شاور لے کر کپڑے تبدیل کیے تیار ہوا اور نیچے آ گیا تھا۔

"السلام علیکم تیمور بھائی۔۔۔!" ساشا کی آواز پہ وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے رک گیا تھا۔

"وعلیکم السلام کیسی ہو۔۔۔؟ آج اچانک کیسے۔۔۔؟"

تیمور ساشا کی بے وقت آمد پہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"ماموں نے بلایا تھا۔۔۔ عزت کی انگیجمنٹ کے لیے۔۔۔" ساشا نے قدرے دھیمے لہجے میں بتایا۔

"او کے۔۔۔ تم جاؤ۔۔۔ عزت اپنے بیڈ روم میں ہی ہو گی۔" تیمور سر ہلا کر سامنے سے ہٹ گیا تھا اور ٹھیک آٹھ بجے مونس مرزا کی فیملی ان کے گھر پہنچ گئی تھی۔

رضا حیدر بڑے والہانہ انداز سے ان کا استقبال کرنے کے لیے آگے بڑھے تھے۔ وہ لوگ باقاعدہ شگن لے کر آئے تھے ان کے ملازم فروٹ اور مٹھائی کے ٹوکرے لے کر اندر داخل ہوئے تھے اور تیمور ان لوگوں سے ملنے کے لیے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔۔۔!!!

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)